مسلم بحری قوت کا عصرِ حاضر میں کردار

(اسلامی تعلیمات اور تاریخ کی روشنی میں)

تحقیقی مقالہ برائے

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

مقالہ نگار

عبدالحمید

پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی

ڈائریکٹر، فیکلٹی آف آرٹس اینڈ سوشل سائنسز

گفٹ یونیورسٹی، گوجرانوالہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فروری 2017ء

منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ

(Thesis and Defence Approval Form)

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالہ کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر مقالہ نگار کی امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں، اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: مسلم بحری قوت کا عصر حاضر میں کردار
(اسلامی تعلیمات اور تاریخ کی روشنی میں)

The Role of Muslim Naval Force in the Modern Age
(In the Light of Islamic Teachings and History)

نام ڈگری: ڈاکٹر آف فلاسفی علوم اسلامیہ

نام مقالہ نگار: عبد الحمید

رجسٹریشن نمبر: 522-MPhil/IS/Jan-2010

پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی
(نگران مقالہ)
____
دستخط نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر صفیانہ خاتون ملک
(ڈین، فیکلٹی آف سوشل سائنسز)
____
دستخط ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز

میجر جنرل (ر) ضیاء الدین نجم (ہلالِ امتیاز ملٹری)
(ریکٹر نمل)
____
دستخط ریکٹر نمل

تاریخ: ________________

حلف نامہ

(Candidate Declaration Form)

میں عبد الحمید ولد محمود الحسن

رول نمبر522 رجسٹریشن نمبر522-MPhil/IS/Jan-2010

طالب علم، پی ایچ ڈی، شعبہ علوم اسلامیہ، نیشنل یونیورسٹی اف ماڈرن لینگو ئجز(نمل) اسلام آباد، حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ

مقالہ بعنوان: **<u>مسلم بحری قوت کا عصر حاضر میں کردار</u>**

<u>(اسلامی تعلیمات اور تاریخ کی روشنی میں)</u>

<u>The Role of Muslim Naval Force in the Modern Age</u>

<u>(In the Light of Islamic Teachings and History)</u>

پی ایچ ڈی علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلہ میں پیش کیا گیا ہے، اور ڈاکٹر <u>مستفیض احمد علوی</u> کی نگرانی میں تحریر کیا گیا ہے، راقم الحروف کا اصل کام ہے، اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے، نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کے لئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: <u>عبد الحمید</u>

دستخط مقالہ نگار:-------------

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگو ئجز اسلام آباد

انتساب

بحمد اللہ تعالیٰ میں اپنی اس حقیر سی کاوش کا انتساب نہایت خلوص اور نیک تمناؤں کے ساتھ اپنے مرحوم والدین جن کی خواہش اور کوشش سے زیورِ تعلیم سے آراستہ ہوا۔

اور

اپنے مُشفق و مربی اساتذہ کرام کے نام کرتا ہوں، جنہوں نے اس کار گاہِ حیات کے ہر قدم پر میری راہنمائی کی، اور اُن کی بے لوث محبتوں اور مشفقانہ راہنمائی نے ہی مجھے اس مقام تک پہنچایا۔

اظہار تشکر

تمام تعریفیں مالک ارض وسماء کے لئے جس نے کائنات میں قلم کو پیدا کیا پھر قلم سے تمام علوم پیدا کیے جو تمام جہانوں کا خالق و مالک ہے۔ حمد وثنا اور شکر وسپاس بھی اس کے لئے ہے جو بحر و بر کا خالق ہے۔ جس نے ہمیں دین اسلام کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائی، کروڑوں درود و سلام ہوں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جن کی محبت تمام عالم اسلام کا سرمایہ افتخار ہے۔اس کے بعد شکر گزار ہوں اپنے والدین کا جن کی دعاؤں اور کوششوں نے بچپن سے اب تک رہنمائی کی اور میں آج بھی ان کی دعاؤں اور شفقتوں کا اتنا ہی طلبگار ہوں جتنا عالم طفولیت میں تھا۔

اسی طرح میں شکر گزار ہوں اپنے نگران مقالہ پروفیسر ڈاکٹر مستفیض احمد علوی کا جنہوں نے تحقیقی مقالہ کے ہر مرحلہ میں مشفقانہ انداز میں بھرپور رہنمائی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں مزید اضافہ فرمائے۔

اور میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں اپنے استاد محترم عزت مآب پروفیسر ڈاکٹر ضیاء الحق یوسفزئی کا جنہوں نے موضوع کے انتخاب سے لے کر تحقیقی کام کے اختتام تک شفقت اور محبت کا اظہار فرمایا اور اپنی قیمتی آراء و تجاویز سے اس تحقیقی کام میں میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

تحقیق کے اس سفر میں پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الغفار بخاری سربراہ شعبہ علوم اسلامیہ (NUML)، ڈاکٹر فاروق احمد، کمانڈر (ر) عبد الغفور طاہر پاکستان بحریہ، اور ڈاکٹر حافظ آفتاب احمد سربراہ شعبہ علوم القرآن، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد کو کبھی فراموش نہ کر سکوں گا جن کی بھرپور راہنمائی اور معاونت میرے شامل حال رہی اور ان کے مفید مشورے میرا قیمتی اثاثہ بنے۔

میرے شکریہ کی حقدار میری شریکہ حیات بھی ہیں، جنہوں نے اس طویل عرصہ میں ہمیشہ ہمت بڑھائی اور تمام ذمہ داریوں کا بوجھ خود اٹھایا اور مجھے گھر اور اولاد سے بے فکر کر کے تحقیق کے لئے یکسوئی فراہم کی۔ میں ممنون ہوں ان تمام لائبریریوں کے عملے کا جنہوں نے تحقیق کے سلسلہ میں تعاون اور راہنمائی کی۔

آخر میں ان تمام احباب کا شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے کسی بھی مرحلہ پر میری مدد کی اور مفید مشوروں سے نوازا، اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ (آمین)

عبد الحمید

(مقالہ نگار)

ABSTRACT

مسلم بحری قوت کا عصر حاضر میں کردار

(اسلامی تعلیمات اور تاریخ کی روشنی میں)

The Role of Muslim Naval Force in the Modern Age

(In the Light of Islamic Teachings and History)

The Role of Muslim Naval Force in the contemporary era with reference to Islamic Teachings and History has been critically and analytically evaluated in this research work. The significance and value of Naval Force of Islamic countries has come under discussion in scientific manners.

In the first chapter, an attempt has been made to highlight the importance of Oceans in human life, in the light of the Holy Qur'an. As we are aware of the fact that two third of this earth consists of water, the remaining is the land. Moreover, this chapter elucidates pre-Islamic history of Naval Force in effective manners.

Second chapter deals with the concept of Jihad in Islam. Different forms and manifestations of Jihad in Caliphate period have been discussed. The historical perspective of Muslim Navy and its beginning has been explained.

In the third chapter, the golden period of Muslim Naval Force with special reference to Umayyad and Abbasids period have been studied.

Fourth chapter discusses advancement of Muslim Navies under Fatimid and the Ottoman empires. The contribution of Turks and the conquest of Cordova have been critically evaluated. Different challenges during this period have also been described.

In the last chapter, challenges to the Muslim Navies in general and to the Pakistan Navy in particular have been identified. The achievements of Pakistan Navy has also been highlighted and appreciated. Last but not least, recommendations and suggestions for the uplift and advancement of Muslim Navies have been discussed.

فہرست عنوانات

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
I	منظوری فارم برائے مقالہ و دفاع مقالہ	1
II	حلف نامہ	2
III	انتساب	3
IV	اظہار تشکر	4
V	Abstract	5
XIV	مقدمہ	6
XVI	تعارف	7
XIX	تحقیق کے مقاصد	8
XX	سابقہ علمی و تحقیقی مواد کا جائزہ	9
XXII	اسلوب تحقیق	10
XXIII	خاکہ تحقیق (ابواب و فصول کی تقسیم و ترتیب)	11
1	باب اول-- بحر و بر کے لغوی و اصطلاحی مباحث قرآن و حدیث کی روشنی میں	12
2	مبحث اول : بحر و بر کا لغوی مفہوم	13
6	مبحث دوم: بحر و بر کا اصطلاحی مفہوم	14
9	برّاعظم ایشیاء	15
9	برِاعظم امریکہ	16
9	برِاعظم یورپ	17
11	فصل دوئم--- قبل از اسلام بحری تاریخ	18
12	زمانۂ قدیم میں بحری جہازوں کا استعمال	19
13	عرب قوم اور جہاز رانی	20
15	حضرت سلیمان علیہ السلام اور بحری سفر	21
18	فصل سوئم- بحری قوت کی تاریخ قرآن و حدیث کی روشنی میں	22
19	قرآن حکیم میں بحری جہازوں کا تذکرہ	23

24	دنیا کا سب سے پہلا بحری جہاز	24
26	کشتی نوح کی تاریخ	25
31	آنحضور ﷺ کی بحری جہاد سے متعلق پیشین گوئی	26
33	باب دوئم- بحری جہاد کی اہمیت اسلام کی نظر میں	27
35	اسلامی جہاد کی حقیقت	28
35	جہاد کا لغوی مفہوم	29
38	جہاد کا اصطلاحی مفہوم	30
41	جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت	31
41	فرضیت جہاد از روئے قرآ مجید	32
46	جہاد کی اہمیت از روئے حدیث	33
50	جہاد میں عدم شرکت پر وعید	34
51	بحری جہاد کی فضیلت	35
51	بحری مجاہدین کا مقام	36
56	جہاد کی اقسام	37
56	دفاعی جہاد	38
57	اقدامی جہاد	39
58	ایک شبہ کا ازالہ	40
59	فقہاء اربعہ کے نزدیک جہاد کا حکم	41
59	فقہائے احناف کے نزدیک جہاد کا حکم	42
61	فقہائے مالکیہ کے نزدیک جہاد کا حکم	43
61	فقہائے شافعیہ کے نزدیک جہاد کا حکم	44
62	فقہائے حنابلہ اور حکم جہاد	45
64	مشروعیت جہاد کی علت	46
64	مقاصد جہاد	47
65	دعوت اسلام کی حفاظت و مدافعت	48
65	فتنے کا خاتمہ	49

50	غلبہ اسلام	65
51	کمزوروں کی مدد	66
52	دفاع کیلئے لڑنا	66
53	مقبوضہ علاقہ چھڑوانا	67
54	فصل دوئم---خلافت راشدہ میں بحری جہاد	69
55	خلافت راشدہ میں بحری قوت کے قیام واستحکام کے اسباب و محرکات	70
56	دینی جذبہ اور بحری جہاد کی فضیلت	70
57	بحری حکمت عملی کا فقدان	71
58	بلاد شام میں مسلمانوں کی آبادکاری	71
59	بازنطینیوں کی بحری قوت کا ادراک	71
60	خلیفہ دوئم حضرت عمرؓ کے عہد میں بحری جہاد	71
61	فصل سوئم---مسلم بحریہ کا باقاعدہ آغاز	79
62	بحری جنگی کشتیاں اور آلات حرب وضرب	83
63	جنگی کشتیوں کی بناوٹ اوران کے اسلحے	83
64	کشتیوں کے مخصوص اسلحے	86
65	جنگ کے وقت بحری فوج کی ترتیب	88
66	جنگی کشتیوں کی اقسام	89
67	فتح قبرص کے اولین محرک	93
68	موجودہ دور میں بحری جہاز سازی	93
69	باب سوئم---مسلم بحریہ کا سنہری دور	95
70	عہد بنوامیہ کا تعارف	97
71	حضرت امیر معاویہؓ کا بحریہ کے استحکام میں کردار	98
72	قسطنطنیہ کا تعارف اور تاریخ	99
73	قسطنطنیہ کی فتح میں بحریہ کا کردار	100
74	مسلم بحریہ کا سسلی پر حملہ	103
75	جزیرہ رہوڈس کی فتح میں بحریہ کا کردار	104

105	جزیرہ اروی پر بحری یلغار	76
105	مسلم بحریہ کے استحکام میں امیر معاویہؓ کی کاوشوں کا تجزیہ	77
106	عبد الملک بن مروان اور مسلم بحریہ کی توسیع و استحکام	78
107	ولید بن عبد الملک کے عہد حکومت میں بحری قوت	79
108	سلیمان بن عبد الملک کے دور میں حکومت میں بحریہ کا ارتقاء	80
109	ہشام بن عبد الملک اور مسلم بحریہ	81
112	فصل دوئم---عہدِ بنو عباس میں مسلم بحریہ	82
113	بنو عباس کا تعارف	83
113	عہد بنی عباس اور بحری قوت	84
115	عہد بنی عباس اور بحری تجارت	85
117	خلیفہ ہارون الرشید اور مسلم بحری بیڑہ	86
121	خلیفہ مامون الرشید اور مسلم بحری بیڑہ	87
124	فصل سوئم---اندلس کی فتح میں مسلم بحریہ کا کردار	88
125	اندلس کا تعارف	89
126	اندلس اور یورپ کی حالتِ زار	90
128	اندلس میں بحری بیڑے کی تیاری اور اس کا ارتقاء	91
129	بحری بیڑے کا فائدہ	92
129	عبد الرحمٰن ثانی اور بحری بیڑہ	93
131	عبد الرحمٰن ناصر اور بحری بیڑہ	94
133	عبد الرحمٰن الناصر اور قرطبہ کی ترقی	95
135	باب چہارم--پندرہویں صدی عیسوی سے عصر حاضر تک مسلم بحریہ	96
137	فاطمین کا تعارف اور وجہ تسمیہ	97
138	حدود سلطنت فاطمیہ	98
139	دولت فاطمیہ بلاد مغرب میں	99
139	بحریہ کی ترویج میں عبید اللہ المہدی کا کردار	100
140	عہدِ فاطمی کا مضبوط بحری بیڑہ	101

142	عہد فاطمی میں معز الدین کا بحری بیڑہ اور جہاز سازی	102
144	عہد فاطمیہ کے اہم بحری کارخانے	103
146	سلطنت عثمانیہ کا تعارف	104
148	سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے بحری کارنامے	105
149	سلطان اُورخان غازی اور مراد اوّل کے عہد کی فتوحات	106
151	عثمانی ترکوں کی بحری طاقت کا آغاز اور بحری بیڑا	107
151	قسطنطنیہ کی فتح اور مسلم بحریہ	108
154	خشکی پر بحری جہاز چلانے کا انوکھا کارنامہ	109
156	قسطنطنیہ پر حملے سے پہلے سلطان محمد فاتح کی آخری تقریر	110
157	فاتح قسطنطنیہ کی عظیم رواداری	111
158	سلطان بایزید یلدرم کا محاصرہ قسطنطنیہ	112
161	فصل سوئم: باربروسہ اور ان کے بحری کارنامے	113
162	امیر البحر عروج باربروسہ	114
162	مذہبی رہنما پوپ کا بحری بیڑہ	115
163	اسپین کی بحری قوت اور عروج باربروسہ کا مقابلہ	116
164	اسپین حکومت کا بوجیہ نامی بستی پر قبضہ اور امیر البحر عروج کا اقدام	117
164	امیر البحر عروج کی شہادت	118
165	امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسہ	119
166	اتحادی بحری بیڑے کو شکست	120
167	امیر البحر خیر الدین پاشا کا ایک اہم واقعہ	121
167	اہم کارنامے	122
168	انتقال	123
169	باب پنجم	124
174	سمندروں کا علم اور اس کی اہمیت	125
175	جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت اور بحریہ کا کردار	126
176	مستحکم بحریہ مستحکم دفاع کی ضامن ہے	127

176	مسلمانوں کی شاندار بحری تاریخ پر ایک نظر	128
178	عصر حاضر میں مضبوط بحریہ مضبوط معیشت کی ضامن	129
179	فصل دوئم-- اسلامی ممالک کی بحری قوت پر طائرانہ نظر	130
181	پاکستان بحریہ	131
182	پاک بحریہ اور جہاز سازی	132
183	1965 کی جنگ اور پاک بحریہ کا کردار	133
185	پاک بحریہ کے حملے کے نتائج	134
185	پاکستان بحریہ کے تربیتی ادارے	135
187	جناح نیول بیس	136
187	پاکستان بحریہ کے معاون ادارے	137
187	پاکستان کوسٹ گارڈ	138
188	پاکستان میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی	139
188	عالمی اور علاقائی سمندروں پر قیام امن کے لئے پاک بحریہ کا کردار	140
191	پاک چین اقتصادی راہداری منصوبہ	141
192	پاک چین اقتصادی راہداری اور پاک بحریہ	142
193	ترکی بحریہ	143
193	پاکستان اور ترکی میں چار بحری جہازوں کی تیاری کا معاہدہ	144
194	ملائشین شاہی بحریہ	145
195	انڈونیشین بحریہ	146
196	البانوی بحریہ	147
196	بنگلہ دیشی بحریہ	148
197	شاہی برونائی بحریہ	149
198	مصری بحریہ	150
198	عراقی بحریہ	151
198	ایرانی بحریہ	152
199	عمانی شاہی بحریہ	153

200	بحرینی شاہی بحریہ	154
201	کویتی بحریہ	155
201	متحدہ عرب امارات بحریہ	156
202	یمنی بحریہ	157
202	سعودی شاہی بحریہ	158
203	خلاصہ کلام	159
205	فصل سوئم---مسلم بحری قوت اور عصر حاضر کے تقاضے	160
207	مسلم بحریہ کو درپیش چیلنجز اور عصر حاضر کے تقاضے	161
208	سمندری حیات میں ماحولیاتی آلودگی	162
210	قزاقی، دہشت گردی اور سمگلنگ۔بحری قوت کو بڑے چیلنجز	163
210	بحری قذاقی کی تاریخ	164
212	یمن سے محصورین کا انخلاء اور پاک بحریہ کا کردار	165
213	معاشی ترقی کے امکانات اور بحری قوت کو درپیش چیلنجز	166
215	جنوب مشرقی ایشیا میں معاشی ترقی کے امکانات اور پاکستان کا کردار	167
218	نتائج بحث	168
220	سفارشات وتجاویز	169
224	فہرست آیات قرآنیہ	170
227	فہرست احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم	171
228	فہرست اعلام	172
231	فہرست اماکن	173
233	مصادر ومراجع	174
241	English books and magazines	175
242	Einglish Dictionaries	176
242	Web Pages	177

مقـدمـہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحابہ رضی اللہ عنہم اَجْمَعِیْنَ ط

اَمَّــا بـعــد

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

موضوعِ مقالہ:

مسلم بحری قوت (Naval Force) کا عصر حاضر میں کردار

(اسلامی تعلیمات اور تاریخ کی روشنی میں)

مقدمہ میں حسب ذیل اُمور شامل ہیں:

- موضوع تحقیق کا پس منظر
- موضوع تحقیق کا تعارف
- موضوع اختیار کرنے کے اسباب
- موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت
- موضوع تحقیق کے بنیادی سوالات
- موضوع تحقیق کی حد بندی
- اہداف ومقاصد تحقیق
- موضوع تحقیق کے مفروضات
- موضوع پر سابقہ کام کا جائزہ
- اسلوب / منہج تحقیق
- دوران تحقیق پیش آمدہ مشکلات

سب سے پہلے ہم موضوع کا پس منظر ذکر کریں گے۔

موضوع تحقیق کا پس منظر

اللہ تعالیٰ نے پہلی وحی سے ہی انسان کو پڑھنے اور سیکھنے کا درس دیا بلکہ اس کے لئے ہر طرح کی تحقیق و جستجو کی راہ ہموار کر دی۔ اب یہ انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے مالک کی دی ہوئی راہ پر کیسے گامزن ہوتا ہے اور کیسے اس راستے کی مطلوبہ ضروریات کو پورا کرتا ہے۔

قرآن حکیم کا مطالعہ کرنے والا شخص بلا تامل یہ کہہ سکتا ہے کہ پورا قرآن حکیم علم کا خزانہ اور حکمت کے موتیوں سے مالامال ہے اور بار بار انسان کی توجہ اپنے آس پاس پھیلی کائنات کی رنگینیوں اور قدرت کی صنعت کاری کی طرف مبذول کرواتا ہے اور بارے دگر غور و فکر اور تحقیق و تجسس کا مطالبہ کرتا ہے۔

کائنات کے اندر پھیلی اُن بے پناہ نعمتوں میں سے سمندر بھی اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے جو زمین کے تین چوتھائی حصے پر محیط ہے۔ سمندر کا ہماری زندگی سے بہت گہرا تعلق ہے۔ اس لئے انسانی ضرورت کے ان گنت وسائل کا تعلق سمندروں کے ساتھ وابستہ ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ انعام بھی بیش قیمت ہے کہ اس نے سمندر کو انسان کے تابع کر دیا ہے چاہے تو وہ اس سے اپنی خوراک حاصل کرے، چاہے اس کو تجارتی مقاصد کیلئے استعمال کرے، اس سے حاصل کردہ معدنیات سے استفادہ کرے، یا اس کی تہہ میں چھپے خزانے نکالے۔ غرضیکہ سمندر اپنی حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے انعام و اکرام کا سمندر ہے۔ اگر یہ کھارا پانی نہ ہوتا تو انسان کیلئے شب و روز کا درجہ حرارت ناقابل برداشت ہوتا کیونکہ سمندر نے دنیا کے درجہ حرارت کو کنٹرول کیا ہوا ہے۔ الغرض سمندر کی وسعتوں کے مطابق اس سے متعلق علوم بھی وسیع و عریض ہیں۔ بحری طاقت و قوت برائے دفاع ان میں سے ایک اہم موضوع ہے جس کو اس تحقیقی مقالہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔

موضوع تحقیق کا تعارف

ہر زمانے میں سمندر کو مختلف مقاصد کیلئے استعمال کیا گیا، کبھی تجارتی اور کبھی عسکری مقاصد کیلئے۔ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امت مسلمہ کے راہنماؤں نے بھی سمندروں کے اس استعمال کو ہمیشہ اہمیت دی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بحری قوت کو اسلامی ریاست کے دفاع میں استعمال کرنے کے مختلف پہلوؤں پر

تحقیق کر کے عصر حاضر میں اس کی اہمیت واضح کی جائے اسی ضرورت کی پیش نظر زیر نظر مقالہ کا خاص موضوع "مسلم بحری قوت کا عصر حاضر میں کردار" منتخب کیا گیا ہے۔

دنیا میں آج مسلمانوں کی تعداد ڈیڑھ ارب سے زیادہ ہے ۔ گویا روئے زمین کی مجموعی آبادی کا چوتھا حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ یہ دنیا کے ایک بڑے رقبے پر آباد ہیں۔ 139,859,358 مربع کلومیٹر کا ایک چوتھائی حصہ ان کے زیر اثر ہے۔ اہم ترین آبی گذر گاہیں جو تجارت و دفاع وغیرہ میں نہایت اہم کردار ادا کرتی ہیں وہ سب عالم اسلام میں واقع ہیں۔ بحر ابیض متوسط(Mediterranean Sea) تین براعظموں کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔ جبل الطارق کا درہ بحر اوقیانوس اور بحر متوسط کے درمیان واقع ہے۔ نہر سویز بحیرہ احمر کو بحر متوسط سے ملاتی ہے۔ باب المندب کا درہ جو بحیرہ احمر اور خلیج عدن کے درمیان وصل کا کام دیتا ہے۔ ملاکا کا درہ، جزیرہ سوماترا کو جزیرہ نما ملایا سے الگ کرتا ہے۔ یہ سب تجارتی، فوجی اور حربی حوالوں سے اہم ہیں۔ [1] جنھوں نے قدیم و جدید دور میں فیصلہ کن کردار ادا کیا ہے۔ امریکہ، برطانیہ، فرانس، اٹلی جیسے مغربی ممالک نے اسی حقیقت کے پیش نظر گزشتہ چار سو سالوں میں اسی قوت کو مضبوط کرنے پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے۔

موضوع تحقیق کی ضرورت واہمیت

تاریخ گواہ ہے کہ ''بحری طاقت'' (Naval Force) کی موجودگی سے لینیقیا (Lynyqya) کے باشندوں نے بحیرہ روم(Mediterranean Sea) پر حکومت کی اور ایتھنز (Athens) نے اہل فارس کو شکست دی۔ رومہ نے قرطاجنہ (Carthaginian) کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی اور اطالوی (Italian) شہری ریاستوں نے اپنی جاہ وحشمت حاصل کی۔ 1571ء میں لیپانٹو (Lypanntu) نے ترکی کو بے دست و پا کر دیا۔ پرتگال(Portugal) نے بحری طاقت کے بل بوتے پر اپنی سلطنت قائم کی اور دور دراز علاقوں مثلاً جزائر شرق الہند (موجودہ انڈونیشیا) تک اپنی تجارت اور سلطنت کو وسعت دی، اور ہسپانیہ (Spain) کی برتری کو اس

1: ایران، بحیرہ احمر اور خلیج عدن نیز بحیرہ قلزم اور بحر ہند کو باہم ملانے والی اور ایشیاء اور افریقہ کو جدا کرنے والی آبنائے باب المندب، جو 29 کلو میٹر چوڑی ہے۔ یہ دنیا کی مصروف ترین آبی گذر گاہوں میں سے ایک ہے۔ یہاں سے ہزاروں تیل بردار جہاز گزرتے ہیں۔ امریکی توانائی کے ادارے کے مطابق 2016 میں یہاں سے چار کروڑ اسی لاکھ بیرل تیل یومیہ گذرتا تھا۔ یمن اور جبوتی کے جنوب میں واقع اس آبنائے پر گذشتہ دنوں حوثی باغیوں کے حملوں کی وجہ سے سعودی عرب نے یورپ کو تیل کی ترسیل کا راستہ روک دیا تھا۔ چونکہ حوثی باغیوں کے پیچھے ایران کا ہاتھ ہے اس لئے اسرائیل نے ایران کو خبردار کیا ہے کہ اگر اس آبنائے کو بند کیا گیا تو وہ اس پر اپنی فوج تعینات کرے گا۔ (بحوالہ بی بی سی اردو، یکم اگست 2018)

کے بیڑے کی انگریزی بحریہ کے ہاتھوں شکست نے ختم کر دیا۔ ولندیزیوں (Dutch) نے بھی بحری طاقت کے ذریعے ہی اہمیت حاصل کی۔

اٹھارویں اور انیسویں صدی میں برطانیہ نے فرانس کو شکست دے کر بحری برتری حاصل کی اور سلطنت برطانیہ سمندروں کی ملکہ کہلائی۔ 1816ء کی جنگ کے بعد امریکی بحری طاقت میں اضافہ اس کی عالمی برتری کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ پہلی عالمی جنگ میں جرمنی کی بحری ناکہ بندی ہی اس کی شکست کا باعث بنی۔ دوسری عالمی جنگ میں گو کہ ہوائی برتری کو اہمیت حاصل رہی مگر بحر الکاہل میں مضبوط بحریہ کی اہمیت اپنی جگہ قائم رہی۔ اس جنگ میں یورپ کے مستحکم ہو جانے کے موقع پر بھی طاقتور بحریہ کی ضرورت کا احساس بڑھا۔ 1954ء میں ایٹم بم سے مسلح آبدوز "نائٹس" کے امریکی بحریہ میں شامل ہونے سے بحری طاقت میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوا، گویا دنیا کا ہر ملک اپنی بحری طاقت کو مضبوط ترین بنانے میں کوشاں ہے، گذشتہ روس افغان جنگ کا مقصد اعلیٰ بین الاقوامی سمندروں تک رسائی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

اُمت مسلمہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے ساتھ ہی دنیا کے سمندروں سے غائب ہو گئی۔ حالانکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ فرزندان اسلام ایک شاندار ماضی کے مالک اور جملہ علوم وفنون میں پوری دنیا کے امام و پیشوا تسلیم کئے جاتے تھے۔ اسلام کی فتوحات اور کارہائے نمایاں میں کوئی طاقت ان کے ہم پلہ وہم سر نہ تھی۔ ان کی حکمرانی نہ صرف زمین پر تھی بلکہ سمندر بھی ان کے تابع اور مسخر تھے۔ بقول حالی:

؎ خشک و تر پہ ان کا سکہ رواں تھا

مسلمان ماہرین بحریات نے سمندروں کی پیمائش، راستوں کا تعین پھر ان کو پورے اعتماد و یقین کے ساتھ نقشوں اور چارٹس پر منتقل کر دیا تاکہ آنے والی نسلیں ان سے خوب استفادہ کر سکیں۔ دور حاضر کے دفاعی تجزیہ نگاروں اور محققین کی رائے کے مطابق سمندر کی اہمیت، سیاسی، معاشی اور دفاعی اعتبار سے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ عہد رفتہ کی سابقہ تحقیقات میں سمندری حدود کے دفاع کو بہت اہمیت حاصل رہی ہے۔ اسی طرح اسلامی عالمی تاریخ میں اسے خصوصی مقام حاصل رہا ہے۔ اسلامی تاریخ میں مسلم بحریہ کی تاریخ ایک روشن باب کی حیثیت رکھتی ہے اور مسلم بحری مجاہدین نے سمندروں کی حدود میں ایسے حیرت انگیز کارہائے نمایاں اور ایسی روشن مثالیں قائم کی ہیں کہ جن کی آب و تاب آج بھی صدیاں گزر جانے کے بعد بھی موجود ہے۔

زیر نظر تحقیق میں اہل اسلام کے بحری کارناموں اور اسلامی بحری بیڑوں کی تاریخ وارتقاء کو بتحقیق واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ مسلمان اپنے درخشاں ماضی سے روشناس ہو سکیں۔ نیز عصر حاضر میں بحری قوت کے کردار کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا گیا ہے تاکہ جدید دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے مسلم امہ تمام تر صلاحیتیں بروئے کار لانے پر بھرپور توجہ دے سکے۔ یہی مقصدِ تحقیق ہے جو وقت کی بھی اہم ضرورت ہے۔

موضوع اختیار کرنے کے اسباب

- اس موضوع کو اختیار کرنے کا محرک اول مقالہ نگار کا پاکستان نیوی کے شعبہ دینی تعلیمات، نیول ہیڈ کوارٹرز، میں بحیثیت اسٹاف آفیسر (بطور لیفٹیننٹ کمانڈر) خدمات سرانجام دینا ہے۔
- اس کے علاوہ مسلمان سائنسدانوں اور جہاز رانوں کی بحری علوم کے حوالہ سے علمی خدمات سے متاثر ہونا بھی اس موضوع کے اختیار کرنے کا سبب بنا۔
- پاکستان نیوی میں ملازمت کے دوران اکثر اوقات موضوع مقالہ سے ملتے جلتے عنوانات سے واسطہ بھی اس موضوع کو اختیار کرنے کا سبب بنا۔

تحقیق کے بنیادی سوالات

- کیا تاریخ کا طالب علم مسلم بحری علمی ورثے سے واقف ہے؟
- کیا بحری قوت اور بحریات کا علم مسلمانوں کی ایجاد ہے؟
- مسلم بحری قوت کے ماضی کے کارہائے نمایاں سے عصر حاضر میں کیسے استفادہ کیا جا سکتا ہے؟
- وہ کیا عوامل ہیں جو مسلمانوں کے ماضی کی بحری خدمات کو فراموش کرنے کا سبب بنے؟

موضوع تحقیق کی حدبندی

موضوع تحقیق اس انداز میں زیر بحث لایا گیا ہے کہ سب پہلے بحری قوت کے استعمال کی ابتداء کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے بعد تاریخ وارتقاء ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں اسلامی ممالک کی بحریہ بالخصوص پاکستان نیوی کی مجموعی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

اہداف ومقاصد تحقیق

دوران تحقیق مندرجہ ذیل مقاصد مقالہ نگار کے پیش نظر رہے ہیں:

1. طلبہ کو اسلامی علوم کی حقانیت سے روشناس کرانا۔
2. اہلِ اسلام کی بحری قوت (Naval Force) کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کرنا۔

3. مسلمانوں کی عسکری اور پیشہ ورانہ بحری صلاحیت کے روشن پہلوؤں کو واضح کرنا۔

4. مسلمان علماء کی بحری علوم پر مبنی کتب سے جدید نسل کو آگہی فراہم کرنا۔

5. عصر حاضر میں بالعموم بحری قوت کے کردار کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہوئے امت مسلمہ کی دفاعی حکمتِ عملی کی نشاندہی کرنا۔

6. عصرِ حاضر میں بالخصوص پاکستان نیوی کی زمانہ امن و جنگ، دونوں حالتوں میں خدمات کا جائزہ لینا اور انہیں ایک علمی مقالہ کی صورت دینا۔

موضوع تحقیق کے مفروضات

1. مسلم بحریہ دنیا کی عظیم بحری طاقت کا درجہ رکھتی ہے۔

2. موجودہ دور میں بحری قوت دفاع اور تجارت کا بہترین ذریعہ ہے۔

3. بحری علوم پر مسلمانوں کی کئی علمی و تحقیقی کتب (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) اور کاوشیں موجود ہیں۔

سابقہ علمی و تحقیقی مواد (Literature) کا جائزہ

زیرِ بحث موضوع کا تعلق چونکہ ایک اہم اسلامی رکن جہاد سے بھی ہے جس پر قرآن حکیم کی بیسیوں آیات کے ساتھ ساتھ احادیث و اسوۂ حسنہ سے بے شمار مثالیں، تفاسیر اور کتب حدیث و سیرت اور فقہ اسلامی کی درجنوں کتب اس کی اہمیت و ضرورت پر اسلامی علمی ورثہ میں موجود ہیں۔ جن میں سے بیشتر کا تعلق عربی اور اردو زبان سے ہے ان کتب کے الگ الگ تذکرہ کی یہاں ضرورت نہیں تاہم ان کتب سے ماخوذ و مستفید علمی و تحقیقی مواد کا تذکرہ از بس ضروری ہے۔ اس امر میں کوئی شک نہیں کہ جہاد اور اس سے متعلقہ موضوعات پر ان گنت کتابیں اور تحقیقی مقالہ جات دستیاب ہیں لیکن اسلامی بحری قوت جو اس مقالہ کا موضوع ہے اس پر لکھی گئی کتب اور علمی مقالہ جات کا مطالعہ کیا گیا ہے اور ان کا تحقیقی و تجزیاتی جائزہ لیتے ہوئے تشنہ طلب پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مذکورہ موضوع پر ماضی میں ہونے والے علمی کام سے متعلق جو سرمایہ دستیاب ہوا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

سب سے پہلے ہم موضوع بحث پر دستیاب عربی کتب اور مقالہ جات کا تذکرہ کرتے ہیں

''البحرية الاسلامية تاریخ تفاخربه'' عبد الکریم السمک کی بہت اہم اور بنیادی کتاب ہے، انہوں نے بڑی جانفشانی کے ساتھ موضوع کے مختلف گوشوں کو اُجاگر کیا ہے، جن کا تعلق مصر سے ہے۔ یہ کتاب عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔ کتاب ہذا آٹھ ابواب پر مشتمل ہے، جن کو مختلف فصول میں تقسیم کیا گیا ہے، جس میں اسلامی بحریہ کے قابل فخر کارناموں کا ذکر کیا گیا ہے اور ان حقائق سے پردہ اٹھایا گیا ہے جو ابھی تک نظروں سے اوجھل تھے۔

''حقائق الاخبار عن دُوَل البحار'' کے مصنف اسماعیل سرہنگ ہیں۔ عربی زبان کی اس کتاب کو 1312 ہجری میں مصر کے مکتبہ امیریہ نے شائع کیا ہے۔ کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر حمید اللہ اور سید سلیمان ندوی نے بھی اپنی کتب میں اس کا حوالہ دیا ہے، اس میں ان تمام ملکوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سمندری حدود پر واقع ہیں اور ان کی تجارت و معیشت کا دارومدار سمندر اور جہازوں (Sea Power) کے ساتھ منسلک ہے۔

"تاریخ البحریة الاسلامیة فی المغرب و الاندلس" ڈاکٹر سید عبد العزیز سالم اور ڈاکٹر احمد مختار العبادی کی مشترکہ کاوش ہے۔ دونوں اساتذہ کا تعلق اسکندریہ اور بیروت یونیورسٹی سے ہے۔ مذکورہ کتاب کو دار النهضة العربية ،بیروت نے سن 1969 میں شائع کیا ہے۔ کتاب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بحری غزوات، افریقہ میں اسلامی بحریہ کا قیام، تونس میں دار الصناعۃ کا قیام اور اموی دور میں بحری غزوات تک کی مفصل تاریخ بیان کی گئی ہے۔

''البحرية الاسلامية فی بلاد المغرب فی عهد الاغالبه''ڈاکٹر فوزیہ محمد عبد الحمید کی تصنیف ہے۔ اسے جامعہ قاہرہ، مصر یونیورسٹی نے شائع کیا ہے۔ کتاب ہذا کی طباعت 1980 اور 1984 میں کی گئی، اس کتاب میں بنو اغلب کا دورِ حکومت اور بلادِ مغرب میں ان کے بحری کارنامے اور فتوحات، نیز بحری بیڑے کی زبردست کامیابیوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

"الملاحة وعلوم البحار عند العرب" جہازرانی پر ڈاکٹر انور عبد العلیم کی ایک بہترین کاوش ہے۔ جسے سلسلة كتب ثقافية شهرية ، المجلس والوطنى للثقافة والفنون والآداب، کویت کے ماہنامہ ''عالم المعرفة'' کے شمارہ نمبر 13، جنوری 1979 میں شائع کیا گیا ہے۔ مجلہ مذکورہ میں جہازرانی قبل از اسلام، اسلام میں جہازرانی، عرب جغرافیہ دان اور سمندر، عربوں کے بحری بیڑے اور بحری فنون حرب، ابن ماجد اور دستور جہازرانی پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

"**التنظيم البحري الإسلامي في شرق المتوسط من القرن السابع حتى القرن العاشر الميلادي**" علی محمود فہمی کی مذکورہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک منفرد کتاب ہے جس میں مصر، بلاد شام، افریقہ اور کریٹ میں سفینہ سازی، بحری عسکری مراکز، بحری لڑاکا جہازوں اور اسلامی بحری بیڑے سے متعلق سیر حاصل معلومات پیش کی گئی ہیں۔ نیز مسافر بردار بحری جہازوں اور بحری مجاہدین (سیلرز) کی بھرتی جیسے موضوعات پر تاریخی حوالوں سے معلومات بھی فراہم کی گئیں ہیں۔ 320 صفحات کی اس کتاب کو 1992 میں عین للدراسات والبحوث الإنسانية والإجتماعية مصر نے شائع کیا ہے۔

اُردو زبان میں بیسویں صدی کے آغاز میں شائع ہونے والی اہم کُتب درج ذیل ہیں:

"**اسلام کے مشہور امیر البحر**" عبد الواحد سندھی کی کتاب ہے اور اسے اردو اکیڈمی نے 1962ء میں کراچی سے شائع کیا ہے، اس کتاب میں جہاز سازی اور جہاز رانی کی ابتداء، جہاز سازی میں مسلمانوں کا کردار، جنگی جہازوں کے کارخانے اور مسلمان امیر البحر کہلانے والی مختلف شخصیات کا تعارف کروایا گیا ہے۔

"**عربوں کی جہاز رانی**" سید سلیمان ندوی کی کتاب ہے۔ یہ کتاب تاریخی حوالہ سے کم وبیش 67 مضامین پر مشتمل ہے۔ اسے اردو اکیڈمی سندھ نے شائع کیا ہے۔ اور اس کا پہلا ایڈیشن 1981ء میں شائع کیا گیا۔ اب یہ باب الاسلام پرنٹنگ پریس سے شائع کی گئی ہے۔ اس کتاب کی تمہید میں عربوں کی جہاز رانی، لفظ بحر کی لغوی تحقیق، خلافتِ راشدہ، بنوامیہ، بنوعباس اور دیگر ادوار کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے، کتاب کے آخر میں دوعدد ضمیمہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے، پہلا ضمیمہ عرب و امریکہ تعلقات جبکہ دوسرے ضمیمہ میں عربوں کی جہاز رانی پر بڑی شرح وبسط کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

"**مسلمانوں کے بحری کارنامے**" سید عبد الصبور طارق کی کتاب ہے۔ یہ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ جس کے کم وبیش 65 مضامین ہیں۔ اسے 1990ء میں مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور نے شائع کیا۔ اس کتاب کے پہلے باب میں مسلمانوں کے بحری کارنامے تفصیل کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جبکہ دیگر ابواب میں جہاز سازی کے کارخانے اور عثمانی ترکوں کے عہد میں اسلامی بحری بیڑہ پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے، اسی طرح عبد الصبور طارق کی ایک اہم کتاب "اسلامی بحری بیڑہ صدی بہ صدی" بھی اپنی نوعیت کی منفرد اور ممتاز کتاب ہے۔

"**اسلامی بحریہ، آغاز، عروج اور شاندار کارنامے**" محمد نواز کی کتاب ہے۔ یہ پاکستان نیوی کے ریٹائیرڈ آفیسر ہیں۔ یہ کتاب 10 ابواب پر مشتمل ہے۔ کتاب ہذا کے کم وبیش 94 مضامین ہیں اور 355 صفحات ہیں۔ اسے دائرہ معارف البحریہ، ڈیفنس، کورنگی، ایکسپریس روڈ، کراچی نے شائع کیا۔ اس کی پہلی اشاعت 2004ء میں کی گئی۔ عناوین کے تنوع اور جدّت کے موضوع کے حوالے سے اس کتاب کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور مقالہ نگار نے اس سے خوب استفادہ کیا اور یہ کتاب کئی اہم کُتب تک رسائی کا ذریعہ بنی۔

درج بالا کتب کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ بتاتا ہے کہ عصرِ حاضر میں بحری قوت کے میدان میں متنوع تجربات اور نت نئے عنوانات خصوصاً سائنسی، تہذیبی اور تکنیکی حوالے سے شامل ہو چکے ہیں۔ لہٰذا اس امر میں عصر حاضر کی روشنی میں نئی تحقیق کی از حد ضرورت ہے۔ اردو زبان میں اس طرح کی تحقیق وقت کی اہم ضرورت ہے اور اسی ضرورت کے پیشِ نظر ہم نے ایک طالبعلمانہ کوشش کی ہے، اور مقالہ نگار نے حتی المقدور کوشش کی ہے کہ وہ پہلو جو کسی وجہ سے نظر انداز ہوئے یا جن کی طرف توجہ نہیں کی گئی اُن کو جدید تحقیقی اصولوں کے تناظر میں منظرِ عام پر لایا جائے اور صحیح معنوں میں ایک تقابلی جائزہ پیش کیا جائے۔

اسلوبِ تحقیق

مقالہ ہذا جدید اصولِ تحقیق کی روشنی میں مرتب و مدوّن کیا گیا ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ ہماری تحقیق تاریخی، بیانیہ اور تجزیاتی نوعیت کی ہو۔

- مقالے کو ابواب و فصول اور مباحث میں تقسیم کیا گیا ہے۔
- بنیادی اور ثانوی مصادر سے بھرپور استفادہ کیا گیا ہے۔
- مقالہ ہذا پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔
- ہر باب کو موضوع کی مناسبت سے ایک خاص نام دیا گیا ہے۔
- ہر باب کو فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔
- موضوع سے متعلق قرآنی آیات، تفاسیر، احادیث نبویہ اور مستند تاریخی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔
- آیاتِ قرآنیہ کی علامت قوسین استعمال کی گئی ہے ۔
- غیر ضروری تکرار سے بچتے ہوئے موقع کی مناسبت سے ضرب الامثال، اقوال و اشعار اور تاریخی اقتباسات بھی مقالہ میں شامل ہیں۔
- مصادر و مراجع، آیاتِ قرانیہ اور اَحادیث نبویہ ﷺ کی فہارس مقالہ کے آخر میں پیش کی گئی ہیں۔

دوران تحقیق پیش آمدہ مشکلات

چونکہ اس موضوع کو علوم اسلامیہ کے طلبہ نے زیر بحث نہیں لایا اور اس سلسلہ میں مواد کی تلاش ہی سب سے مشکل مرحلہ تھا عربی زبان میں تو کافی حد تک مواد موجود ہے لیکن اردو زبان میں نہ ہونے کے برابر ہے۔ جسے عربی سے اردو کے قالب میں ڈھالنا عربی کے ایک ماہر استاذ کا ہی کام تھا، اس مقصد کے لئے مختلف اساتذہ سے رجوع بھی کرنا پڑا۔

خاکہ تحقیق:

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب

باب اول: بحر وبر کے لغوی واصطلاحی تعریف اور تاریخ

فصل اول بحر وبر، تعارفی مباحث

فصل دوئم قبل از اسلام بحری تاریخ

فصل سوئم بحری قوت کی تاریخ قرآن وحدیث کی روشنی میں

باب دوئم: بحری جہاد کی اہمیت اسلام کی نظر میں

فصل اول جہاد کا عمومی تصور

فصل دوئم دور خلافت راشدہ اور بحری جہاد

فصل سوئم مسلم بحریہ کا باقاعدہ آغاز

باب سوئم: مسلم بحریہ کا سنہری دور

فصل اول عہد بنو امیہ میں مسلم بحریہ

فصل دوئم عہد بنو عباس میں مسلم بحریہ

فصل سوئم   اندلس کی فتح میں مسلم بحریہ کا کردار

باب چہارم: پندرہویں صدی عیسوی سے عصرِ حاضر تک مسلم بحریہ

فصل اول   دولت فاطمیہ میں اہم بحری کارنامے

فصل دوئم   سلطنتِ عثمانیہ اور ترکوں کے بحری کارنامے

فصل سوئم   باربروسہ اور ان کے بحری کارنامے

باب پنجم: عصر حاضر میں مسلم بحریہ

فصل اول   عصر حاضر اور بحری قوت کی اہمیت

فصل دوئم   اسلامی ممالک کی بحری قوت پر طائرانہ نظر

فصل سوئم   مسلم بحری قوت اور عصر حاضر کے تقاضے

- نتائج بحث
- تجاویز اور سفارشات
- مصادر و مراجع
- فہارس
  - آیاتِ قرآنیہ
  - احادیث مبارکہ
- اعلام
- اماکن

باب اول

بحر و بر کی لغوی و اصطلاحی تعریف اور تاریخ

یہ باب درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

- فصل اول: بحر و بر کے تعارفی مباحث
- فصل دوئم: قبل از اسلام بحری تاریخ
- فصل سوئم: بحری قوت کی تاریخ قرآن و حدیث کی روشنی میں

فصل اول:

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- بحر و بر کے تعارفی مباحث
- بحر و بر کا لغوی مفہوم
- بحر و بر کا اصطلاحی مفہوم

مبحث اول:

بحر و بر کا لغوی مفہوم

بحر عربی زبان کا لفظ ہے، اس لفظ کے معانی پر عربی قوامیس میں بہت تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ صاحب لسان العرب، ابن منظور نے لفظ " بحر" پر جو بحث کی ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

اَلْبَحْر الماء الكثير مِلحًا كان او عذبًا وَ هــو خلاف البر سمى بذلک لعمقه و اتساعــه و قد غلب على الملح حتى قل فى العذب و جمعه اَبحر و بحور و بحار و مـــاء بحرملح قـل او كثر-[1]

بہت زیادہ پانی کو بحر کہتے ہیں، چاہے وہ کھاری ہو یا میٹھا۔ یہ بر کی ضد ہے، بحر کو اسے گہرائی اور وسعت کے لحاظ سے یہ نام دیا گیا ہے، اس کی اکثریت کھاری پانی پر مشتمل ہے، اس کی جمع ابحر، بحور، بحار آتی ہے۔ سمندر کا پانی کھاری ہوتا ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔

ہر بڑے دریا کو بھی بَحْرٌ کہا جاتا ہے اور اس دریا کو بھی جس کا پانی کبھی ختم نہ ہو جیسا کہ دریائے دجلہ و نیل اور جتنے بھی بڑے دریا دنیا میں موجود ہیں۔ باقی رہا سمندر، جس میں یہ ساری نہریں آکر گرتی ہیں اس کا پانی کھاری ہوتا ہے اور اس کا پانی ٹھہرا ہوا ہوتا ہے جبکہ اس میں گرنے والے دریاؤں کا پانی میٹھا اور جاری ہوتا ہے۔ بحر بمعنی تیز رفتار بھی آتا ہے، جیسا کہ کہا گیا: **ويسمى الفرس الواسع الجَرْي بَحْراً** یعنی تیز، سبک خرام گھوڑے کو بھی بحر کہا جاتا ہے۔

بحر بمعنی شق کرنا (کھودنا، پھاڑنا) بھی آتا ہے:

اِنما سمی البَحْر بَحْراً لأَنه شَقَّ فی الأَرض شقّاً وجعل ذلك الشق لمائه قراراً

اس کی تائید حدیث عبد المطلب سے بھی ہوتی ہے:

وَحَفَرَ زَمْزَم ثم بَحَرَها بَحراً أَی شقَّها ووسَّعها[2]

یعنی حضرت عبد المطلب نے زمزم کا کنواں کھودا اور اسے وسیع کیا۔

1: افریقی، ابن منظور، لسان العرب، جلد 5، بذیل مادہ" ب، ر" ص 103 تا 108، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ والاوقاف والدعوہ والارشاد، المملكة العربية السعودية، 1308ھ مطابق 1890ء۔

2: اصفہانی، ابو موسیٰ محمد بن ابو بکر، المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث، الجزء الاول، مرکز بحث العلمی والاحیاء التراث الاسلامی، ص 46، ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ، 2005

بَحْرٌ ، بَحِيرٌ ، بُحَيْرٌ ، بَيْحَرٌ ، بَيْحَرَةُ: بطور اسم استعمال ہوئے ہیں، بنو بَحْرِيّ: بطْنٌ کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور بَحْرَةُ ، يَبْحُرُ،وبِحارٌ ، ذو بِحارِيَة سب جگہوں کے نام ہیں۔[1]

لفظ بحر کے معانی، الصحاح للجوہری میں یوں درج ہیں:

- بحر--- ''البَحْـرُخلاف البرّ يقال سمّي بحرًالعُمقه واتساعـه'' بحر، بر کی ضد ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر بر کو بحر کی ضد کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ ان مقامات میں سے ایک یہ ہے (ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ)[2] اور دوسرا مقام (قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ)[3] ہے
- بحر کو اسکی وسعت اور گہرائی کی وجہ سے بحر کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع أبْحُرٌ، بحارٌ، بُحورٌ آتی ہے۔
- و كل نهر عظيم بَحْرٌ ---اسی طرح ہر بڑے دریا کو بھی بَحْرٌ کہتے ہیں، جیسا کہ دریائے فرات۔
- کھاری پانی پر بحر کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے ماءٌ بَحْرٌ، يعني مِلْحٌ، أبْحَرَالماء پانی کھاری ہو گیا۔
- بحر بمعنی بحری سفر کے، جب کوئی بحری سفر اختیار کرے تو کہا جاتا ہے أبْحَرَفلانٌ۔[4]

جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا[5] کا لقب اَلبَحْرِيَّة پڑ گیا تھا کیونکہ ہجرت حبشہ کے وقت انہوں نے بحری سفر اختیار کیا تھا۔

مذکورہ بالا تفصیل کو اگر قرآن مجید کی آیات میں دیکھا جائے تو مختلف استعمالات سامنے آتے ہیں جیسا کہ ابحر اور بحار کا تذکرہ ہمیں ان آیات میں ملتا ہے:

1: افریقی، ابن منظور، لسان العرب، ج5، ص103 تا ص118

2: سورۃ الروم 30 / 41

3: سورۃ الانعام 6/63

4: الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، تاج اللغۃ والصحاح العربیۃ، دار العلم للملایین، بیروت، 1982، مادہ ''ب، ح، ر''، ص ۱۴۱۔

5: اسماء بنت عمیس بن معد قبیلہ خثعم سے تعلق رکھتی تھیں۔ حضرت جعفر طیارؓ کی زوجہ تھیں اسی بنیاد پر انہیں دو مرتبہ ہجرت کا شرف حاصل ہوا۔ 40 ہجری میں وفات پائی۔ (دیکھیے: سیرت ابن ہشام، ج 1، ص136)

﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾ [1] اور ﴿ وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾ [2] اور ﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللهِ﴾ [3] اور ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ [4]

مقاييس اللغة [5] میں ہے:

بَحْر بمعنی وسعت --- و سمِّي البَحر بحراً لاستبحارِه وهو انبساطُه وسَعَتُه۔ بَحْر بمعنی کثرت -- استبحر فلانٌ في العلم، وتبحَّر الرّاعي في رِعْيٍ كثير- اور جس کے پاس کثیر دولت آجائے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے وتبحَّرفلانٌ في المال۔ بَحْر بمعنی سخی ---جو شخص سخاوت سے کام لے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے هو رجلٌ بَحْرٌ، سمَّوْه لفَيضِ كفِّه بالعطاءِ كما يَفيض البحر۔ اَبْحَرَ بمعنی سمندری سفر اختیار کرنا--- جب کوئی قوم سمندری سفر اختیار کرے، کہا جاتا ہے: أبحرَالقومُ۔ بَحِرَ تیرنا جیسا کہ کہاجاتا ہے: بحِرَ الرّجُلُ ، سبَح في البَحرِ فانقطعت سِبَاحَتُه۔ اِسْتَبْحَرَ بمعنی گاڑھا ہونا۔ بَحْرٌ بمعنی نمکین ''ماءٌبَحْرٌ أي مِلْح''۔ بَحْر بمعنی دریا ''والأنهار كلُّها بِحارٌ'' یعنی تمام دریاؤں پر بحر کا اطلاق ہوتا ہے، چھوٹے ہوں یا بڑے۔

بحر و بر کی اصطلاح عموماً تری (بحر) اور خشکی (بر) کی دو دنیاؤں کے لیے استعمال ہوتی ہے، جس سے مراد پورا سیارہ زمین ہوتا ہے، جو کہ خشکی اور تری کا مجموعہ ہے یعنی بڑے خطہ ہائے ارضی اور بڑے بڑے سمندروں پر مشتمل ہماری دنیا اور نظام شمسی کا ایک سیارہ ہے۔

1: سورۃالتکویر: 6/81

2: سورۃالانفطار: 3/82

3: سورۃلقمان: 27/31

4: سورۃالرحمن: 19/55

5: القزوینی الرازي، ابو الحسین، احمد بن فارس بن زکریا(المتوفی: 395ھ)۔ آپ نے پانچ مشہور و معتبر لغات کو یکجا کر کے چھ ضخیم جلدوں پر مشتمل مقاییس اللغۃ کے نام سے ایک عظیم الشان علمی کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ ان پانچ کتابوں میں: (۱) خلیل بن احمد الفراہیدی کی کتاب العین (۲) ابوعبید القاسم بن سلاّم کی غریب الحدیث (۳) انہی کی دوسری لغت الغریب المصنف (۴) ابن سکیت کی کتاب المنطق (۵) اور ابن درید کی الجمہرۃ شامل ہیں۔

بَـرّ بھی بحر کی طرح عربی زبان کا لفظ ہے، البَر، بحر کی ضد بمعنی خشکی۔ عرب خشکی پہ جانے والے کو أَبَرَّ الرّجلُ کہتے ہیں جبکہ أَبْحَرَ سمندر کی طرف جانے والے کو۔اَلبرّیّة بمعنی صحراء۔ زمین پر رہنے والے بہترین اور بد ترین لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئے سورۃ البینۃ میں خیرالبریہ اورشر البریۃ کے کلمات استعمال کیے۔یعنی زمین پر رہنے والے لوگ بریۃ کہلاتے ہیں۔سورۃ الروم میں ارشاد باری ہے:

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾[1]

ترجمہ: بحر وبر میں فساد ان (گناہوں) کے باعث پھیل گیا جو لوگوں کے ہاتھوں نے کما رکھے ہیں۔

اہل لغت نے بر کی حقیقت یہ بتائی ہے:

اَلبَرُّ زبر کے ساتھ بحر کی ضد۔اَلبَرِّيَّةُ الصحراءُ بر کی طرف منسوب۔اَلبَرِّيَّةُ صحرائی زمین یا وہ زمین جو پانی کی بہ نسبت بر کے زیادہ قریب ہو اس کی جمع اَلبرَارِي، اَلإِبرارُ: بمعنی غلبہ أَبَرَّ عليه اس نے اس پر غلبہ پایا۔ اَلمُبِرُّ: غالب۔ ابْتَرَّ منفرد ہونا اِبْتَرَّ الرجل: اپنے دوستوں سے منفرد شخص۔[2]

مذکورہ بالا لغوی بحث سے بحر اور بر کے معانی واضح ہو جاتے ہیں۔زمین کا وہ حصہ جو وسیع پانیوں کا ذخیرہ ہے بحر کہلاتا ہے جبکہ زمین کا وہ حصہ جو خشکی پر مشتمل ہے بر کہلاتا ہے۔پورے خطہ زمین پر پانی تین چوتھائی ہے جبکہ خشکی ایک چوتھائی۔جیسا کہ قرآن مجید میں بحر سے متعلق 33 آیات جبکہ بر کے متعلق 12 آیات ذکر ہوئی ہیں۔جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمین کا ایک چوتھائی حصہ خشکی پر مبنی ہے اور تین چوتھائی حصہ پانی سے ڈھانپا ہوا ہے۔جغرافیہ دان اِن خطہ ہائے اراضی کو سات بڑے سمندروں اور سات براعظموں میں تقسیم کرتے ہیں۔

1: سورۃالروم: 30/41

2: ابن منظورافریقی،لسان العرب،ج5،ص115 تا ص121

مبحث دوم:

بحر وبر کا اصطلاحی مفہوم

بحر کی اصطلاح لغوی معنی سے زیادہ مختلف نہیں لہذا کتب اصطلاح میں اسے الگ سے بیان نہیں کیا گیا۔ موسوعات میں اس کی وہی تعریف کی گئی ہے جو، لغوی معنی بیان کرتے ہوئے پیش کی گئی ہے:

اصل البحر کل مکان واسع جامع للماء الکثر-- و قال بعضھم: البحر یقال فی الاصل للماء الملح دون العذب[1]

بحر کی اصل تو یہ ہے کہ یہ کثیر پانی کے بڑے اور وسیع ذخیرے کو کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے بحر نمکین پانیوں کے بڑے حصے کو کہتے ہیں جو محیط یا دیگر نمکین بحیروں پر مشتمل ہو۔ (جیسے بحر قزوین اور بحر مردار)۔

یہ بات قابل توجہ ہے کہ بحار میں سے سب سے زیادہ کھارا پانی بحر مردار کا ہے جس میں زندگی کے آثار بہت کم پائے جاتے ہیں۔ اور یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ نمکیات کی کثرت کی وجہ سے انسان اس میں ڈوبتا نہیں ہے۔

اور عرب زمانہ قدیم میں بحر کی اصطلاح زیادہ پانی کے ذخیرے کے لئے استعمال کرتے تھے چاہے وہ پانی نمکین ہو یا میٹھا اور محیط کا لفظ استعمال نہیں کرتے تھے سوائے المحیط الاطلسی کے جسے بحر ظلمات کہتے تھے۔

انگریزی زبان میں بحر کا متبادل Sea /Ocean ہیں۔ ذیل میں چند انگریزی لغات سے ان الفاظ کی تعریف نقل کی گئی ہے، جو بحر کے اصطلاحی معنی کے سمجھنے میں معاون ثابت ہوں گی:

The Greatest Mass of salt water covering the great part of the earth surface.[2]

یہ نمکین پانی کے اس بڑے پھیلاؤ کو کہا جاتا ہے جو زمین کے بڑے حصے پر مشتمل ہوتا ہے۔

Vast area of sea between continents.[3]

وہ سمندری بڑا حصہ جو دو براعظموں کے درمیان واقع ہو۔

1: الاصفہانی، راغب، المفردات لالفاظ القرآن، تحقیق صفوان عدنان، مطبوعہ دار العلم دمشق، ص48، (مادہ: ب، ح، ر) 2009ء

2: Chambers concise dictionary, G.W Davidson and friends, Cambridge edinburgh New York port chester Melbourne Sydney, 1988.

3: Collins English Dictionary (Thesaurus).P.564, Collins (London) 1979.

اسی بنیاد پر بحر، بحیرہ یا سمندر (انگریزی زبان میں Sea) عام طور پر نمکین پانی کے ایک بڑے حصے کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔

پانی کا ذخیرہ زمین کے 71 فیصد پر مشتمل ہے جسے سہولت کی خاطر مختلف حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ان حصوں کو مختلف ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ جدید جغرافیائی درجہ بندی کے لحاظ سے بحروں (سمندروں) کو حسب ذیل ترتیب اور ناموں میں تقسیم کیا گیا ہے:

شمالی بحر الکاہل، جنوبی بحر الکاہل، شمالی بحر اوقیانوس، جنوبی بحر اوقیانوس، بحر ہند (ایفروایشیا)، بحر منجمد شمالی اور بحر منجمد جنوبی۔[1] جیسا کہ قرآن مجید میں بھی سات سمندروں کا ہی ذکر ملتا ہے۔ ہم اسے بحر کی لغوی بحث میں بیان کر چکے ہیں۔

سمندروں میں حرارت جمع رہتی ہے جسے پانی کی روئیں اور ہوائیں تقسیم کرتی ہیں۔ بحری پانی ہمیشہ حرکت میں رہتا ہے۔ روئیں پانی کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتی ہیں، موجوں میں پانی کے ذرات آگے پیچھے جھولتے ہیں اور سوائے ساحل سے ٹکرانے والی موجوں کی چوٹی کے ساتھ آگے چلے جانے کے، شاذ ہی اپنی جگہ بدلتے ہیں۔ اوسط بحری گہرائی 12500 فٹ ہے، ہر 33 فٹ کی گہرائی پر 15 پونڈ مربع فٹ کے حساب سے دباؤ بڑھ جاتا ہے۔ اب تک سب سے زیادہ بحری گہرائی 35800 فٹ (Pacific) Mariana Trench معلوم ہوئی ہے۔ خیال ہے کہ اس کے پانی میں تمام کیمیائی عناصر حل شدہ ہیں مگر کلورین، سوڈیم، گندھک، میگنیشیم عام ہیں۔[2]

البـــر --اصطلاحی بحث

برّ لغوی معنی کے لحاظ سے "با" کی زبر اور "ر" کی تشدید کے ساتھ خشکی اور جنگل و بیاباں کے معنی میں ہو گا۔ برّاعظم خشکی کا وہ بہت بڑا قطعہ یا اکائی جو پانی سے الگ ہو۔ اسی اعتبار سے خشک زمین کے بڑے حصے کو برّاعظم (Continent) کہتے ہیں۔[3] پوری دنیا کو سات براعظم میں تقسیم کیا گیا ہے، ہم یہاں چار مشہور براعظموں، افریقہ، امریکہ، ایشیاء اور یورپ کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دنیا کے ایک ربع کی نمائندگی کرتا ہے، شمال

1: ابو نصر، اسماعیل بن حماد جوہری، تاج اللغہ والصحاح العربیۃ (الصحاح)، دار العلم للملایین، بیروت، 1982ء

2: قاسم محمود سید، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل پبلشر لاہور ص616، 2002ء

3: ثاقب، احسان اللہ، دنیا کے ممالک، ہولیڈے بکس پبلشرز لاہور، ص17، 2001ء

میں برّاعظم یورپ، مشرق میں برّاعظم ایشیاء، جنوب میں برّاعظم افریقہ اورمغرب میں برّاعظم امریکہ واقع ہے۔[1]

برّاعظم افریقہ (Africa) رقبے کے لحاظ سے کرہ ارض کا دوسرا بڑا براعظم، جس کے شمال میں بحیرہ روم، مشرق میں بحر ہند(ایفرو ایشیاء)اور مغرب میں بحر اوقیانوس واقع ہیں۔دلکش نظاروں، گھنے جنگلات، انواع واقسام کے حیوانات ،وسیع صحراؤں اور گہری وادیوں کی سرزمین جہاں آج 53 ممالک ہیں جن کے باسی کئی زبانیں بولتے ہیں۔افریقہ کے شمالی اور جنوبی حصے نہایت خشک اور گرم ہیں جن کا بیشتر حصہ صحراؤں پر پھیلا ہوا ہے۔قدرتی طور پر خطِ استوا افریقہ کو دو حصوں، شمالی افریقہ اور جنوبی افریقہ میں تقسیم کرتا ہے، جس کے اردگرد گھنے جنگلات ہیں۔مشرقی افریقہ میں عظیم وادی الشق کے نتیجے میں گہری وادیاں تشکیل پائیں، جن میں کئی بڑی بڑی جھیلیں بھی واقع ہیں۔[2]

براعظم کے مغرب میں دریائے نائجر بہتا ہے جو وسیع دلدلی ڈیلٹا بناتا ہوا بحر اوقیانوس میں جا گرتا ہے۔اس کے مشرق میں دریائے کانگوافریقہ کے گھنے استوائی جنگلات سے گزرتا ہے۔براعظم کے مشرقی حصے میں عظیم وادی الشق[3] اورایتھوپیاکے بالائی میدان ہیں۔قرن افریقہ براعظم کا مشرق کی جانب آخری مقام ہے۔

صحرائے اعظم شمالی افریقہ کے بیشتر حصے پر پھیلا ہوا دنیا کا سب سے بڑا صحرا ہے۔اس عظیم صحرا کا ایک چوتھائی حصہ ریتیلے ٹیلوں پر مشتمل ہے جبکہ بقیہ پتھریلے خشک میدان ہیں۔ براعظم کے دیگر بڑے صحراؤں میں نمیب اور کالاہاری شامل ہیں۔صحرائے اعظم کے جنوب میں صحرائی اور جنگلی علاقوں کو چھوڑ کر پورے براعظم میں گھاس کے وسیع میدان ہیں جو سوانا کہلاتے ہیں۔یہی میدان افریقہ کے ہاتھیوں سمیت دیگر مشہور جانوروں کے مسکن ہیں۔

مشرقی حصہ میں عظیم وادی الشق ہے، جو دراصل زمین میں ایک عظیم دراڑ کے نتیجے میں وجود میں آئی۔ یہ عظیم دراڑ جھیل نیاسا سے بحیرہ احمر تک پھیلی ہوئی ہے۔ اگر یہ دراڑ مزید پھیلتی گئی تو ایک دن قرن افریقہ براعظم سے الگ ہو جائے گا۔خط استوا کے ساتھ ساتھ بارشوں کے باعث گھنے جنگلات واقع ہیں یہاں کا موسم گرم اور نمی سے بھرپور ہے۔رقبے کے لحاظ سے 30 کروڑ 40 لاکھ مربع کلومیٹر پر پھیلا ہوا ہے جس کی آبادی 1 ارب 26 کروڑ نفوس پر

1: وحید الزمان کیرانوی، مولانا، القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات، لاہور، ص37، 1990ء

2: اردو انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ص230، 2005ء

3: اسے عموماً وادی متصدع بھی کہا جاتا ہے۔ دریائے اردن سے بحر مردار تک لمبی ہے۔ اور جنوب میں بحر احمر تک اور کئی دیگر ساحلوں سے ملی ہوئی ہے۔

مشتمل ہے۔[1] یو-این فوڈ پروگرام آرگنائزیشن کی رپورٹ کے مطابق مستقبل میں خوراک اور ایندھن کی ضرورتیں پوری کرنے میں براعظم افریقہ بڑا اہم کردار ادا کرے گا۔

برِّاعظم ایشیاء

یہ برِّاعظم رقبے اور آبادی کے لحاظ سے سب سے بڑا برِّاعظم ہے۔ اس کے مغرب اور شمال میں برِّاعظم یورپ اور جنوب میں برِّاعظم افریقہ اور بحر افریشائی (Indian Ocean)، جبکہ مشرق میں بحر الکاہل واقع ہے۔ 44579000 مربع کلومیٹر رقبے پر پھیلا ہوا ہے۔ دنیا میں اوّلین تہذیبوں کا گہوارہ ہے، عصرِ حاضر میں آبادی کا تناسب تقریباً 4.5 ارب افراد پر مشتمل ہے۔ براعظم ایشیاء مستقبل میں ٹیکنالوجی کے میدان میں اہم کردار ادا کرے گا۔

برِّاعظم امریکہ

برِّاعظم امریکہ جس میں شمالی امریکہ اور جنوبی امریکہ شامل ہیں۔ دنیا کے آٹھ فیصد علاقے پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کا رقبہ 42549000 مربع کلومیٹر ہے۔ آبادی کے لحاظ سے 2016ء کے تخمینے کے مطابق15590000 نفوس پر مشتمل ہے، مغرب میں بحر الکاہل، مشرق میں بحر اوقیانوس، شمال میں بحر منجمد، شمال اور جنوب میں بحر منجمد جنوبی۔ امریکہ، کینیڈا شمالی حصے کے بڑے ممالک ہیں۔

برِّاعظم یورپ

یورپ (Europe) دنیا کے سات روایتی براعظموں میں سے ایک ہے تاہم جغرافیہ دان اسے حقیقی براعظم نہیں سمجھتے اور اسے یوریشیا کا مغربی جزیرہ نما قرار دیتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر کوہ یورال کے مغرب میں واقع یوریشیا کا تمام علاقہ یورپ کہلاتا ہے۔

یورپ کے شمال میں بحر منجمد شمالی، مغرب میں بحر اوقیانوس، جنوب میں بحیرہ روم اور جنوب مشرق میں بحیرہ روم اور بحیرہ اسود کو ملانے والے آبی راستے اور کوہ قفقاز ہیں۔ مشرق میں کوہ یورال اور بحیرہ قزوین یورپ اور ایشیا کو تقسیم کرتے ہیں۔

1: اردو انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ص230، 1968ء

یورپ رقبے کے لحاظ سے آسٹریلیا کو چھوڑ کر دنیا کا سب سے چھوٹا براعظم ہے جس کا رقبہ ایک کروڑ چالیس لاکھ مربع کلومیٹر ہے جو زمین کے کل رقبے کا صرف دو فیصد بنتا ہے۔ یورپ سے بھی چھوٹا واحد براعظم آسٹریلیا ہے۔ آبادی کے لحاظ سے یہ تیسرا سب سے بڑا براعظم ہے جس کی آبادی 71 کروڑ ہے جو دنیا کی کل آبادی کا 11 فیصد بنتا ہے۔ بحری دنیا میں مسلمانوں نے کس قدر حصہ ڈالا اس پر آئندہ سطور میں سیر حاصل بحث کی جائے گی۔ [1]

1: عبدالوحید، انسائیکلوپیڈیا اقوام عالم (مقدمہ)، نگارشات، لاہور۔ 2002ء

فصل دوئم:

قبل از اسلام بحری تاریخ

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- زمانۂ قدیم میں بحری جہازوں کا استعمال
- عرب قوم اور جہاز رانی
- حضرت سلیمان علیہ السلام اور بحری سفر

ازمنۂ قدیم سے بحری جہاز نقل و حمل کا ایک اہم اور مؤثر ذریعہ رہے ہیں۔ ہر روز سینکڑوں، ہزاروں بحری جہاز سمندروں کا سینہ چیرتے ہوے تجارت کا سازوسامان لے کر انسان کی خدمت پر مامور نظر آتے ہیں فرمان باری تعالیٰ ﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔[1] اسی طرح اس آیت کریمہ میں تسخیر کی عملی تصویر کشی کی گئی ہے ﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[2]۔

بحری سفر کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب انسان نے لکھنا پڑھنا بھی نہ سیکھا تھا، اس لئے یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سفری اغراض و مقاصد کے لئے بحری جہاز کی ایجاد کب، کہاں اور کیسے ہوئی۔ انسان کی پہلی آبادی ان علاقوں میں ہوئی جو دریائوں، جھیلوں اور سمندروں کے قریب تھے۔ ان آبادیوں میں رہنے والوں میں سے کسی نے لکڑی کے تختے جوڑ کر کشتی ایجاد کی، آہستہ آہستہ اس کشتی نے بڑے بڑے بحری جہازوں کی شکل اختیار کر لی۔

اہل عرب، اسلام سے قبل بحری سفر اور تجارت سے گریزاں تھے اور اپنی ساری تجارت کا انحصار خشکی کے راستوں پر کرتے تھے اس کی بنیادی وجہ سمندری علوم سے بے اعتنائی اور سمندر کی ہولناکیوں سے خوف تھا۔ علامہ ابن خلدون کی رائے کے مطابق عرب اپنی بدویانہ پن کی وجہ سے سمندری ثقافت سے پیچھے رہ گئے۔ جب کہ بازنطینی اور افریقی ان پر اپنی سمندری مہارتوں کی بنیاد پر فوقیت لے گئے۔[3]

زمانۂ قدیم میں بحری جہازوں کا استعمال

ہزاروں سال پہلے بھی دور دراز کے علاقوں سے بھاری سامان کی تجارت بحری جہازوں کے ذریعے سے ہی ہوتی تھی۔ آج بھی دنیا بھر میں تجارتی مال ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لئے بحری جہاز ہی استعمال کیے جاتے ہیں۔ یہ کارگو جہاز (Merchant Ship) کہلاتے ہیں۔ بیسویں صدی میں جہاز سازی اور جہاز رانی کے فن میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ آج کل کے جہاز گویا تیرتی ہوئی عمارتیں ہیں۔ یہ جہاز عام طور پر تیس ہزار ٹن سے لے کر پچاس ہزار ٹن تک کا وزن اٹھا سکتے ہیں اور ان کی رفتار پچھلی صدی کے جہازوں سے بہت زیادہ ہے۔ ایک بحری جہاز کی فی گھنٹہ رفتار کو ناٹیکل مائیل (Nautical Mile) کہا جاتا ہے۔ یہ بحری جہاز کی رفتار ناپنے کا پیمانہ ہے، میل خشکی کا پیمانہ ہے اور ناٹ سمندر کا۔ سمندر

1: سورۃ الجاثیہ: 45/13

2: سورۃ الجاثیہ: 45/12

3: عبدالرحمن، ابن خلدون، المقدمہ، ج 2، ص628، نفیس اکیڈمی کراچی، 1982ء

کا ایک ناٹ 6080 فٹ کے برابر ہوتا ہے، جب کہ خشکی کا میل 5280 فٹ کا ہوتا ہے، یعنی سمندر کا ایک ناٹ خشکی کے ایک میل سے 800 فٹ زیادہ ہوتا ہے۔

جدید کارگو بحری جہازوں میں ہنگامی ضرورت کے لے بہت سی لائف بوٹس، آگ بجھانے کے آلات، برقی بار، ٹیلی فون، وائرلیس، کمپیوٹرز وغیرہ لگے ہوتے ہیں۔ سامان ایک ملک سے دوسرے ملک لے جانے کے لئے خاص قسم کے بڑے بڑے فولادی باکس استعمال ہوتے ہیں، جنہیں کنٹینر کہتے ہیں۔ یہ دو مختلف سائز کے ہوتے ہیں یعنی 20 فٹ لمبے اور 40 فٹ لمبے اور دس فٹ اونچے اور آٹھ فٹ چوڑے ہوتے ہیں۔ جب بحری جہاز پورٹ پر لنگر انداز ہوتے ہیں تو وہاں پر لگی کرینیں اپنے بازو کھول کر ان سامان سے لدے ہوئے کنٹینر کو اٹھا اُٹھا کر مال گاڑی اور ٹرالوں پر رکھتی جاتی ہیں۔ جو بعد ازاں اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح مال بھیجنے والا تاجر مال منگوانے والے تاجر کو روانہ کر دیتا ہے۔ جس کی اطلاع بذریعہ فیکس یا یو ایم ایس کے ذریعے مال پہنچنے سے پہلے ہی کر دی جاتی ہے۔

لین دین کا یہ تمام کام بینکوں کے ذریعے بڑی آسانی سے مکمل ہوتا ہے۔ بھاری سامان لانے لے جانے کے لئے مال بردار بحری جہاز سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ ان بحری جہازوں کی مدد سے دنیا بھر میں تجارت ارزاں و آسان ہو گئی ہے۔ جبکہ اس کے برعکس خشکی راستوں سے تجارت طوالت اور سفر کی صعوبتوں کی بنیاد پر انتہائی مشکل ہے اور فضائی راستے سے تجارت حد درجہ مہنگی پڑتی ہے ان سب کے مقابلے میں سمندری راستے سے تجارت نہ صرف آسان بلکہ انتہائی سستی اور ارزاں ہوتی ہے۔

عرب قوم اور جہاز رانی

زمانہ قدیم سے عرب کشتی رانی اور جہاز رانی کے فن سے خوب واقف تھے۔ ظہور اسلام کے بعد اس فن کو مزید فروغ حاصل ہوا اور مسلمانوں نے بحیثیت مجموعی بحریات (Oceanography) یعنی جہاز رانی اور جہاز سازی میں نمایاں کارنامے انجام دیئے اور تاریخ ساز کردار ادا کیا۔

قرآن کریم میں کشتی، جہاز اور سمندر کے متعلقات کا کثرت سے ذکر آیا ہے، خصوصاً سورۃ یٰسین کی آیات مبارکہ 41، 42 اور 43 میں بالترتیب ارشادات خداوندی ہیں:

﴿وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۝ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۝ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ﴾ [1]

ترجمہ: اِن کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے اِن کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔ اور پھر اِن کے لیے ویسی ہی کشتیاں اور پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ ہم چاہیں تو اِن کو غرق کر دیں، کوئی اِن کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ نہ بچائے جا سکیں۔

سورہ رحمٰن میں بھی بحری جہاز اور اس کی قوت کی اہمیت کا احساس دلایا گیا ہے اور بلند و بالا کشتیوں کو خدائے بزرگ و برتر کے عجوبے قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ [2]

ترجمہ: اور یہ جہاز اُسی کے ہیں جو سمندر میں پہاڑوں کی طرح اونچے اٹھے ہوئے ہیں

﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [3]

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اُس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔

قرآن مجید نے بحری تاریخ میں بحریہ اور جہاز رانی کے لئے ضروری لوازمات مثلاً بندرگاہوں، سمندری اور دریائی راستوں اور بحری اسفار میں رہنمائی و رہبری کیلئے زمین و آسمان پر مختلف علامات کے ورود کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ سورۂ روم اور سورۂ رحمٰن میں اسی ضمن میں موافق و مددگار ہواؤں کو نعمت خداوندی اور خوشخبری کے ساتھ ساتھ سمندروں اور دریاؤں سے برآمد ہونے والے موتی اور پہاڑ جیسے جہازوں کو انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں قرار دے کر اس کی ہیبت اور قدرت کا احساس دلایا گیا ہے، ہوا کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ اگر اللہ ہوا کو ساکن کر دے تو تمہارے جہاز چاہے جتنے بھاری انجن لگالیں حرکت نہ کر سکیں گے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

1: سورۃ یٰسین 36/41-43

2: سورۃ الرحمٰن 55/24

3: سورۃ الجاثیہ 45/12

﴿إِن يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴾ [1]

ترجمہ: اللہ جب چاہے ہوا کو ساکن کر دے اور یہ سمندر کی پیٹھ پر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں اِس میں بڑی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو کمال درجہ صبر و شکر کرنے والا ہو۔

بحری مؤرخین کی تحقیق کے مطابق یہ حقیقت سب سے پہلے مسلمانوں نے دریافت کی کہ ہر سمندر دوسرے سے الگ اور مستقل نہیں ہے بلکہ تمام سمندر باہم ایک مشترک بحری دنیا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جو ہندوستان، چین، فارس، روم اور شام کو ایک ہی عظیم الشان دائرے کی صورت میں گھیرے ہوئے ہیں۔ [2]

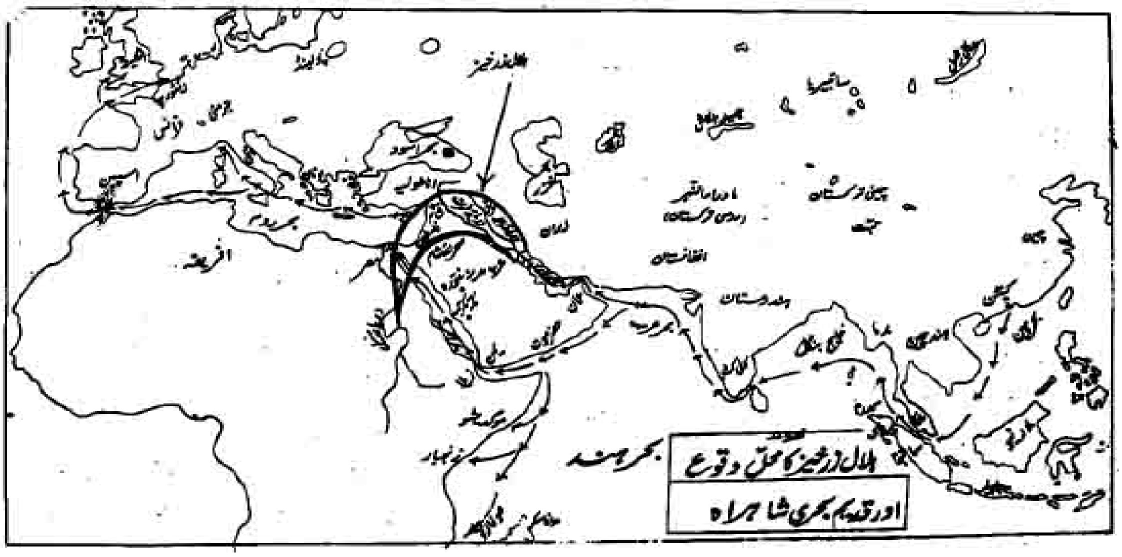

ہلال زرخیز کا محل وقوع اور قدیم بحری شاہراہ

حضرت سلیمان علیہ السلام اور بحری سفر

بحری جہازوں کی صنعت کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہوا بعد ازاں حضرت سلیمان علیہ السلام کی حیات طیبہ میں بھی بحری جہاز اور کشتیاں ایک ملک سے دوسرے ملک میں سفر کرتی رہتی تھیں۔ جن کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۂ سباء اور سورۂ انبیاء میں کیا گیا ہے۔

1: سورۃ الشوریٰ 42/33

2: بعض عرب مؤرخین نے اس دائرے کو ہلال سے تشبیہ دی ہے اور اسے ہلال زرخیز سے موسوم کیا ہے۔ (دیکھیے اسلامی تہذیب و تمدن مصنفہ عماد الحسن فاروقی، مطبوعہ نگارشات، لاہور، 1996ء)

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ﴾ [1]

ترجمہ: اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے تیز ہوا کو مسخّر کر دیا تھا جو اس کے حکم سے اُس سرزمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں، ہم ہر چیز کا علم رکھنے والے تھے۔ سورۂ ص میں مذکور ہے:

﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾ [2]

ترجمہ: تب ہم نے اس کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا جو اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی تھی جدھر وہ چاہتا تھا۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی التفسیر المنیر میں لکھتے ہیں:

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے تخت پر بیٹھ کر صبح کے وقت دمشق سے روانہ ہوتے اور "اصطخر" پہنچ کر قیلولہ کرتے، اسی طرح شام کو "اصطخر" سے روانہ ہوتے اور کابل میں رات گزارتے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان تیز رفتار مسافر کے لئے ایک ماہ کی مسافت تھی۔[3]

محمد بن کعب القرظی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ:

آپ تیز ہوا کو حکم دیتے تو وہ آپ کو لے کر چل پڑتی تھی- پس ایک دن آپ علیہ السلام زمین و آسمان کے درمیان جارہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی فرمائی کہ میں نے آپ کی حکومت میں اضافہ کر دیا ہے، وہ اس طرح کہ مخلوق سے جو بھی کہیں بات کرے گا ہوا اسے آپ کے پاس لے آئے گی اور آپ کو اس سے آگاہ کر دے گی۔[4]

بائبل اور جدید تاریخی تحقیقات سے بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنے دور سلطنت میں بہت بڑے پیمانے پر بحری تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ جس سے تجارتی جہاز بحرہ احمر، یمن، جنوبی اور مشرقی ممالک کی طرف سفر کرتے رہتے تھے۔

جیسا کہ سورہ سباء کی درج ذیل آیہ مبارکہ میں ذکر کیا گیا ہے:

:1 سورۃ الانبیاء 81/21

:2 سورۃ ص 36/38

: 3 ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، التفسیر المنیر، ج22، ص154، دار الفکر المعاصر، دمشق، 1418ھ

: 4 قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ج:5، ص723۔ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی۔ 1995ء

﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ وَمِنَ الْجِنِّ مَن يَعْمَلُ بَيْنَ يَدَيْهِ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَمَن يَزِغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ [1]

ترجمہ: اور سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا، صبح کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی راہ تک اور شام کے وقت اس کا چلنا ایک مہینے کی راہ تک ہم نے اُس کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا اور ایسے جن اس کے تابع کر دیے جو اپنے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے اُن میں سے جو ہمارے حکم سے سرتابی کرتا اس کو ہم بھڑکتی ہوئی آگ کا مزہ چکھاتے۔

سیدنا سلیمان علیہ السلام اور ان کے فرزند ارجمند حضرت داؤد علیہ السلام کی بری قوت بہت مضبوط تھی، اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی بحری قوت بھی بے مثال ترقی کرتی رہی، جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ ص ملتا ہے، جس سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی "بری قوت" اور "بحری بیڑہ" اپنے دور کا سب سے بڑا اور طاقتور بحری بیڑہ تھا۔ جس کی بدولت ان کا بادبانی نظام ترقی کی منازل پر گامزن رہتا تھا۔ نیز ان کے جہاز ہر طرح کے بحری اسفار میں شب و روز مصروفِ کار رہتے تھے۔ موسمی حالات سے بلاخوف وخطر نہایت کامیابی سے منازل طے کرتے رہتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے لوہے کی صنعت میں ترقی کی بدولت بری قوت کو ناقابل تسخیر بنا دیا تھا، جبکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ "تسخیر ہوا" کے معجزے کے باعث سمندروں اور ان میں چلنی والی کشتیوں پر مکمل کنٹرول حاصل تھا۔

1: سورۃ سباء 34/12

فصل سوئم:

بحری قوت کی تاریخ قرآن وحدیث کی روشنی میں

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- ♦ قرآن حکیم میں بحری جہازوں کا تذکرہ
- ♦ دنیا کا سب سے پہلا بحری جہاز
- ♦ کشتی نوح کی تاریخ
- ♦ عہد نبوی اور بحری سفر وجہاد

قرآن حکیم میں بحری جہازوں کا تذکرہ

قرآن حکیم جو سرچشمہ ہدایت ہی نہیں خزینہ علم و حکمت بھی ہے۔ ''**ھـذا بحـــر لا تنقضی عجائبه**''[1] یعنی یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کریم ایک ایسا بحر بیکراں جو اسرار و حکم سے بھرپور ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾ [2]

ترجمہ: خشک و تر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

اور فرمایا: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ [3]

ترجمہ: ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔

قرآن مجید فرقان حمید میں سمندروں اور کشتیوں کا بڑی کثرت سے ذکر ملتا ہے۔ قرآن کریم نے سمندر اور کشتیوں کو خداوند تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت قرار دیا ہے۔ اور جن قوموں کے پاس یہ نعمتیں موجود ہیں وہی دنیا پر حکمرانی کرتی رہی ہیں۔[4]

﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ [5]

ترجمہ: (اِس حقیقت کو پہچاننے کے لیے اگر کوئی نشانی اور علامت درکار ہے تو) جو لوگ عقل سے

1: محمد یونس، حافظ، عظمت قرآن کریم، مقدمہ، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔1982ء

2: سورہ انعام 59/6

3: سورۃ النحل 89/16

4: خاور محمود، سید، بحری جہاز کی کہانی، شالیمار پبلی کیشنز، کراچی۔1998ء

5: سورۃ البقرہ 164/2

کام لیتے ہیں اُن کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، اُن کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اُس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اِسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جان دار مخلوق پھیلاتا ہے، ہواؤں کی گردش میں، اور اُن بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں، بے شمار نشانیاں ہیں۔

قرآن حکیم میں کشتی (بحری جہاز) کی تاریخ کی ابتداء حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے ہوتی ہے۔ تمام سمندر اور ان میں پہاڑوں کی طرح بلند و بالا جہاز قدرت کے عجائبات میں سے ہیں۔ اگر وہ (اللہ تعالیٰ) چاہے ہوا کو روک کر ساکن کر دے، تو چلتے جہاز سمندروں کی پشتوں پر جم کر رہ جائیں۔ اس میں ثابت قدم اور شکر گزار افراد کے لئے بڑی اہم نشانیاں ہیں۔ اس ضمن میں قرآن مجید کی سورہ ہود کی کچھ آیات مبارکہ بڑی قابل ذکر ہیں:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝﴾[1]

ترجمہ: اور ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنانی شروع کر دو اور دیکھو، جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُن کے حق میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا، یہ سارے کے سارے اب ڈوبنے والے ہیں۔ نوحؑ کشتی بنا رہا تھا اور اس کی قوم کے سرداروں میں سے جو کوئی اس کے پاس سے گزرتا تھا وہ اس کا مذاق اڑاتا تھا اس نے کہا: اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنس رہے ہیں۔

﴿وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝﴾[2]

ترجمہ: نوحؑ نے کہا "سوار ہو جاؤ اِس میں، اللہ ہی کے نام سے ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا ٹھیرنا بھی، میرا رب بڑا غفور و رحیم ہے"۔

1: سورۃ ہود 11/ 37,38

2: سورۃ ہود 11 / 41

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ قرآن مجید میں بحر (سمندر) کا ذکر 33 بار آیا ہے اور بر (خشکی) کا ذکر 12 بار۔ متعدد آیات میں بحر "دریا" اور "سمندر" دونوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ قرآن حکیم نے عمومی طور پر بحر (سمندر / تری) کا ذکر مختلف پیرائے میں کیا ہے۔ لیکن خصوصی طور پر بحری جہاز اور کشتیوں کا ذکر جن آیات بینات میں کیا گیا ہے، ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کے فضل، رزق اور متعدد خزانوں کی تلاش کا باہمی ربط پایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں ارشادی باری تعالیٰ ہے:

﴿اللّٰهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [1]

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اُس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔

مفسرین کرام کی تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں تسخیر بحر سے مراد قرآن کریم نے تلاش فضل لیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سمندر میں انسان کو کشتی رانی پر قدرت دینا مقصود ہو، تاکہ اس کے ذریعے وہ بحری تجارت کر سکے۔ تسخیر بحر اور نفع بخش چیزوں کی تلاش کیلئے سمندر کا مسخر کرنا بھی مراد ہے۔

جدید سائنس آج اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ سمندر میں اس قدر معدنی ذخائر اور دفینے پوشیدہ ہیں جو خشکی میں نہیں ہیں۔

فرمان خداوندی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [2]

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کر رکھا ہے تاکہ تم اس سے تر و تازہ گوشت لے کر کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنا کرتے ہو تم دیکھتے ہو کہ کشتی سمندر کا سینہ چیرتی ہوئی چلتی ہے یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔

1: سورۃ الجاثیہ 12/45

2: سورۃ النحل 14/16

یعنی جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے تجارتی مال لاد کر ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں پہنچ کر اللہ کے فضل سے بڑی فراخ روزی حاصل کرنے اور پھر خدا کا احسان مان کر اس کی نعمتوں کے حصول پر شکر گزار بندہ بننے کی تاکید و تائید کی گئی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَن تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ إِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ [1]

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اُس نے وہ سب کچھ تمہارے لیے مسخر کر رکھا ہے جو زمین میں ہے، اور اسی نے کشتی کو قاعدے کا پابند بنایا ہے کہ وہ اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے، اور وہی آسمان کو اس طرح تھامے ہوئے کہ اس کے اِذن کے بغیر وہ زمین پر نہیں گر سکتا؟ واقعہ یہ ہے کہ اللہ لوگوں کے حق میں بڑا شفیق اور رحیم ہے۔

چونکہ قرآن کریم نے سمندروں اور جہازوں کا ذکر بڑی کثرت سے کیا ہے جس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو کتنے عظیم احسانات سے نوازا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے خود ہی انسانوں کے لئے استعمال کی چیزیں بنا کر خود ہی ان کو اس کے تابع کر دیا اور ایسے اصول و ضوابط میں پابند کر دیا تاکہ انسان ان سے خوب استفادہ کرے۔

ان سب نوازشات یعنی سمندروں میں تجارتی اور جنگی جہازوں کا سمندروں کا سینہ چیرتے ہوئے چلنے اور ان کی بدولت تجارت کا حصول نیز مال غنیمت کا ملنا یہ سب کچھ اس مالک حقیقی کا فضل ہے، جس پر اس کو بارگاہ ایزدی میں ہمیشہ شکر گزار ہو کر ہدیہ سپاس پیش کرتے رہنا چاہئے۔

اللہ جل مجدہٗ نے بحر و بر کی تمام سواریاں اور انسان کے لئے پاکیزہ رزق کا اہتمام اور انسان کو باقی مخلوقات پر برتری کا ذکر فرما کر انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ [2]

1: سورۃ الحج 65/22

2: سورۃ بنی اسرائیل 70/17

ترجمہ: یہ تو ہماری عنایت ہے کہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی وتری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔

سمندر میں بحری جہاز اور کشتیوں کا رواں دواں ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت اور اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ جس کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللَّهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾[1]

ترجمہ: کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ کشتی سمندر میں اللہ کے فضل سے چلتی ہے تاکہ وہ تمہیں اپنی کچھ نشانیاں دکھائے؟ درحقیقت اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ہر اُس شخص کے لیے جو صبر اور شکر کرنے والا ہو۔

یقیناً قابل غور بات یہ ہے کہ ایک سوئی ڈوب جاتی ہے جبکہ منوں ٹن وزنی جہاز تیرتا رہتا ہے۔ مفسرین کرام کے نزدیک آیت مذکورہ میں **فُلك** بمعنی کشتی اور بحری جہاز کا ذکر آیا ہے۔ فلک کی تحقیق سے یہ پتہ چلتا ہے کہ بحری جہاز اور کشتی کو عربی میں **فلك**، **سفينة** اور **جارية** کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان تینوں الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ قرآن مجید کی انیس سورتوں کی تینتیس آیات مبارکہ میں **فلك** اور دو سورتوں کی تین آیات مبارکہ میں **سفينة** کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح **جواد** اور **جارية** کا استعمال دو سورتوں کی دو آیات میں کیا گیا ہے۔ عربی زبان میں **بحر** کا اطلاق دریا اور سمندر دونوں پر ہوتا ہے اور **یم** کا لفظ بھی دونوں معانی میں مستعمل ہے۔

قرآن مجید میں دریائے نیل اور بحر احمر دونوں پر اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۚ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي﴾[2]

ترجمہ: کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے دریا اسے ساحل پر

1: سورۃ لقمان 31/31

2: سورۃ طٰہٰ 39/20

پھینک دے گا اور اسے میرا دشمن اور اس بچے کا دشمن اٹھالے گا میں نے اپنی طرف سے تجھ پر محبت طاری کر دی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔

اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ﴾ [1]

ترجمہ: پیچھے سے فرعون اپنے لشکر لے کر پہنچا اور پھر سمندر اُن پر چھا گیا جیسا کہ چھا جانے کا حق تھا۔

بڑے بڑے جہازوں کے ساتھ خطرہ کے وقت یا زائد سامان کی بار برداری کے لئے جو چھوٹی کشتیاں ساتھ ہوتی ہیں انہیں قارب کہتے ہیں۔ حدیثِ دجال میں بھی قارب کا ذکر آیا ہے:

((فَجَلَسُوْا فِيْ اَقْرب السَّفِيْنَةِ)) [2]

پس وہ جہاز کے ساتھ والی چھوٹی کشتیوں میں بیٹھے

جدید تحقیقات کے مطابق بائبل اور قرآن کریم سے یہ امر بھی منکشف ہوتا ہے کہ سب سے پہلے بحری جہاز سیدنا نوح علیہ السلام نے بنایا تھا اس میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا سوار کیا گیا تھا۔[3] بلکہ بعض مفسرین کے نزدیک ہر چیز کے دو دو جوڑے سوار کیے گئے تاکہ اگر ایک پر موت طاری ہو تو جوڑا مکمل ہو جائے، اوران کی نسل ختم نہ ہو۔ جیسا کہ زوجین اثنین سے معلوم ہوتا ہے۔

دنیا کا سب سے پہلا بحری جہاز

کشتی یا بادبانی جہاز انسان کی پہلی اہم ایجادات میں شامل ہے۔ اس ضمن میں بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے 2800 سال پہلے مصر کے لوگوں نے سب سے پہلے دریائے نیل میں جہاز رانی شروع کی۔ عرب جہاز راں بھی اس سلسلے میں کافی مہارت اور شہرت رکھتے تھے۔ پرانے زمانے میں بحری جہاز لوہے کے بجائے لکڑی سے بنتے

1: سورۃ طٰہٰ 20/78

2: القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح للمسلم، کتاب الفتن و اشراط الساعۃ، باب قصۃ الجساسۃ، حدیث نمبر: 5235، دارالسلام، بیروت۔ 1999ء

3: عہد نامہ قدیم، جلد اول، باب: 6 پیدائش: 15۔ (نسخہ مذکورہ کی جمع و ترتیب اعجاز عبید کی ہے، جبکہ اس کے مصحح میں سید اویس قرنی کا نام درج ہے، سن اور مقام اشاعت درج نہ ہے)۔

تھے ۔ بعد میں حضرت داؤود اور سلیمان علیہما السلام کے زمانے سے لوہے کے بننے لگے ۔ سمت کے تعین کے لئے قطبی ستارے کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ عرب جہاز رانوں کی تاریخ میں قطب نما کا ذکر بھی ملتا تھا۔

لیکن قرآن حکیم اور سابقہ الہامی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلا بحری جہاز سیدنا نوح علیہ السلام نے بنایا اور اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو اس بحری جہاز کے بنانے کا حکم دیا تھا۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ﴾ [1]

ترجمہ: اور ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنانی شروع کردو اور دیکھو، جن لوگوں نے ظلم کیا ہے اُن کے حق میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا، یہ سارے کے سارے اب ڈوبنے والے ہیں۔

دنیا کے اس بحری جہاز کو کیسے بنایا گیا اور اس کی تیاری میں کون سا سامان استعمال کیا گیا، اس کا تذکرہ بھی قرآن حکیم نے کیا ہے۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے :

﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ﴾ [2]

ترجمہ: اور نوح علیہ السلام کو ہم نے ایک تختوں اور کیلوں والی پر سوار کردیا۔

قرآن حکیم کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحری جہاز لکڑی کے تختوں اور کیلوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا اور اس جہاز کی مضبوطی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ پہاڑوں کی مانند بلند موجوں کے درمیان چلتا رہا۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

﴿وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ﴾ [3]

ترجمہ: کشتی ان لوگوں کو لیے چلی جارہی تھی اور ایک ایک موج پہاڑ کی طرح اٹھ رہی تھی۔ نوح کا بیٹا دور فاصلے پر تھا۔ نوح نے پکار کر کہا: "بیٹا، ہمارے ساتھ سوار ہوجا، کافروں کے ساتھ نہ رہ"۔

1: سورۃ ھود 11/37

2: سورۃ القمر 54/13

3: سورۃ ھود 11/42

کشتی نوح کی تاریخ

کشتی نوح کی تیاری کے سلسلے میں قرآنی آیات کی تفسیر میں متعدد معلومات ملتی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ کشتی دو سال میں تیار ہوئی۔ اس کی لمبائی تین سو گز، چوڑائی پچاس گز اور اونچائی تیس گز تھی۔ جو کہ ساج کی لکڑی کی بنی ہوئی تھی۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ سب سے نچلی منزل میں وحشی اور درندے سوار تھے، دوسری یعنی درمیانی منزل میں چوپائے اور جانور، جبکہ تیسری منزل میں خود حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والے ساتھی سوار تھے۔[1]

حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک سو سال درخت لگا کر لکڑی اگائی اور ایک سو سال تک اسے کاٹ کر پھٹے تیار کر کے کشتی بنانے میں لگے۔

کشتی کی تیاری کے سلسلے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں بعض نے دو سال کہا ہے بعض نے دو سو سال جیسا کہ زید بن اسلم کا قول ہے اور کعب الاحبار نے تیس سال مدت بیان کی ہے۔ عمرو بن الحارث سے روایت ہے کہ نوح علیہ السلام نے کشتی سرزمین دمشق میں تیار کی اور اس کے لئے لکڑی لبنان کے پہاڑوں سے کاٹی۔[2]

امام عبد الرحمن بن علی بن محمد الجوزیؒ حنبلی[3] متوفی 597ھ لکھتے ہیں:

> ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب! کشتی کی کیا تعریف ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ لکڑی کا ایک گھر ہے جو سطح آب پر چلتا ہے، میں اپنے عبادت گذاروں کو اس میں نجات دوں گا اور اپنی نافرمانی کرنے والوں کو غرق کر دوں گا، اور بے شک میں جو چاہوں اس پر قادر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! لکڑی کہاں ہے؟ فرمایا: تم درخت اُگاؤ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے بیس سال تک ساگوان کے درخت اُگائے۔ اس عرصہ میں حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو دعوت دینا ترک کر دیا اور انہوں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کو تنگ کرنا چھوڑ دیا، البتہ ان کا مذاق اڑاتے رہے۔ جب درخت تیار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ درختوں کو کاٹیں اور سوکھائیں، پھر نوح علیہ السلام نے پوچھا: اے میرے رب! میں یہ گھر کیسے بناؤں؟ فرمایا: اس کا سر مور کی طرح بناؤ اور اس کے اگلے حصہ کو پرندے کے

---

1 : البغوی، الامام ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، ج4، ص174، دار طیبہ، ریاض، 1989ء

2 : قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ج9، ص32، 1964ء

3 : الجوزی، ابو الفرج عبد الرحمن بن علی الجوزی، حنبلی المسلک، عظیم مؤرخ، مفسر اور محدث ہوئے۔ 597ہجری میں بغداد میں وفات پائی، (تاج التراجم، ابن قطلوبغا، ج1، ص320)۔

سینہ کی طرح بناؤ اور اس کا دھڑ مرغ کے دھڑ کی طرح بناؤ اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کو انہیں کشتی بنانے کی تعلیم کیلئے بھیجا اور اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ کشتی بنانے کا عمل جلد مکمل کریں، کیونکہ نافرمانی کرنے والوں پر میرا غضب بہت شدید ہے۔

پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اجرت پر کچھ لوگوں کو کام پر لگایا اور ان کے بیٹوں میں سام، حام اور یافث [1] بھی ان کے ساتھ کشتی بنا رہے تھے۔ انہوں نے کشتی چھ سو ہاتھ لمبی بنائی اور اس کا عرض اور اس کا عمق تینتیس تینتیس ہاتھ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے زمین سے تارکول نکالا جس کو انہوں نے کشتی پر ملا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اس کشتی کی تین منزلیں تھیں، پہلی منزل میں وحشی جانور، درندے اور حشرات الارض تھے، دوسری منزل میں چوپائے اور دوسرے حیوان تھے اور سب سے اوپر تیسری منزل میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان والے تھے۔ جن کی تعداد اسی سے پچاسی بتائی جاتی ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ قتادہ [2] نے کہا: اس کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پانچ سو ہاتھ تھا اور اس کا عمق پانچ سو ہاتھ تھا۔

ابن جریج [3] نے کہا:

اس کا طول تین سو ہاتھ، اس کا عرض ڈیڑھ سو ہاتھ اور اس کا عمق تیس ہاتھ تھا۔ اس کی بالا منزل میں پرندے، درمیانی منزل میں حضرت نوح اور ایمان والے تھے اور اس کی نچلی منزل میں درندے تھے۔ [4]

---

1 : حام، سام، یافث، نوح علیہ السلام کے چار بیٹوں میں سے یہ تینوں آپ پر ایمان لائے اور کشتی میں آپ کے ساتھ سوار تھے۔ (دیکھیے تفسیر قرطبی سورۃ الصافات، آیت نمبر 77)

2 : قتادہ بن دعامہ السدوسی، مشہور تابعی عربی زبان وادب کے ماہر، مفسر و محدث، اہل بصرہ میں سب سے مضبوط حافظہ کے حامل تھے۔ (طبقات ابن سعد، ج 7، ص229)

3 : ابن جریج، ابو الولید عبد الملک بن عبد العزیز الاموی، ابن جریج کے لقب سے مشہور ہوئے، عالم، قاری، فقیہ اور راوی حدیث تھے۔ 150 ہجری میں وفات پائی (الاعلام للزرکلی، ج 4، ص160)

4: سعیدی، علامہ، غلام رسول، تبیان القرآن، ج:5، ص:544، 545، بحوالہ: زاد المسیر ج4 ص102، 103، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1415ھ

قرآن حکیم نے اس بات کا انکشاف بھی کیا ہے کہ اس بحری جہاز میں ہر چیز کا جوڑا جوڑا سوار کیا گیا تھا۔ قرآن حکیم میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾[1]

ترجمہ: ہم نے کہا: ہر قسم کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا کشتی میں رکھ لو۔

قرآن حکیم نے سیدنا نوح علیہ السلام کے بحری جہاز کے بارے میں جو معلومات فراہم کی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں پانی پر بحری جہاز اور کشتی چلانے کا فن سب سے پہلے سیدنا نوح علیہ السلام نے متعارف کرایا۔ ان کے بحری جہاز کے بعد تجارتی جہازوں اور بحری جنگی جہازوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیدنا نوح علیہ السلام کرہ ارض پر سب سے پہلے رسول ہیں، جنہوں نے بحری جہازرانی اور بحری جہاز سازی کی صنعت کا آغاز کیا۔

سیرت ابن ہشام اور طبقات ابن سعد سے یہ حقائق واضح ہوتے ہیں کہ مسلمان قدیم زمانے سے بحری سفر کرتے رہے ہیں، نیز قرآن مجید میں سمندر کا ذکر اس بات کی تائید کرتا ہے کہ بحری سفر کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ دنیا کی۔[2] حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ بھی سورہ کہف میں اس طرف اشارہ دیتا ہے، جس میں کشتی کا ذکر ملتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾[3]

ترجمہ: کیونکہ آگے ایک ایسے بادشاہ کا علاقہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔

پہلی ہجرت حبشہ بھی سمندر کے راستے سے ہوئی اسلام قبول کرنے کے بعد چونکہ وہ لوگ سمندری سفر کی صعوبتوں کو برداشت کر کے آیا کرتے تھے اس لئے حبشہ سے آنے والے وفود کی خدمت آپ ﷺ خود فرمایا کرتے تھے۔ عہد نبوی ﷺ میں بحری جنگوں کی پیشین گوئیاں نیز آپ ﷺ کے عہد مبارک میں بحری جنگ کا وقوع پذیر ہونا ان سے متعلق اور بحری راستوں سے کی جانے والی تجارت سے متعلق بھی کافی دفعات ملتی ہیں۔

عہدِ جاہلیت میں عربوں کی جہازرانی کی متعدد معلومات (لغات اور قدیم اشعار) اور قرآن مجید سے حاصل ہوتی ہیں

1: سورۃ ہود 40/11

2: محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عربوں کی جہازرانی پر استدراک، ص: 15 (ضمیمہ ب، عربوں کی جہازرانی، سید سلیمان ندوی) اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، 1981ء

3: سورۃ الکہف 79/18

اور اسی طرح احادیث کی کتب میں کافی واقعات وروایات کے الفاظ کو متعدد ناموں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جن میں اسطول اور اسطولا، برشتہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ [1]

تاریخ کی کتب سے سرزمین عرب پر بندرگاہوں کا ذکر خاصی تفصیل سے ملتا ہے۔اس سلسلے میں عمان کی بندرگاہ دباء، بحرین کی بندرگاہ مشقر اور خصوصیت سے یمن کی بندرگاہ عدن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔عربی زبان میں ابن جبیر رضی اللہ عنہ [2] کے سفرنامے خصوصاً سفرنامہ حج اور بحری سفر کافی دلچسپی کے حامل ہیں۔

عرب کی سرزمین پر جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا اور توحیدِ خداوندی کا پیغام سنایا تو اہل مکہ جو شرک وبت پرستی میں مبتلا تھے۔انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو نہ صرف قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف بھی ہوگئے۔ یہ اہل عرب اعلان نبوت سے قبل بحری تجارتی اسفار کیا کرتے تھے، جس کے لئے حبشہ ان کے دوسرے وطن کے طور پر جانا جاتا تھا۔ حبشہ میں عرب حضرات کی آمدورفت کی اہم ترین وجہ تو تجارت تھی اور بحر احمر (Red Sea) میں رومیوں کی آمدورفت بھی رہتی تھی۔

سیرت ابن ہشام میں درج ہے کہ رومی تجارت کی غرض سے ساحل جدہ پر پہنچے تو ان کی کشتی سمندری لہروں کا شکار ہو کر ٹوٹ گئی۔ قریش مکہ نے کشتی کی لکڑی کو خریدا اور بیت اللہ کی چھت بنانے کیلئے ایک قبطی بڑھئی کی مدد لی۔ [3]

واقعہ مذکورہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ سمندر کو اقتصادی خوشحالی اور تجارتی امور کیلئے اہل روم اور اہل عرب اہم ذریعہ اور سبب سمجھتے تھے۔ ہجرت حبشہ بھی اس سلسلے کی اہم ترین کڑی تھی۔ جہاں ہجرت کی سیاسی، تجارتی اور بحری اہمیت وافادیت ہے وہاں یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم جن کا اولین فریضہ دعوت وارشاد اور اشاعت اسلام تھا۔

1: ندوی، سید، سلیمان، عربوں کی جہازرانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ص150، 1981ء

2: عبداللہ بن جبیر بن لقمان اوسی انصاری، صحابی رسول، بیعت عقبہ اور جنگ بدر میں شامل رہے۔ جنگ احد کے پچاس تیر اندازوں کے امیر تھے۔ اسد الغابہ، ج3، ص194

3: ابن یسار، محمد بن اسحاق، ابنِ ہشام وابو محمد، عبدالملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ج1، ص: 193۔(ترجمہ سید سید یٰسین علی حسنی) ادارہ اسلامیات، کراچی، طباعت سوم، مئی 1994ء

اگرچہ اس فریضہ خاص کی ادائیگی میں آپ ﷺ کو بے شمار مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے اس کو جاری کھا اور اپنے نصب العین کے لئے ایک خصوصی مرکز و محور کی تلاش بھی جاری رکھی۔ آپ ﷺ مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور اپنا مدعا بیان کرتے۔[1]

طبقات ابن سعدؒ میں ہجرت حبشہ کا یہ واقعہ بھی بڑی خصوصیت کا حامل ہے کہ:

مہاجرین حبشہ جو گیارہ مردوں اور چار خواتین پر مشتمل ایک مقدس قافلہ تھا جس کی قیادت حضرت عثمان غنیؓ کر رہے تھے۔ یہ قافلہ نبوت کے پانچویں سال جب ماہ رجب میں روانگی کیلئے تیار ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے خصوصی فضل اور بے پایاں عنایت سے بحری جہازوں کا انتظام فرمادیا کہ ایک تجارتی قافلہ جدہ سے واپسی کے لئے حبشہ جانے کے لئے تیار تھا لنگر اُٹھا لیے گئے تھے کہ مسلمان مہاجرین جدہ پہنچے اور کرایہ وغیرہ طے کر کے سوار ہوگئے جب مشرکین مکہ تعاقب کرتے جدہ پہنچے تو یہ قافلہ روانہ ہو چکا تھا۔ یہ قافلہ شعیبہ کے مقام پر تجارتی و بحری جہازوں پر سوار ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔[2]

علامہ ابن جریر طبریؒ[3] کے حوالے سے یہ واقعہ بھی بڑا اہم ہے جو کہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کی روایت سے ملتا ہے کہ:

ہماری حبشہ سے حجاز روانگی میں (نجاشی) بادشاہ نے باقاعدہ کچھ ملاح ہمارے ساتھ روانہ کیے جو ہمیں جار (بندرگاہ) تک لے کر پہنچے اور پھر بذریعہ خشکی ہم مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ اس موقع پر حبشہ کے بادشاہ نے آپ ﷺ کے لئے تحائف بھی بھیجے تھے۔[4]

اہل سفینہ (کشتی والے) کے نام سے موسوم واقعہ بھی تاریخ میں بڑا اہم مقام رکھتا ہے، جس میں سیدنا ابو موسیٰ

1: محمد نواز، ڈاکٹر، اسلامی بحریہ، ص: 108۔ دائرہ معارف البحریہ، کراچی، 2004ء

2: ابن سعد، محمد بن سعد، طبقات الکبری، ج1، ص: 204۔ (ترجمہ علامہ عبد اللہ العمادی) دارالاشاعت، کراچی، 2003ء

3: الطبری، ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، عہد عباسی کے مشہور مفسر قرآن، طبرستان کے رہنے والے تھے، شافعی المسلک تھے لیکن اپنی آراء وفتاویٰ کی بنیاد پر ان کا اپنا مسلک "جریری مسلک" کے نام سے وجود میں آیا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج 14، ص 27)

4: ابو جعفر، طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، (مشہور بتاریخ طبری) (ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی) ج2، ص354، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، 2004ء

اشعری رضی اللہ عنہ[1] کا بیان ہے کہ:

جو یمن سے اپنے چھوٹے بھائیوں اور دیگر افراد کے ساتھ مدینہ منورہ آنا چاہتے تھے، بحری سفر کرتے ہوئے آرہے تھے کہ سمندری لہروں اور تیز و تند موجوں کی وجہ سے حبشہ چلے گئے۔ وہاں پر نجاشی بادشاہ حکمران تھا۔ حضرت جعفر بن ابی طالب[2] پہلے سے وہاں موجود تھے ہم ان کے ساتھ مقیم رہے۔ جب مدینہ منورہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فتح خیبر سے ہمکنار ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم میں سے ہمارا حصہ بھی نکالا جو فقط کشتی والوں (اہل سفینہ) اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو دیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ ہجرت مدینہ کے بعد مہاجرین مکہ کو ایک ہجرت کا جبکہ اہل سفینہ کو دو ہجرتوں کے اجر و ثواب کا مژدہ سنایا گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنھم میں اس حدیث مبارکہ کو بہت دلچسپی سے پیش کیا جاتا اور سنا جاتا تھا۔[3]

امام مسلمؒ نے بھی ایک نصرانی کا واقعہ بیان کیا ہے جو بعد میں اسلام قبول کر کے سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ[4] کے نام سے موسوم ہوئے۔ جو تقریباً تیس افراد کے ہمراہ بحری جہاز کا سفر کر کے شام کے ساحلی علاقوں سے حجاز کی طرف آئے۔[5]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بحری جہاد سے متعلق پیشین گوئی

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کو ان کی صداقت کے نشانی کے طور پر انہیں نہ صرف قبل از وقت غیب کی خبریں دیتا بلکہ ان پر غلبہ بخشتا ہے اور مستقبل میں ظاہر ہونے والی باتوں سے متعلق غیر معمولی علم عطا فرماتا ہے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

1 : ابو موسیٰ اشعریؓ، جلیل القدر صحابی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو عدن کا والی مقرر کیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کے دور خلافت میں بصرہ جبکہ سیدنا عثمانؓ کے زمانہ میں کوفہ کے گورنر رہے۔ مسئلہ تحکیم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ثالث مقرر ہوئے۔ 44ہجری میں وفات پائی۔ (اسعاف المبطا برجال الموطا، ج 1، ص33)

2 : جعفرؓ بن ابی طالب، معروف صحابی اور عظیم جرنیل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی تھے۔ ہجرت حبشہ میں شامل تھے۔ 8ہجری میں غزوہ موتہ میں بطور سپہ سالار شمولیت کی اور وہیں شہادت پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج 2، ص88)

:3 مسلم بن حجاج القشیری، الجامع الصحیح، کتاب الفضائل، ج1، ص: 973۔ دار السلام، بیروت، 1999ء

4 : تمیم الداریؓ، تمیم بن اوس بن خارجہ، ابورقیہ، مشہور صحابی، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد مدینہ طیبہ سے شام منتقل ہو گئے اور تادم وفات وہیں رہے۔ بیت جبرین، فلسطین میں مدفون ہیں۔ (اسد الغابة، ج 1، ص115)

:5 مسلم بن الحجاج القشیری، صحیح مسلم، کتاب الفتن، ج1، ص1021۔ دار السلام، بیروت۔ 1999ء

﴿ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا - إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴾ ۔[1]

ترجمہ: وہ غیب کا جاننے والا ہے پس وہ اپنے غیب پر کسی کو بھی مطلع نہیں فرماتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

لہٰذا حضور ﷺ نے بیان فرمایا کہ مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں دی گئیں یہاں تک کہ میں نے اپنے ہاتھوں میں رکھیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ نبی کریم ﷺ تو وفات پاگئے اور اب تم ان خزانوں کو حاصل کر رہے ہو۔[2]

مدنی زندگی کے اس دور میں جب برّی سفروں اور جنگوں کے پورے سامان بھی مسلمانوں کو میسر نہیں تھے تو نبی کریم ﷺ کو مسلمانوں کی بحری جنگوں کی خبر دیتے ہوئے نظارہ کروایا گیا۔

1: سورۃ جن، 26,27/72

2: محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، کتاب التعبیر۔ دار السلام، بیروت۔ 1999ء

باب دوئم

بحری جہاد کی اہمیت اسلام کی نظر میں

یہ باب درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

- فصل اول — جہاد کا عمومی تصور
- فصل دوئم — دور خلافت راشدہ اور بحری جہاد
- فصل سوئم — مسلم بحریہ کا باقاعدہ آغاز

فصل اول:

جہاد کا عمومی تصور

یہ فصل جہاد کے عمومی تصور و حقیقت سے متعلق ہے جس میں درج ذیل مباحث شامل ہیں:

- جہاد کی حقیقت
- جہاد کا لغوی مفہوم
- جہاد کا اصطلاحی مفہوم
- جہاد کا شرعی حکم
- جہاد کے مراتب و اقسام
- جہاد کی اہمیت
- بحری جہاد کی فضیلت
- جہاد کے مقاصد

اسلام میں جہاد کی حقیقت

انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے، دنیا کے سارے مذاہب میں احترامِ انسانیت کا یہ اصول موجود ہے اور جس مذہب اور قانون میں اس دفعہ کو تسلیم نہیں کیا گیا ہے، اس مذہب اور قانون کے تحت کوئی انسان پُرامن زندگی نہیں گزار سکتا ہے۔ دنیا کے سیاسی قوانین، تو انسانی احترام کو صرف سزا کے خوف سے قوت کے بل بوتے پر قائم کرتے ہیں؛ مگر ایک سچے دین و مذہب کا کام انسانی دلوں میں اس کی صحیح قدر و قیمت پیدا کرنا ہے؛ تاکہ جہاں انسانی تعزیر کا خوف نہ ہو، وہاں بھی ایک انسان دوسرے انسان کا خون کرنے سے پرہیز کرے، اس نقطۂ نظر سے احترامِ انسانیت کی جو مؤثر اخلاقی و قانونی تعلیم اسلام میں دی گئی ہے وہ دوسرے ادیان و مذاہب میں ناپید ہے۔

مذہبی تعلیمات سے قطع نظر اگر خالصتاً انسانیت کی نظر سے دیکھا جائے، تو اس لحاظ سے بھی کسی ذاتی مفاد کی خاطر اپنے بھائی کو قتل کرنا، بدترین جرم ہے، جس کا ارتکاب کر کے انسان کا اخلاقی معیارات پر پورا اترنا تو درکنار، اس کا درجۂ انسانیت پر قائم رہنا بھی ناممکن ہے۔

جہاد کا لغوی مفہوم

جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جو قرآن کریم میں مختلف مفاہیم و معانی میں استعمال ہوا ہے۔ اکثر آیات قرآنیہ میں لفظ جہاد لغوی معنی میں ہی استعمال ہوا ہے۔ لغت کے ماہرین نے جہاد کے حسب ذیل معانی بیان کیے ہیں:

جہاد بنیادی طور پر عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ''ج ھ د'' (جھد) ہے اور عربی لغت میں اس کا وہی مفہوم مراد لیا جاتا ہے جو اردو زبان میں جد و جہد کے معنی میں لیا جاتا ہے۔ یعنی کسی مقصد اور نصب العین کے حصول کے لئے انتہائی محنت، کوشش اور طاقت صرف کرنا۔

صاحب القاموس المحیط لکھتے ہیں:

جُهد أى بَذلُ الطَّاقَـــــةِ وَالــوَسْــع أو المشقة [1]

کسی مقصد کے حصول کے لئے طاقت صرف کرنا یا کوشش کرنا یا مشقت اٹھانا ''جہد'' کہلاتا ہے۔

1: فیروز آبادی، محمد بن یعقوب (729ھ)، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ج1، ص296، 2005ء

علامہ راغب اصفہانیؒ[1] نے جہاد کے عمومی معنی کو بیان کیا ہے۔ ایسا عمومی معنی جس میں جہاد کے لغوی اور اصطلاحی دونوں مفہوم شامل ہیں۔ ایسے معنی کو اصول فقہ میں عموم مشترک کہا جاتا ہے۔ جہاد کے اسی مشترک معنی کو بیان کرتے ہیں امام راغب اصفہانیؒ لکھتے ہیں:

اَلْجِهَـادوَ المُجَـاهـدةُ استفراغ الوسع فی مدافعةِ الْعَدو[2]

جہاد دشمن کے خلاف اپنی طاقت اور وسعت کو خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔

ابن فارس لکھتے ہیں: ''**الجيم والهاء والدال أصله المشقة، ثمَّ يحمل عليه ما يقاربه، يقال: جهدت نفسي وأجهدت، والجهد: الطاقة**''[3]

جیم، ھاء اور دال کا مادہ دراصل مشقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ پھر اس کے قریبی معانی پر محمول کیا جانے لگا، جیسے کہا جاتا ہے ''**جهدت نفسي وأجهدت**'' کہ میں نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور خوب کوشش کی، اور جہد کا مطلب ہے طاقت۔

ابن منظور نے جہاد کا لغوی معنی یوں بیان کیا ہے :

الاجْتهاد والتجاهُد، بذل الوَسع والمجهود...وجاهد العدو مجاهدة وجهادًا: قاتـله وجـاهـد في سبيل الله[4]

اجتہاد اور تجاہد وسعت و کوشش کو بروئے کار لانے کا نام ہے۔۔۔ **وجاهد العدو مجاهدة وجهـادًا** کا مطلب بھی ہے دشمن سے جنگ کرنا۔ اور اسی طرح **جاهد في سبيل الله** بھی کہتے ہیں۔

---

1 : راغب اصفہانی، ابو القاسم الحسین بن محمد، ادیب عالم اور مفسر قرآن، 502 ہجری میں بغداد میں وفات پائی۔ (معجم المؤلفین، عمر رضا کحالہ، ج4، ص59)

2 : الاصفہانی، راغب، المفردات لالفاظ القرآن، تحقیق صفوان عدنان، دار العلم دمشق، ص208، 2009ء

3 : ابن الفارس، أحمد بن فارس بن زكرياء القزويني الرازي، أبو الحسين، (المتوفى 395ھ)، مقاييس اللغة، ج 1، ص486، دار الفکر بیروت، 1979ء

4 : ابن منظور، لسان العرب، ج3، ص133

قائد اللغات میں جہاد کے معنی یہ بیان ہوئے ہیں:

"کوشش کرنا، کافروں سے لڑائی"[1]

جبران مسعود[2] نے "الرائد" میں جہاد کے معنی اس طرح بیان کئے ہیں:

جَاهَدَ: قِتَال المُسلمين أعداءهم دفاعاً عن الدين[3]

دین کے دفاع کے لئے کوشش کرنا اور مسلمانوں کا دشمنوں سے لڑائی کرنا جہاد کہلاتا ہے۔

وارث سرہندی[4] لکھتے ہیں:

اپنی تمام جسمانی، مالی اور دماغی قوتوں کو اللہ کی راہ میں صرف کرنا، حق کے مخالف اور دشمن کی کوشش کو روکنا جہاد ہے۔[5]

ڈاکٹر محمد خیر ہیکل جہاد کے لغوی معنی اور مفاہیم بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اہل لغت کی بیان کردہ معانی سے ہم جہاد کا یہ مفہوم اخذ کر سکتے ہیں:

"هو استفراغ في المدافعة بين طرفين و لو تقديرا"[6]

(جہاد سے مراد) دو طرفہ دفاع میں قوت صرف کرنا چاہے اپنی ذات (نفس) کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

1: ابو نعیم، عبدالحکیم، نشتر جالندھری، قائد اللغات، حامد اینڈ کمپنی لاہور، ص350، اشاعت 1969ء

2: جبران مسعود، عربی کی جدید لغت الرائد کے مصنف، 1930ء میں بیروت میں پیدا ہوئے، 1953 میں جامعہ امریکیہ بیروت سے عربی ادب میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

3: جبران مسعود، الرائد، مطبوعہ، دار العلم للملايين بیروت، ص284، 1992ء

4: وارث سرہندی، محمد علی خان، نقاد محقق، ادیب، 1934ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے 1991ء میں وفات پائی۔ (دیکھیے وفیات ناموران پاکستان از ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، صفحہ 913، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2006ء)

5: وارث سرہندی، علمی اردو لغت، ص555، مطبوعہ علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور، اشاعت، 1972ء

6: ہیکل، ڈاکٹر محمد خیر، الجهاد و القتال فی السياسة الشرعية، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، ص39، 1996ء

جہاد کا اصطلاحی مفہوم

جہاد کے لغوی معانی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم آسانی سے جہاد کے اصطلاحی مفہوم کو سمجھ سکتے ہیں۔ جہاد کے اصطلاحی مفہوم میں لغوی معنی کا مفہوم کار فرما ہے۔ علمائے شریعت نے جہاد کی اصطلاحی تعریف میں جہاد کی مشروعیت کے مراحل کو پیش نظر رکھا ہے اور اسی ترتیب سے شرائط کا اضافہ اور وضاحت کی ہے جس ترتیب سے احکام جہاد نازل ہوئے۔

ڈاکٹر محمد خیر ہیکل نے ابن عابدین سے جہاد کی جو شرعی اصطلاح نقل کی ہے وہ لغوی و اصطلاحی معانی کی جامع ہے:

بذل الوسع في القتال في سبيل الله مباشرة أو معاونة بمال او رأي أو تكثير سواد أو غير ذلك[1]

جہاد سے مراد اللہ کے راستے میں بذات خود اپنی وسعت صرف کرنا یا مالی معاونت کرنا یا اپنی رائے سے مشورہ فراہم کرنا، یا افرادی قوت مہیا کرنا وغیرہ۔

یوں تو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اٹھنے والا ہر قدم جہاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مفہوم کو نصوص یعنی کتاب و سنت سے بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مگر عرف عام نے اس میں خصوصیت پیدا کر دی ہے اور جہاد کا اطلاق صرف قتال بالکفار پر ہونے لگا اور اس عرف کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ بہت سے اہل علم اس سے متاثر ہوئے اور اُن کے ہاں جہاد کا مفہوم صرف قتال بالکفار کے ساتھ مخصوص ہو گیا جس کی تفصیل اُن کی بیان کردہ تعریفات سے واضح ہو جائے گی۔

جہاد کا یہ مفہوم نہ صرف ان علماء کے ہاں مقبول ہوا بلکہ حدیث نبوی بھی اس کی تائید کرتی ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

((سَأل رَجُل يَــا رَسُوْل الله! وَ مَــا الْجهاد؟ قَال أن تقاتل الكفار إذا لقيتهم))[2]

ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اور جہاد کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "جہاد یہ ہے کہ تو کفار کے مقابلہ میں جنگ کرے"۔

اب ہم علمائے اسلام کی بیان کردہ جہاد کی تعریفات اور اس کا شرعی مفہوم ذکر کرتے ہیں۔

---

1 : ہیکل، ڈاکٹر محمد خیر، الجہاد والقتال فی السیاسۃ الشرعیۃ، ص40

2 : احمد بن حنبل، مسند، جلد5، ص102، حدیث نمبر: 17027، بیت الافکار الدولیۃ، ریاض، 1999ء

ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

"خص فی عرفهم بقتال الكفار"[1]

عرف عام میں (لفظ جہاد) کفار کے ساتھ جنگ کے لئے خاص ہو گیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جہاد کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو بذل الجهد من المسلمين في قتال الكفار المعاندين المحاربين، والمرتدين، والبغاة ونحوهم لإعلاء كلمة الله تعالى[2]

(جہاد سے مراد) مسلمانوں کا جنگ کرنے والے دشمن کفار، مرتدین اور باغیوں وغیرہ کے خلاف اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے اپنی کوششیں صرف کرنا ہے۔

امام کاسانی[3] حنفی جہاد کی اصطلاح کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الجهاد في عرف الشرع يستعمل في بذل الوسع والطاقة بالقتال في سبيل الله عزوجل بالنَّفس والمال واللسان أو غير ذلك[4]

شرعی اصطلاح میں جہاد سے مراد اللہ کے راستے میں جنگ کرتے ہوئے اپنی پوری جانی، مالی اور زبانی طاقت وغیرہ کا استعمال کرنا ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ جہاد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلام نے اصلاح کا علم بلند کیا، اس نے درحقیقت جنگ کو بدل کر بالکل ایک نیا نظریہ پیش کیا جس سے اس وقت تک کی دنیا نا آشنا تھی، اس کا نظریہ یہ تھا کہ جنگ و قتال فی الاصل ایک معصیت ہے جس سے ہر انسان کو اجتناب کرنا چاہئے لیکن جب دنیا میں اس سے بڑی معصیت یعنی ظلم و طغیان

---

1 : ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد، شرح فتح القدیر، ج 4، ص 277، مطبع مصطفائی، قاہرہ، مصر 1356ھ

2 : العسقلانی، علی بن احمد بن حجر، فتح الباری شرح الصحیح البخاری، ج 6، ص 3، نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، 1401ھ

3 : الکاسانی، مشہور حنفی فقیہ، پورا نام علاء الدین ابو بکر بن مسعود بن احمد، کاسان کے رہائشی (جو بلاد ماوراء النہر کا ایک شہر ہے جو کہ آج کل ازبکستان کے جنوب مشرق میں واقع ہے اور موجودہ نام قازان ہے) (الجواهر المضيئة فی طبقات الحنفية، ج 2، ص 244)

4 : الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، ج 9، ص 439، 1986ء

اور فتنہ و فساد پھیل گیا اور سرکش لوگوں نے خلق خدا کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈال دیا ہو تو محض دفع ضرر کے لئے جنگ کرنا ضروری اور ضروری ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔[1]

اسلامی اصطلاح میں جہاد سے مراد ہر قسم کی جد وجہد اور کوشش کرنا جہاد کہلاتا ہے۔ یہ جد وجہد زبانی و علمی بھی ہو سکتی ہے اور مالی و جانی بھی۔ انفرادی بھی ہو سکتی ہے اور اجتماعی بھی۔ اس طرح جہاد بڑی وسیع اصطلاح بن جاتا ہے جس میں اقامت دین کی ہر کوشش شامل ہے جس کا ادنیٰ درجہ جہاد کا ارادہ رکھنا ہے اور اعلیٰ درجہ فی سبیل اللہ جان کا نذرانہ پیش کرنا ہے۔

قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر مختلف انداز و پیرایہ سے اس تعلیم کو انسانی دلوں میں دل نشیں کیا گیا ہے؛ چنانچہ ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً﴾[2]

ترجمہ: اور جس ذات کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہیں، ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے اور جو شخص ایسے کام کرے گا تو سزا سے اس کو سابقہ پڑے گا۔

اس تعلیم کے اولین مخاطب وہ لوگ تھے، جن کے نزدیک انسانی جان ومال کی کوئی قدر وقیمت نہ تھی اور جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے اولاد جیسی عظیم نعمت کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے میں فخر محسوس کیا کرتے تھے؛ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طبیعتوں کی اصلاح کے لیے خود بھی ہمیشہ احترامِ نفس کی تلقین کیا کرتے تھے، احادیثِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے والے حضرات بخوبی جانتے ہیں کہ اس ضمن میں تعلیمات کا ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے، جس کے اندر ناحق خون بہانے کو گناہِ عظیم اور بدترین جرم بتایا گیا ہے، جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((الكبائرُ الاشراکُ بالله وقتلُ النَفْسِ وعقوقُ الوالدينِ واليَمِيْنُ الغَمُوسُ))[3]

ترجمہ: بڑے گناہوں میں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جان سے مارنا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی قسمیں کھانا ہے۔

1: مودودی، ابوالاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، ص216، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، 1974ء

2: سورۃ فرقان، 25/168

3: الصحیح البخاری، کتاب الایمان والنذور، باب الیمین الغموس، حدیث نمبر 6675

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت

جہاد کی فضیلت و اہمیت پر قرآن وحدیث میں ضخیم مواد موجود ہے، جہاد ہی وہ عظیم عمل ہے جس میں ایک رات کا جاگنا ہزار راتیں جاگ کر عبادت کرنے سے بڑھ کر بیان کیا گیا ہے، جس راہ میں غبار آلود ہونے والے قدموں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا جائے گا۔

جہاد فی سبیل اللہ کی اتنی فضیلت اور تعریف کس لیے ہے؟ جب جہاد سے دنیا کی دولت اور ملک گیری مقصود نہیں، تو آخر اللہ تعالیٰ اس کے عوض بڑے بڑے درجے کیوں دے رہے ہیں؟ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ اس کی زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا جائے، وہ ذات یہ پسند نہیں فرماتی کہ اس کے بندوں کو بلاوجہ ہلاک کیا جائے، پس جو گروہ بغیر کسی حرص وطمع کے محض خدا کی رضا کی خاطر دنیا کو اس فتنہ سے پاک کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے اور اس نیک کام میں اپنا سب کچھ قربان کر دے، اس سے زیادہ اللہ کی محبت اور رضامندی کا مستحق کون ہو سکتا ہے؟

اب ہم جہاد کی فضیلت و اہمیت قرآن وسنت اور علماء کے اقوال و آراء کی روشنی میں ذکر کریں گے۔

فرضیت جہاد از روئے قرآن مجید

جہاد کی فرضیت اور اس کے مقاصد کے اعتبار سے قرآن حکیم میں متعدد آیات بیان ہوئی ہیں۔ ہم یہاں اس ضمن میں اُن آیات کا ذکر کرتے ہیں جن سے فرضیت و مقصدیت دونوں پہلو واضح ہوتے ہیں:

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ﴾ [1]

ترجمہ: اے ایمان لانے والو، ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔

﴿ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ [2]

ترجمہ: نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

1: سورۃ الانفال: 39/10

2: سورۃ التوبہ: 41/9

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ○ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [1]

ترجمہ :اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

یہ آیت دووجوہ سے فرضیت جہاد کے معنی کو متضمن ہے۔ ایک تو یہ کہ اللہ نے اسے ایمان باللہ اور ایمان بالرسالت کی فرضیت کے ساتھ مشروط کرکے بیان فرمایا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ نے یہ بتادیا ہے کہ اس عذاب سے ایمان اور جہاد کے ذریعے نجات مل سکتی ہے۔

﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ [2]

ترجمہ :ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزادلوائے گا اور انہیں ذلیل وخوار کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا۔

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [3]

ترجمہ : جنگ کرو اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں لاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریباً 13 سال تک مکی زندگی دین کی دعوت دیتے گزری اور آپ ﷺ مشرکین کی طرف سے مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا کئے گئے اور آپ ﷺ کے اصحاب کو بھی ان تکالیف ومشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔ کفارِ مکہ جھوٹے اتہامات اور افتراءات کے ذریعے لوگوں کو قرآن سننے اور دعوت اسلام کی قبول کرنے سے روکتے تھے۔ جو چند لوگ مسلمان ہوئے انہیں اپنے مذہب کی حفاظت کے لئے مکہ چھوڑ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور حکمت الٰہی سے مدینہ منورہ کے عرب یعنی اوس وخزرج نے دعوتِ اسلام قبول کی اور رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس بات پر بیعت لی کہ جن چیزوں سے وہ اپنی اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں ان سے آپ کی بھی حفاظت کریں گے۔ اس بیعت کے بعد جب کہ اہل مکہ نے آپ ﷺ کی جان لینے پر پورا اتفاق کر لیا تھا،

1: سورۃ الصف: 10,11/61

2: سورۃالتوبہ: 14/9

3: سورۃالتوبہ: 29/9

آپ ﷺ نے اوس و خزرج کی طرف ہجرت کی اور آپ ﷺ کے مدینہ آنے کی ابتداء میں جہاد فرض ہوا، جس بناء پر مسلمانوں کو جہاد کا اذن دیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں متعدد مواقع پر اس کو بیان کیا گیا ہے۔ اس کا دار و مدار دو باتوں پر ہے۔

یہ دنیا خیر و شر کا مسکن ہے، یہاں بھلائی کی طاقتیں بھی موجود ہیں اور برائی کی بھی اور دونوں کو اپنے اپنے طور پر کام کرنے کی پوری آزادی ملی ہوئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ دونوں آپس میں ٹکراتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے برابر زور لگاتی رہتی ہیں، اس لئے یہ فطری سی بات ہے کہ اسلام کی راہ بھی روکی جائے اس لئے قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان رکاوٹوں کے بارے میں اُمّتِ مسلمہ کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟

اسلام اس سوال کے جواب میں ہدایت دیتا ہے کہ رکاوٹ خواہ کوئی ہو اسے ہٹانے کی بھرپور کوشش کی جائے اور آخری حد تک کی جائے، اس کوشش کو شریعت نے "جہاد فی سبیل اللہ" کا نام دیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ۔ تُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ [1]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمہیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالی پر ایمان اور اس کی راہ میں جہاد کو تجارت سے تعبیر کیا گیا ہے، اس لئے کہ اس میں بھی انہیں تجارت کی طرح ہی نفع ہوگا، اور وہ نفع کیا ہے؟ جنت میں داخلہ اور جہنم سے نجات، اس سے بڑا نفع اور کیا ہوگا۔

امام طبریؒ کہتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ بات جتلائی ہے کہ میں نے تمہیں نفع بخش تجارت کا پتہ دیا ہے یعنی ایمان اور جہاد کا۔ آپ لکھتے ہیں:

---

1 : سورہ الصف: 10/61

وَقد دَلكم الله عَليها، وأعلمكم إياها [1]

کہ اللہ تعالیٰ نے اس تجارت کی طرف تمہاری رہنمائی کی ہے اور تمہیں اُس کے (اصول وضوابط) سکھا دیے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [2]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اُس کی جناب میں باریابی کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرو، شاید کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو جائے۔

امام طبریؒ نے اس جہاد کی وضاحت یوں کی ہے:

وَجاهـدوا أيها المؤمنـون أعـدائي وأعـداءَكم [3]

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں سے جہاد کرو۔

امام ابن کثیرؒ کہتے ہیں:

لما أمرهم بترك المحارم وفعل الطاعات أمرهم بقتال الأعداء من الكفار والمشركين الخارجين عن الطريق المستقيم ، التاركين للدين القويم [4]

جب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو دیگر محرمات کے ترک کرنے اور اطاعت بجالانے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ساتھ کفار ومشرکین اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے اور دین کی راہ چھوڑنے والے گمراہوں کے خلاف جہاد کا بھی حکم دیا۔

---

1 : ابن جریر، تفسیر طبری، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، ص: 552، 1994ء

2 : سورہ المائدہ: 35/5

3 : تفسیر طبری، ص: 113

4 : عمر بن کثیر، اسماعیل، ابو الفداء، تفسیر ابن کثیر، دار طیبہ، ج 3، ص 113، 1999ء

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ [1]

ترجمہ: اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں :

عنی بہ جهاد الكفار

کہ اس سے مراد کفار کے ساتھ جہاد ہے۔

قرآن کریم کی کئی دیگر آیات میں جہاد کے واضح احکام سے اس کی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ [2]

ترجمہ : اللہ کو تو پسند وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا کہ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

اس آیت کریمہ میں پیدل جہاد کرنے والوں کی تعریف و فضیلت بیان کی گئی ہے امام قرطبی رقمطراز ہیں:

ليدل على أن القتال راجلا أحبّ إليه من القتال فارسًا لأن الفرسان لا يصطفون و إنما تصطفّ الرجالة[3]

اس بات پر دلالت کرنے کے لئے کہ پیدل جہاد سوار جہاد سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ پسندیدہ ہے کیونکہ سوار تو صفیں نہیں بناتے، صفیں تو پیدل مجاہدین بناتے ہیں۔

جب کہ ابن عاشورؒ[4] کہتے ہیں کہ اس سے مراد دونوں صورتیں ہیں چاہے پیدل جہاد ہو یا سوار کیونکہ دونوں ہی صفیں بناتے ہیں:

---

1 : سورۃ الحج 78/22

2 : سورۃ الصف 4/61

3 : قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، ج7، ص 551، 1964ء

4 : ابن عاشور، محمد طاہر عاشور 1296 ہجری میں تیونس میں پیدا ہوئے۔ چالیس سے زائد کتب کے مؤلف ہوئے۔ 1993ء میں وفات پائی۔ (دیکھیے ! الشیخ محمد بن طاہر بن عاشور وقضایا الاصلاح فی الفکر الاسلامی المعاصر، ڈاکٹر فتحی حسن ملکاوی)

وصف الجيش في ميدان القتـــــال بالجيش إذا حضر القتال كان صفّاً من رَجَّالة أو فــرسان [1]

اور میدان میں لشکر کا لشکر کے سامنے آکر جنگ کے لئے صف بندی کرنا چاہے وہ صف پیدل (مجاہدین کی) ہو یا سوار کی۔

جہاد کی حقیقت کو یہ آیت بجا طور پر کھول کے بیان کرتی ہے:

﴿إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ [2]

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں سے ان کے نفس اور ان کے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں وہ اللہ کی راہ میں لڑتے اور مارتے اور مرتے ہیں۔

جہاد کی اہمیت از روئے حدیث

احادیث مبارکہ میں بھی جہاد کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت سے ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَغُدْوَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ رَوْحَـــةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَـــا فِيْهَا)) [3]

ایک دفعہ صبح کو اللہ کے راستے میں نکلنا یا ایک شام کو نکلنا دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔

حضرت عبد اللہ بن جبیر سے روایت ہے:

((مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٌ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ فَتَمَسّه النَّارُ)) [4]

ایسا نہیں ہو گا کہ جس بندے کے قدموں پر اللہ تعالیٰ کے راستوں کی گرد پڑی ہو پھر اس کو دوزخ کی آگ چھولے۔

---

1 : الامام، محمد الطاهر، ابن عاشور، تفسیر التحریر والتنویر، دار سحنون للنشر والتوزیع، تونس، ج28، ص 551، 1997ء

2: سورۃ التوبہ 111/9

3: ابو عبد اللہ، محمد بن اسماعیل، الصحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الغدوۃ والروحۃ فی سبیل اللہ، حدیث نمبر 2639

4: ایضاً، باب من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ، حدیث نمبر: 2811

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ)) [1]

اللہ کی راہ میں شہید ہونا ہر چیز کا کفارہ ہے سوائے قرض کے۔

اس حدیث پاک اور صحیح مسلم اور ابن ماجہ کی ایک حدیث میں بظاہر اختلاف نظر آتا ہے لیکن آئمہ حدیث اور شارحین نے ان میں تطبیق قائم کی ہے۔ ابن ماجہ کی روایت کو تو محدثین نے ضعیف قرار دے کر قابل اعتناء نہیں سمجھا جبکہ صحیح مسلم کی روایت قابل اعتناء ہے۔ ہم یہاں مسلم کی روایت کا متن تحریر کرتے ہیں اس کے بعد آئمہ کی آراء ذکر کریں گے۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

((عن ابن عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِي عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فُلَانٌ شَهِيدٌ حَتَّى مَرُّوا عَلَى رَجُلٍ فَقَالُوا فُلَانٌ شَهِيدٌ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا إِنِّي رَأَيْتُهُ فِي النَّارِ فِي بُرْدَةٍ غَلَّهَا أَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اذْهَبْ فَنَادِ فِي النَّاسِ أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَيْتُ أَلَا إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ إِلَّا الْمُؤْمِنُونَ)) [2]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مجھے عمر بن خطابؓ نے کہا: کہ جب غزوہ خیبر کا دن تھا تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور کہنے لگی: فلاں شہید ہے فلاں بھی شہید ہے، یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے فلاں شہید ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خبردار! میں نے اُسے ایک چادر یا عباء خرد برد کرنے کی وجہ سے جہنم میں دیکھا ہے"، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے ابن الخطاب! جاؤ اور لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ کہتے ہیں میں نکلا اور جا کر اعلان کر دیا کہ خبردار (اے لوگو) جنت میں صرف اہل ایمان ہی جائیں گے"۔

1: القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح المسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الجهاد، ج3، ص1502، حدیث نمبر: 1886

2: ایضاً، حدیث نمبر: 114

شارحین حدیث علماء کے نزدیک ان دونوں احادیث میں کوئی اختلاف نہیں، لہذا امام نوویؒ فرماتے ہیں:

قَوْله صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : '' إِلَّا الدَّيْن '' فِيهِ تَنْبِيه عَلَى جَمِيع حُقُوق الْآدَمِيِّينَ وَأَنَّ الْجِهَاد وَالشَّهَادَة وَغَيْرهمَا مِنْ أَعْمَال الْبِرّ لَا يُكَفِّر حُقُوق الْآدَمِيِّينَ وَإِنَّمَا يُكَفِّر حُقُوق اللَّه تَعَالَى[1]

امام نووی فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے فرمان ''الا الدّین'' میں تمام آدمیوں کے حقوق پر تنبیہ کی گئی ہے۔ اور یہ کہ جہاد اور شہادت وغیرہ لوگوں کے حقوق کا کفارہ نہیں بن سکتے۔ یہ چیزیں صرف حقوق اللہ کا کفارہ بنتی ہیں۔

اور امام ابن حجرؒ رقمطراز ہیں:

وقال الحافظ ابن حجر رحمه الله فَإِنَّهُ يُسْتَفَاد مِنْهُ أَنَّ الشَّهَادَة لَا تُكَفِّر التَّبِعَات وَحُصُول التَّبِعَات لَا يَمْنَع حُصُول دَرَجَة الشَّهَادَة[2]

اور امام حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ شہادت حقوق العباد کو ختم نہیں کرتی اور (شہید کے ذمے) حقوق کا ثابت ہونا شہادت کے درجات کے حصول میں مانع نہیں ہے۔

عبد الرحمن مبارکپوری لکھتے ہیں:

وقَالَ التُّورِبَشْتِيُّ أَرَادَ بِالدَّيْنِ هُنَا مَا يَتَعَلَّقُ بِذِمَّتِهِ مِنْ حُقُوقِ الْمُسْلِمِينَ إِذْ لَيْسَ المدين أَحَقَّ بِالْوَعِيدِ وَالْمُطَالَبَةِ مِنْهُ مِنْ الْجَانِي وَالْغَاصِبِ وَالْخَائِنِ وَالسَّارِقِ[3]

تورپشتی نے کہا کہ یہاں دَین سے مراد مسلمانوں کے حقوق ہیں کیونکہ مقروض، ظالم غاصب، خائن اور چور سے زیادہ وعید کا مستحق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مال غنیمت چونکہ حقوق العباد میں سے ہے جو کہ مالی حق ہے لہذا اس میں ملاوٹ یا خیانت ناقابل معافی قرار دیا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ شہادت مالی خیانت کے علاوہ تمام گناہوں کو دھوڈالتی ہے کیونکہ یہ حقوق العباد میں سے ہے۔

---

1 : نووی، یحیٰ ابن شرف، شرح صحیح مسلم، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ج13، ص29

2 : فتح الباری، ج 10، ص193

3 : مبارکپوری، عبد الرحمن، تحفۃ الأحوذی، دار الفکر، بیروت، لبنان، 5ج، ص302

فالشهادة لا تكفر الغلــول ؛ لأن الشهادة لا تكفر حقوق الآدميين، كما سبق[1]

محدثین کا کہنا یہ کہ دَین یعنی قرض سے مراد حقوق العباد ہیں وہ کسی بھی نوعیت کے ہوسکتے ہیں نہ کہ صرف مالی۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

إِذْ لَا دَلَالَةَ فِي الْحَدِيثِ عَلَى نَفْيِ شَهَادَتِهِ ، كَيْفَ وَقَدْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَخِدْمَةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، وَلَا يُشْتَرَطُ فِي الشَّهِيدِ أَلَّا يَكُونُ عَلَيْهِ ذَنْبٌ أَوْ دَيْنٌ بِالْإِجْمَــــــاعِ [2]

کہ حدیث میں شہادت کی نفی کی دلیل نہیں پائی جارہی یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ایک شخص جو اللہ کی راہ میں قتل ہوا اور رسول اکرم ﷺ کی خدمت کرتا رہا، اور شہید کے لئے یہ شرط نہیں کہ اُس پر کوئی گناہ یا قرض نہ ہو۔

مذکورہ بحث سے معلوم ہوا کہ ملاوٹ یا قرض اسے اُس مقام شہادت سے محروم کرسکتے ہیں جن تک اسے پہنچنا چاہیے لیکن اسے نفس شہادت اور اس کی فضیلت وثواب سے محروم نہیں کرسکتے۔

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

((وَالَّـــذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْزُو فَأُقْتَلُ ثُمَّ أَغْــزُو فَأُقْتَلُ))[3]

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے، میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کروں، پھر شہید کیا جاؤں، پھر جہاد کروں پھر شہید کیا جاؤں، پھر جہاد کروں پھر شہید کیا جاؤں۔

جب ایک مجاہد تلوار لے کر میدان میں اترتا ہے اور گرمی کی تپش اور برفانی علاقوں کی ٹھنڈک کی پرواہ کیے بغیر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس کو قیامت کے دن تلواروں کا سایہ دیتے ہیں۔

1: نووی، یحیٰ بن شرف، شرح صحیح مسلم، ج 13، ص29

2: القاری، ملا علی، مرقاۃ المفاتیح، دار الفکر، بیروت، لبنان، ج 6، ص 2583

3: صحیح البخاری، کتاب الامارۃ، باب فضل الجهاد، حدیث رقم:3484

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنة تَحْتَ ظِلاَلِ السَّیُوْفِ))[1]

جان لو جنت تلواروں کے سائے کے نیچے ہے۔

نیز فرمایا:

جو شخص توحید و رسالت پر راسخ ایمان کی وجہ سے خدا کی راہ میں نکلے گا، اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے کہ یا تو اسے شہید بنا کر جنت میں داخل کر دے یا ثواب اور مال غنیمت دے کر اسے واپس گھر پہنچائے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو زخم راہِ خدا میں لگے گا قیامت کے دن بالکل تر و تازہ ہو گا۔ اس کا رنگ سرخ مگر خوشبو مشک جیسی ہو گی۔

جہاد میں عدم شرکت پر وعید

جہاں ایک طرف جہاد میں شامل مجاہدین کی فضیلت اور اجر و ثواب کا ذکر فرمایا وہیں دوسری طرف جہاد میں شامل نہ ہونے یا جان بوجھ کر اُس سے پیچھے رہنے والوں کو سخت وعید بھی سنائی کہ ایسا کرنا دنیوی و اُخروی وبال اور عذاب و عقاب کا سبب بنتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

((مَن ماتَ ولم یغزُ ولم یحدّث نَفسَهُ بالغَزوِ ماتَ علَى شُعبةٍ من نفاقٍ))[2]

جو اس حال میں فوت ہوا کہ اس نے نہ جہاد کیا نہ ہی دل میں جہاد کی آرزو کی تو وہ نفاق کی ایک قسم پر فوت ہوا۔

اس حدیث نبوی سے معلوم ہوا کہ جہاد میں شرکت نہ کرنا نفاق کی علامتوں میں سے ہے اور مومن کو اس سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہیے۔

1: صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الجنۃ تحت بارقۃ السیوف، ج4، ص22، رقم الحدیث: 3818

2: صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب ذم من مات ولم یغز، حدیث نمبر 1910

بحری جہاد کی فضیلت

بری جہاد کی طرح بحری جہاد بھی دفاعی نکتہ نظر سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ خود آپ ﷺ کو بحری جہاد کی نوبت نہیں آئی۔۔ لیکن آپ ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ سے متعلق اپنے ارشادات میں بحر اور بحری جہاد کی اہمیت کے لحاظ سے خصوصی ترغیب دی ہے۔ جس کا اندازہ آپ ﷺ کے اس فرمان سے بخوبی لگا سکتے ہیں:

((أَنَّ رَسُــولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَــالَ غَزْوَةٌ فِي الْبَحْــرِ مِثْــلُ عَشْــرِغَزَوَاتٍ فِي الْبَــرِّ وَالَّذِي يَسْــدَرُ فِي الْبَــحْـــــرِ كَالْمُتَشَحِّطِ فِي دَمِــهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ سُبْحَانَـــــهُ))[1]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سمندر میں ایک جنگ کرنا خشکی میں دس جنگیں لڑنے کے برابر ہے۔ اور جس شخص کا (سمندری سفر کی وجہ سے) سمندر میں سر چکراتا ہے وہ اللہ پاک کی راہ میں اپنے خون سے آلودہ ہو کر تڑپنے والے کی طرح ہے۔

بحری مجاہدین کا مقام

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ اسلامی تعلیمات میں بحری جہاد کو خصوصی اہمیت و مقام حاصل ہے اسی بنیاد پر سمندر میں جہاد کرنے والے مجاہد کا بھی عظیم مقام و مرتبہ ہے۔ یہاں ہم اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ایک طویل روایت بلاکم و کاست نقل کر رہے ہیں جو صحابیہ حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا کے مقام و مرتبہ اور بحری جہاد کی فضیلت کو اجاگر کرتی ہے۔

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ إِلَى قُبَاءَ يَدْخُلُ عَلَى ام حرام رضی اللہ عنہا بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ ام حرام رضی اللہ عنہا بِنْتُ مِلْحَانَ تَحْتَ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَدَخَلَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا فَأَطْعَمَتْهُ وَجَلَسَتْ تَفْلِي رَأْسَهُ فَنَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ وَهُوَ يَضْحَكُ

1: ابن ماجہ، سنن، محمد بن یزید، کتاب الجهاد، باب فضائل غزو البحر، حدیث: 2777، دار السلام، ریاض، علامہ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیے: ضعیف سنن ابن ماجہ، محمد ناصر الدین الألباني، المكتب الإسلامي ـ بيروت الطبعة: الأولى سنة الطبع: 1408ھ، حدیث نمبر 555)

قَالَتْ فَقُلْتُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَرْكَبُونَ ثَبَجَ هَذَا الْبَحْرِ مُلُوكٌ عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلُ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ شَكَّ إِسْحَقُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ فَدَعَا لَهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَامَ وَقَالَ الْحَارِثُ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ فَضَحِكَ فَقُلْتُ لَهُ مَا يُضْحِكُكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ نَاسٌ مِنْ أُمَّتِي عُرِضُوا عَلَيَّ غُزَاةً فِي سَبِيلِ اللَّهِ مُلُوكٌ عَلَى الْأَسِرَّةِ أَوْ مِثْلُ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ كَمَا قَالَ فِي الْأَوَّلِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ ادْعُ اللَّهَ أَنْ يَجْعَلَنِي مِنْهُمْ قَالَ أَنْتِ مِنْ الْأَوَّلِينَ فَرَكِبَتْ الْبَحْرَ فِي زَمَانِ مُعَاوِيَةَ فَصُرِعَتْ عَنْ دَابَّتِهَا حِينَ خَرَجَتْ مِنْ الْبَحْرِ فَهَلَكَتْ))[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قباء کو جاتے تو حضرت ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا[2] کے پاس بھی جاتے تھے۔ وہ آپ کو کھانا کھلاتی تھیں۔ اور ام حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا حضرت عبادہ بن صامت[3] رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو کھانا کھلایا، پھر وہ بیٹھ کر آپ کے سر میں جوئیں تلاش کرنے لگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوگئے۔ پھر جاگے تو آپ ہنس رہے تھے۔ ام حرام رضی اللہ عنہا ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول! کون سی چیز آپ کو ہنسا رہی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''میری امت کے کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کو جاتے ہوئے مجھے دکھلائے گئے جو سمندر کی موجوں پر سوار جارہے تھے، جبکہ وہ تختوں پر بادشاہ بنے بیٹھے ہیں یا(یوں فرمایا:) جیسے تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہوتے ہیں ''۔ اسحاق (راوی) کو شک ہے۔میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں شامل فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوگئے۔

1: البخاري، الجامع الصحیح، باب الدعاء بالجهاد و الشهادة للرجال و النساء، حدیث نمبر 2789، ، دارالسلام، ریاض

2: ام حرام رضی اللہ عنہا بنت ملحان انصاریہ صحابیہ اور حضرت انس بن مالک کی خالہ ہیں۔28ہجری میں ایک سمندری سفر کے بعد خچر پر سے گر کر شہادت پائی۔ آپ کو پہلی بحری شہیدہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔(سیر اعلام النبلاء، ج 3، ص537)

3: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، صحابی رسول، قبیلہ خزرج سے تعلق تھا، بیعت عقبہ ثانیہ میں شامل ہوئے، مصر کی فتح میں بھی شامل تھے بلکہ حمص کے والی بھی رہے،34ہجری میں فلسطین رملہ میں وفات پائی۔ (الاصابہ، ج 1، ص85)

حارث (راوی) نے کہا: پھر آپ سوگئے، کچھ دیر بعد جاگے تو تبسم کناں تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کس وجہ سے تبسم فرمارہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری امت کے کچھ اور لوگ مجھ پر پیش کیے گئے جو اللہ کے راستے میں (سمندر پر سوار) جہاد کو جارہے ہیں جو تختوں پر بادشاہ بیٹھے ہیں"۔ جیسے آپ ﷺ نے پہلے فرمایا تھا۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! دعا کریں، اللہ تعالیٰ مجھے ان میں شامل فرمائے، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم پہلے لشکر میں شامل ہوگی"۔ (آپ ﷺ کی اس پیش گوئی کے مطابق) وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں سمندری جہاد میں (اپنے خاوند محترم کے ساتھ) گئیں۔ جب وہ سمندر سے نکلیں تو اپنے سواری کے جانور سے گر پڑیں اور اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

اس حدیث میں جزیرہ قبرص کی طرف اشارہ ہے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتح ہوا، جب وہ شام کے گورنر تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہلے عظیم اسلامی بحری بیڑے کی تیاری کی توفیق ملی۔ حالانکہ اس سے قبل مسلمانوں کو کوئی کشتی تک میسر نہ تھی اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی فوجوں کی بحری کمان سنبھالتے ہوئے جزیرہ قبرص کی طرف بحری سفر اختیار کیا جو اسلامی تاریخ میں پہلا بحری جہاد تھا۔ جس کے نتیجے میں قبرص فتح ہوا۔ اور بعد میں ہونیوالی بحری فتوحات کی بنیادیں رکھی گئیں۔ اور نبی کریم ﷺ کے مبارک منہ کی وہ بات پوری ہوئی جو آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ دین اسلام غالب آئے گا یہاں تک کہ سمندر پار کی دنیاؤں میں بھی اس کا پیغام پہنچے گا۔ اور مسلمان فوج کے دستے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے سمندروں کو بھی چیر جائیں گے۔[1]

یہ پیشگوئی اس شان کے ساتھ جلوہ گر ہوئی کہ اس زمانہ کی زبردست ایرانی اور رومی بحری قوتوں کے مقابل پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں مسلمانوں نے اپنی بحری قوت کالوہا منوایا اور عبد اللہ بن سعد بن ابی

1: علاؤالدین، علی متقی، علامہ، (ترجمہ مفتی احسان اللہ شائق) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، جلد10، ص:212، دارالاشاعت اردو بازار، کراچی۔2009ء

سرح [1] کی سرکردگی میں اسلامی بحری بیڑے نے بحیرہ روم کے پانیوں میں اپنی دھاک بٹھاکر اسلامی حکومت کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔

چنانچہ فتح قبرص کے بعد کی اسلامی مہمات میں جہاں مسلمان ایک طرف بحیرہ احمر کے اس پار پہنچے تو دوسری طرف مسلمان فاتحین نے بحیرہ روم کو عبور کرکے جزیرہ رُوڈس، صقلیہ اور قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ تیسری طرف طارق بن زیادہ فاتح سپین نے بحیرہ روم کو چیرتے ہوئے بحراوقیانوس کے کنارے جبرالٹر [2] پر پہنچ کر ہرچہ بادا باد کہہ کر اپنے سفینے جلا دئے۔ تو چوتھی طرف محمد بن قاسم [3] نے بحیرہ عرب اور بحرہند کے سینے چیر ڈالے اور یوں مسلمانوں نے جریدہ عالم پر بحری دنیا میں بلحاظ سمندری علوم اتنی ترقی کی اور بلحاظِ صنعت جہازرانی اتنے انمٹ نقوش ثبت کئے جو رہتی دنیا تک یاد رہیں گے۔ نئی بندرگاہیں تعمیر ہوئیں، جہاز سازی کے کارخانے بنے، بحری راستوں کی نشاندہی اور سمندروں کی پیمائش کے اصول وضع ہوئے۔ اور مسلمان سمندروں پر بھی حکومت کرنے لگے اور رسول خدا ﷺ کے رؤیا وکشوف کمال شان کے ساتھ پورے ہوئے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحری شہید کی خاص فضیلت بیان فرمائی ہے ایک روایت ہم ابتداء میں ذکر کرچکے ہیں اسی کی تائید میں ایک اور روایت یہاں ذکر کرتے ہیں جس سے بحری مجاہد کا مقام ومرتبہ مزید واضح ہوگا:

((عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ يَقُولُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ شَهِيدُ الْبَحْرِ مِثْلُ شَهِيدَيْ الْبَرِّ وَالْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ كَالْمُتَشَحِّطِ فِي دَمِهِ فِي الْبَرِّ وَمَا بَيْنَ الْمَوْجَتَيْنِ كَقَاطِعِ الدُّنْيَا فِي طَاعَةِ اللَّهِ وَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ وَكَّلَ مَلَكَ الْمَوْتِ

---

1 : عبداللہ بن ابی سرح بن سعد العامری، صحابی رسول ہیں، مرتد بھی ہوئے لیکن بعد ازاں دوبارہ اسلام قبول کرلیا۔ مسئلہ تحکیم میں کسی کا ساتھ نہ دیا، نہ کسی کی بیعت کی بلکہ فتنہ سے علیحدگی اختیار کی اور افریقہ کی جنگ میں شامل ہوئے (طبقات ابن سعد، ج 7، ص496)

2 : جبرالٹر جزیرہ نما آئبیرھیا کے انتہائی جنوب میں برطانیہ کے زیرقبضہ علاقہ ہے جو آبنائے جبل الطارق کے ساتھ واقع ہے۔ جبرالٹر کی سرحدیں شمال میں اندلس سے ملتی ہیں۔ جبرالٹر تاریخی طور پر برطانوی افواج کے لئے انتہائی اہم مقام ہے اور یہاں برطانوی بحریہ کی بسد قائم ہے۔ جبرالٹر عربی نام جبل الطارق سے ماخوذ ہے جو بنو امیہ کے ایک جرنیل طارق بن زیاد کے نام پر جبل الطارق کہلایا جنہوں نے 711ء میں اندلس میں فتوحات حاصل کرنے کے بعد یہاں مسلم اقتدار کی بناء رکھی تھی۔

3 : محمد بن قاسم بن حکم الثقفی، عظیم سپہ سالار، فاتح سندھ، 24سال سے بھی کم عمر میں 95ہجری میں وفات پائی۔ (وفیات الاعیان، ابن خلکان، ج1، ص341)

بِقَبْضِ الْأَرْوَاحِ إِلَّا شَهِيدَ الْبَحْرِ فَإِنَّهُ يَتَوَلَّى قَبْضَ أَرْوَاحِهِمْ وَيَغْفِرُ لِشَهِيدِ الْبَرِّ الذُّنُوبَ كُلَّهَا إِلَّا الدَّيْنَ وَلِشَهِيدِ الْبَحْرِ الذُّنُوبَ وَالدَّيْنَ))[1]

حضرت سلیم بن عامر رضی اللہ عنہ [2] حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ [3] سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرمارہے تھے: سمندر کا شہید خشکی کے دوشہیدوں کے برابر ہے۔ اور سمندر (کے سفر) میں جس کا سر چکراتا ہے وہ خشکی میں اپنے خون سے آلودہ ہو کر تڑپنے والے کی طرح ہے اور دو موجوں کے درمیان (کا فاصلہ طے کرنے والا) ایسے ہے جیسے اللہ کی راہ میں ساری دنیا کا فاصلہ طے کرنے والا۔ اللہ تعالی نے موت کے فرشتے کو روحیں قبض کرنے پر مقرر کیا ہے سوائے سمندر کے شہید کے، ان کی روحیں اللہ تعالی خود قبض کرتا ہے۔ وہ خشکی کے شہید کے سارے گناہ بخش دیتا ہے سوائے قرض کے اور سمندر کے شہید کے گناہ بھی بخش دیتا ہے اور قرض بھی۔

ابن نحاس نے بحری جہاد کی فضیلت پہ مستقل باب باندھا اور صحیحین اور ابن ماجہ کی مذکورہ احادیث ذکر کرنے کے بعد تبصرہ کیا ہے کہ:

وَاعْلم أن لِغَزو البَحْر فَضَائل ليست لغزو البر. منها أن شَهِيْدَ البَحْرِ أَفْضل عَلى الإطلاقِ مِنْ شَهِيدِ البــر[4]

اور جان لو کہ بحری جہاد کے وہ فضائل ہیں جو بری کے نہیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ بحری شہید علی الاطلاق افضل ہے۔ اور یہ کہ بحری جہاد میں ایک غزوہ خشکی کے دس غزوات سے افضل ہے۔

اس سے یہ بات پوری تائید و قوت کے ساتھ ثابت ہوئی کہ بحری جہاد خشکی پر جہاد سے افضل ہے۔

1: ابن ماجہ، سنن، محمد بن یزید، کتاب الجہاد، باب فضائل غزو البحر، حدیث رقم: 2778، ابن ماجہ کی روایت اگرچہ ضعیف ہے لیکن حسب ذیل روایت جو کہ امام بخاری کی شرط پر ہے اس کی تائید کرتی ہے۔

2: سلیم بن عامر الکلاعی الخبائری الحمصی، بعض نے آپ کو صحابی لکھا ہے جبکہ بعض نے تابعی۔ (الجرح و التعدیل للرازی، ج 4، ص 211)

3: ابو امامہ الباہلی، صحابی رسول، بیعت رضوان میں میں شامل تھے 86 ھجری میں عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت میں ملک شام میں وفات پائی۔ (سیر اعلام النبلاء، ج 3، ص 359)

4: ابن نحاس، اس حدیث کو ابن ماجہ کے علاوہ امام طبرانی اور امام حاکم نے روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث امام بخاری کی شرط پر ہے اور صحیح ہے اور امام ذہبی اور امام البانی نے بھی اسی کی موافقت اختیار کی ہے۔

ابن الأزرق نے اپنی "بدائع السلك فی طبائع الملك" میں بحری جہاد کے افضل ہونے کی علت یوں بیان کی ہے:

الجهاد البحري جهاد عظيم و عند الحنابلة أفضل من جهاد البر لتردده بين خطر الجهاد وخطر البحر مع عدم تمكنه من الفرار إلا مع أصحابه[1]

بحری جہاد عظیم جہاد ہے اور حنابلہ کے نزدیک یہ برّی جہاد سے افضل ہے کیونکہ اس میں خطرات زیادہ ہیں کہ سمندر میں مجاہد اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر اکیلے فرار نہیں ہو سکتا۔

جہاد کی اقسام

جہاد کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم سے جہاد کے دائرہ کار کی دو اہم صورتیں سامنے آتی ہیں:

- دفاعی جہاد
- اقدامی جہاد

دفاعی جہاد

دشمنان اسلام (کفار) جب مسلمانوں پر حملہ کر دیں یا تنگ کرنا شروع کر دیں یا انہیں دھونس و دھمکیوں کے ذریعے اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنے لگیں یا انہیں گھربار چھوڑ کر ہجرت کرنے پر مجبور کریں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگی اقدام (دفاعی جہاد) کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بلکہ حاکم وقت حکم عام بھی جاری کر سکتا ہے۔

فرمان حق تعالیٰ ہے:

﴿أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ﴾[2]

ترجمہ: اجازت دے دی گئی اُن لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، کیونکہ وہ مظلوم ہیں، اور

1: ابن الارزق، محمد بن علی بن محمد الأصبحی الأندلسی، أبو عبد الله، شمس الدین الغرناطی (المتوفى: 896ھ) بدائع السلک فی طبائع الملک، دار السلام للطباعہ والنشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، ج2، 2008ء

:2 سورة الحج 22/39-40

اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اِس قصور پر کہ وہ کہتے تھے "ہمارا رب اللہ ہے"۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

﴿أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ أَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَوْهُ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ۞ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۞﴾[1]

ترجمہ: کیا تم نہ لڑو گے ایسے لوگوں سے جو اپنے عہد توڑتے رہے ہیں اور جنہوں نے رسول کو ملک سے نکال دینے کا قصد کیا تھا اور زیادتی کی ابتدا کرنے والے وہی تھے؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ اگر تم مومن ہو تو اللہ اِس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو۔ ان سے لڑو، اللہ تمہارے ہاتھوں سے ان کو سزا دلوائے گا اور انہیں ذلیل و خوار کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا اور بہت سے مومنوں کے دل ٹھنڈے کرے گا۔

اقدامی جہاد

اشاعت دین حق کے سلسلے میں ایک ایسی رکاوٹ بھی ہے جس کا تعلق غیر مسلم طبقے سے ہے وہ یہ ہے کہ غیر مسلموں کے سامنے اسلام کو پیش نہ کرنے دیا جائے یا غیر مسلم لوگوں پر ایسا اجتماعی نظام مسلط رکھا جائے کہ جس کے ہوتے ہوئے انہیں اسلام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ گویا اسلام کے خلاف اتنا جارحانہ فعل نہیں ہے تاہم اشاعت دین کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے جسے بزور شمشیر ختم کیا جانا چاہیے۔ اس جہاد کو اقدامی جہاد کہا جائے گا۔

تاہم یہ بات سیرت و تاریخ سے ثابت ہے کہ اقدامی جہاد کا یہ مطلب نہیں کہ غیر مسلموں کو زبردستی اسلام لانے پر مجبور کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں قرآن مجید میں حکم فرما دیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَآ إِكْرَاهَ فِى الدِّينِ ﴾[2]

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔

گویا اقدامی جہاد دین اسلام کی اشاعت و توسیع کے لیے ہے، جس سے مقصود عادلانہ نظام کا قیام اور اس سلسلہ

1: سورۃالتوبہ 9/ 13-14

2: سورۃالبقرۃ 2/ 256

کی رکاوٹوں کو بزور ہٹانا ہے۔ اسلام کی اشاعت کا مطلب یہ نہیں کہ ایک قوم آقا بن کر دوسری قوم کو محکوم اور غلام بنانے کی مہم چلائے بلکہ اس کا مقصد صرف دین اسلام کی صداقتوں کی سیاسی بالا دستی کو تسلیم کرانا ہے جن پر کائنات کا عادلانہ نظام قائم ہے۔

علماء نے جہاد کی چار اقسام بیان کی ہیں چنانچہ علامہ ابن قیم الجوزیہؒ لکھتے ہیں:

فالجهادُ أربع مراتب جهادُ النفس جهادُ الشيطان جهادُ الكفار وجهاد أرباب الظلم والبدع والمنكرات[1]

جہاد کی چار اقسام ہیں: جہاد بالنفس، شیطان کے خلاف جہاد، کفار کے خلاف جہاد اور اہل ظلم وبدعت کے خلاف جہاد۔

یہ چار اقسام ذکر کرنے کے بعد ان پر تفصیلی بحث میں لکھتے ہیں کہ کفار کے ساتھ جہاد صرف جہاد بالسیف ہی ہے لہذا دیگر مراتب جہاد کا تعلق کفار کے ساتھ جہاد سے نہیں ہو گا بلکہ اہل فسق وفجور کے خلاف جہاد سے ہو گا۔

ایک شُبہ کا ازالہ

جہاد کے مراتب اور شرعی حکم کو سمجھنے میں بعض لوگ شدید غلط فہمی کا شکار ہوئے ہیں، جس کی بنیاد ایک ضعیف بلکہ موضوع حدیث ہے۔ ہم یہاں اس کا متن مع سند ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ محدثین کی جانب سے اس پر لگایا گیا حکم بھی بیان کریں گے تاکہ اسے حدیث نہ سمجھا جائے۔ جس کی بنیاد پر ان لوگوں نے جہاد سے پہلو تہی اختیار کی اور گھر بیٹھ رہنے کو ترجیح دی جبکہ جمہور علماء کے ہاں جسمانی طور پر میدان جہاد میں شامل ہونا ہی افضل و اعظم عمل ہے۔

امام بیہقیؒ نے کتاب الزھد میں نقل کیا ہے:

((أخبرنا علي بن أحمد بن عبدان حدثنا أحمد بن عبيد حدثنا تمتام حدثنا عيسى بن إبراهيم حدثنا يحيى بن يعلي عن ليث عن عطاء عن جابر قال قدم على رسول الله صلى الله عليه وسلم قوم غزاة فقال عليه السلام قدمتم خير مقدم من الجهاد

---

1 : ابن القیم، محمد بن أبي بكر بن أيوب ابن قیم الجوزیۃ زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، ج 3، ص9، 1998ء

الأصغـــــر إلى الجهاد الأكبـــــر، قيل وما الجهاد الأكبر قال مجاهدة العبـــــد هواه))[1]

رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ لوگ غزوہ سے واپس آئے تو آپ نے فرمایا: تمہارا آنا مبارک ہو، جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف۔ پوچھا گیا جہاد اکبر کیا ہے؟ فرمایا: بندے کا اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرنا۔

فقہاء اربعہ کے نزدیک جہاد کا حکم

فقہائے احناف کے نزدیک جہاد کا حکم

فقہائے احناف کے نزدیک جہاد کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ۔ فقہ حنفی میں اسلام کی تبلیغ کے لئے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا اور اسلام کی نشرواشاعت کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرنا فرض کفایہ ہے لیکن اگر کسی اسلامی ملک پر غیر مسلم حملہ کر دیں تو اس ملک کے مسلمانوں پر اپنے ملک کے دفاع کے لئے جہاد کرنا فرض عین ہو جائے گا اور اگر وہ اسلامی ملک اپنے دفاع کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اس کے قریب کے اسلامی ممالک پر اس ملک کے دفاع کے لئے جہاد کرنا فرض عین ہو جائے گا۔ اور اگر پڑوسی ملک سے بھی دفاع پورا نہ ہو رہا ہو یا وہ جہاد کے فریضہ کو پورا نہ کر رہا ہو تو دیگر اسلامی ممالک کیلئے مظلومین و مستضعفین کی مدد کرنا فرض ہو گا۔ جیسا کہ حکم خداوندی:

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ ----- ﴾[2]

سے مستنبط ہوتا ہے۔

شمس الائمہ امام سرخسیؒ نے اسی نکتہ کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

---

1 : بیہقی، کتاب الزہد، اس حدیث کو امام نسائی نے کتاب الکنیٰ، خطیب بغدادی نے تاریخ میں اور ابو بکر الشافعیؒ نے الفوائد المنتقاۃ میں نقل کیا ہے۔ اور اکثر ائمہ حدیث نے اسے بے اصل و من گھڑت قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے ضعیف کہا ہے۔ (دیکھیے: السلسلة الضعيفة للالبانی حدیث نمبر 2460، مجموعہ فتاوی ابن عثیمین، ج27، ص498، تخـــریج الکشـــــاف، ج2، ص395، ابن تیمیہ، مجموع الفتاوي، ج 11، ص197)

2 : سورۃ نساء 4/75

جہاد کی دو قسمیں ہیں، پہلی قسم فرض عین ہے جب ایک مسلمان حکومت غیر مسلم حکومت پر حملہ کرنے کا عام حکم دے تو ہر شخص پر اپنی استطاعت کے مطابق جہاد فرض عین ہے۔اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾[1]

ترجمہ: نکلو، خواہ ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ، یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانو۔

دوسری قسم فرض کفایہ ہے جس میں بعض مسلمانوں کے جہاد کرنے سے باقی مسلمانوں سے جہاد ساقط ہو جاتا ہے (اختیاری رہ جاتا ہے) کیونکہ صرف ان کے جہاد کی وجہ سے غیر مسلم رک گئے اور مسلمانوں کا غلبہ تسلیم کر لیا گیا اور مقصود جہاد حاصل ہو گیا۔

علامہ کاسانیؒ اسی نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جب جہاد کے لئے عام حکم دیا جائے جس وقت ظالم دشمن مسلمانوں کے کسی شہر پر حملہ کر دے تو پھر جہاد فرض عین ہے اور ہر مسلمان پر جہاد کرنا فرض عین ہو جاتا ہے بشرطیکہ وہ مسلمان جسمانی طور پر جہاد پر قادر ہو۔[2]

علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں:

جب جہاد کے لئے روانہ ہونے کا بگل بج جائے تو جو لوگ دشمن کے قریب ہوں اور جہاد کرنے کی طاقت رکھتے ہوں ان پر جہاد کے لئے روانہ ہونا فرض عین ہے اور جو لوگ دور ہوں ان پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ لیکن اگر ان کی ضرورت پڑ جائے بایں طور کہ قریب والے مسلمان دشمن سے مقابلہ میں کمزور پڑ جائیں یا وہ سستی کی وجہ سے جہاد نہ کریں تو پھر ان دور والے مسلمانوں پر نماز اور روزے کی طرح جہاد فرض عین ہو گا۔[3]

---

1 : سورۃ التوبہ 9/41

2 : الکاسانی، البدائع والصنائع، ج7، ص 192

3 : ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد حنفی، فتح القدیر، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ج5، ص192

فقہائے مالکیہ کے نزدیک جہاد کا حکم

جہاد سے متعلق فقہائے مالکیہ کا موقف فقہائے احناف کے موقف کے قریب تر ہے۔ ان کے ہاں بھی جہاد کی دو قسمیں ہیں اور جہاد کے فرض عین ہونے کے لئے تقریباً وہی شرائط ہیں جو احناف نے بیان کی ہیں صرف انداز بیان کا فرق ہے۔

علامہ وشتانی مالکیؒ نے لکھا ہے:

> جہاد فرض عین بھی ہے اور فرض کفایہ بھی۔ اگر دشمن اسلام، اسلامی ملک پر حملہ کر دے تو جو مسلمان دشمن اسلام کے قریب اور جہاد پر قادر ہوں ان پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔ اور جو مسلمان دور ہوں ان پر جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اسی طرح اگر کسی علاقہ کے مسلمانوں پر غیر مسلم دشمن حملہ کرے اور وہ اس سے دفاع کی طاقت نہ رکھتے ہوں تو پھر بھی ان کے قریب مسلمانوں پر جہاد کرنا فرض عین ہے۔[1]

فقہائے شافعیہ کے نزدیک جہاد کا حکم

علامہ یحیٰ بن شرف نوویؒ شافعی کہتے ہیں کہ:

> جہاد کی دو قسمیں ہیں، فرض عین اور فرض کفایہ۔ ایک یہ کہ کفار نے ابھی مسلمانوں پر حملہ نہ کیا ہو تو اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان بھی جہاد نہ کرے تو وہ تمام مسلمان گناہ گار ہوں گے جن کو جہاد نہ کرنے کا کوئی عذر نہیں ہے لیکن اگر وہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور حکومت کی طرف سے نفر عام کا حکم ہو تو پھر ہر ایک پر وطن کا دفاع فرض ہے اور جہاد فرض عین ہو جاتا ہے۔[2]

ابن نحاس شافعی لکھتے ہیں کہ: کفار کے ملک میں اُن سے جہاد کرنا باتفاق علماء فرض کفایہ ہے[3]

---

1 : ابوعبداللہ محمد بن خلفہ، الوشتانی، الابی، المالکی، اکمال الکمال المعلم (شرح صحیح مسلم) جلد 5، ص 44، ناشر دار الکتب العلمیہ بیروت، اشاعت 2008ء

2 : یحیٰ بن شرف نووی شافعی، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، جلد 10، ص 408، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، 1405 ہجری

3 : ابن نحاس، احمد بن ابراہیم بن محمد الدمشقی الدمیاطی، مشـــارع الاشواق الی مصـــارع العشاق، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت لبنان، ص 98، 2008ء

اس سے پتہ چلتا ہے کہ فقہائے شوافع کے نزدیک جہاد اس وقت فرض عین ہو جاتا ہے جب کفار مسلمانوں کے شہروں کو روند رہے ہوں یا مسلمانوں پر حملہ کرنے کے قصد سے مسلمانوں کے شہروں کی سرحدوں پر جمع ہو جائیں، اس وقت ان سے جہاد کرنا فرض عین ہے۔ بصورت دیگر جہاد فرض کفایہ ہی ہے۔

فقہائے حنابلہ اور حکم جہاد

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

عام حالات میں جہاد کرنا فرض کفایہ ہے اور حسب ذیل صورتوں میں جہاد کرنا فرض عین ہے:

1. جب جنگ ہو رہی ہو اور دونوں طرف سے فوجیں صف آراء ہوں تو پھر مسلمانوں کا جنگ سے بھاگنا اور پیٹھ دکھانا حرام ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴾ [1]

ترجمہ: اے ایمان لانے والو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہو گی۔

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ، وَمَن يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ [2]

ترجمہ: اے ایمان لانے والو، جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلہ میں پیٹھ نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پیٹھ پھیری، الا یہ کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دُوسری فوج سے جا ملنے کے لئے، تو وہ اللہ کے غضب میں گھر جائے گا، اُس کا ٹھکانہ جہنم ہو گا، اور وہ بہت بُری جائے بازگشت ہے۔

1: سورۃ الانفال 10/45

2: سورۃ الانفال 10/15,16

2. إذا نـــزلَ الكفـــــار بِبَلد تعين عـــــلى أهْلِـــــه قتـــالهم و دفعهم[1]

جب مسلمانوں کے کسی شہر پر کفار حملہ آور ہوں تو اس شہر کے مسلمانوں پر ان سے جنگ کرنا اور ان کا بھگانا فرض عین ہے۔

3. جب امام یا امیر مملکت کسی قوم کو جہاد کے لئے بلائے تو ان پر جہاد کے لئے جانا فرض عین ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ﴾ [2]

ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین سے چمٹ کر رہ گئے؟ کیا تم نے آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی زندگی کو پسند کر لیا؟ ایسا ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ دنیوی زندگی کا یہ سب سر و سامان آخرت میں بہت تھوڑا نکلے گا۔

اس تیسری حالت میں جہاد فرض عین ہے اور ہر مسلمان پر جہاد کے لئے جانا فرض ہے۔ آپ ﷺ نے بھی اسی تیسری صورتحال جہاد کے فرض عین ہونے کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

((اذا استنفـــرتـــم فـــانفـروا)) [3]

جب تم کو جہاد کے لئے طلب کیا جائے تو فوراً چلے آؤ

معاصر فقیہ علامہ ابن عثیمینؒ کے نزدیک بھی جہاد کا شرعی حکم دو اعتبار پر ہے ایک فرض کفایہ اور دوسرا واجب و فرض عین۔ علامہ موصوف نے جہاد کے واجب ہونے کی چار صورتیں درج کی ہیں:

1: ابن قدامہ المقدسی، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ج 8، ص 346، 1405ھ

2: سورۃالتوبہ 9/38

3: الصحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب لا ھجرۃ بعد الفتح، حدیث نمبر:3077۔(تفصیل کیلئے دیکھئے: موفق الدین، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی، ت620ھ، المغنی، جلد9، ص163، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1405ھ)

ويكون جهاد الكفار باليد واجباً متعيناً في أربع حالات هي إذا حضر المسلم الجهاد إذا حضر العدو وحاصر البلد إذا استنفر الإمام الرعية يجب عليها أن تنفر إذا احتيج إلى ذلك الشخص ولا يسد أحد مسدَّه إلا هو[1]

کفار کے ساتھ ہاتھ سے جہاد کرنا چار حالتوں میں واجب ہے:

- ✓ جب مسلمان جہاد میں شامل ہو چکا ہو۔
- ✓ جب دشمن نے آکر مسلمانوں کے ملک کا محاصرہ کر لیا ہو۔
- ✓ جب حاکم وقت نے عوام کو جہاد کے لئے بلایا ہو۔
- ✓ جب اُس شخص کی ضرورت ہو اور اُس کے علاوہ کوئی دوسرا اُس کا قائم مقام نہ ہو سکتا ہو۔

مذکورہ بالا آراء و دلائل سے یہ بات واضح ہوئی کہ شرعی حکم کے لحاظ سے جہاد کی فقط دو ہی صورتیں ہیں۔ فرض عین اور فرض کفایہ۔ ہر ایک کا اطلاق حالات و واقعات کی مناسبت سے ہو گا۔ جیسا کہ شیخ ابن عثیمینؒ کی رائے سے واضح ہو رہا ہے۔

مشروعیت جہاد کی علت

مذکورہ بالا بحث اور فقہاء کی آراء سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جہاد کو محض جنگ و جدال کی خاطر مشروع نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس سے اعلائے کلمۃ اللہ، دین کی سرفرازی اور ظلم و عدوان اور فتنہ و شر کے خاتمے اور مفسدین کے قلع قمع کے لئے جہاد کو نہ صرف مشروع کیا بلکہ اُس پر مجاہدین کو عظیم اجر و ثواب کی نوید بھی سنائی۔

اب ہم مقاصد جہاد ذکر کریں گے جس سے اس علت کو مزید واضح انداز میں سمجھنے کا موقع میسر آئے گا۔

مقاصد جہاد

اسلام دین امن و سلامتی ہے۔ دنیا کے اندر انتشار و فساد اور قتل و غارت کا قطعی طور پر قائل نہیں۔ کسی بھی طور بلاوجہ جنگ و جدال کی اجازت نہیں دیتا جن صورتوں میں جہاد کی اجازت دی گئی ہے وہ مقاصد کے ساتھ منسلک ہیں۔ قرآن مجید نے جہاد (قتال) کے کئی مقاصد کا ذکر کیا ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

---

1 : ابن عثیمین، محمد بن صالح بن محمد العثیمین الشرح الممتع علی زاد المستقنع، دار ابن الجوزی، طبعۃ اولیٰ، ج 8، ص10، 1422ھ

دعوت اسلام کی حفاظت و مدافعت

اگر دعوت اسلام میں کوئی اس طریقہ سے رکاوٹ پیدا کرے کہ جو شخص ایمان لائے اس کو طرح طرح کی تکالیف پہنچا کر ابتلاء و امتحان میں ڈالے تاکہ اس نے اپنے لئے جس عقیدہ کو پسند کیا ہے اس سے پلٹ جائے یا جو شخص اسلام لانا چاہتا ہے اس کو اسلام سے روک دے یا کسی داعی اسلام کو تبلیغ دعوت سے باز رکھے تو ان صورتوں میں دعوت اسلام کی مدافعت و حفاظت کی جائے۔

فتنے کا خاتمہ

جب تک دنیا کے کسی خطے میں کفار کے پاس وہ طاقت و شوکت موجود ہو جس سے وہ مسلمانوں کو کسی فتنہ میں مبتلا کر سکتے ہوں، اگر کوئی ایمان لانا چاہتا ہو تو ان کی سزا اور تکلیف کے خوف سے ایمان لانے سے ڈرتا ہو اور کوئی ایمان لے آئے تو اسے ان کے ظلم و تشدد کا نشانہ بننا پڑتا ہو، اس وقت تک ان سے لڑنا فرض ہے تاکہ اسلام لانے کی راہ کی ہر رکاوٹ (فتنہ) ختم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ [1]

ترجمہ: تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ باز آ جائیں، تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی روا نہیں۔

غلبۂ اسلام

جب تک دنیا میں اسلام غالب نہ ہو جائے اور ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ نہ ہو جائے۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [2]

ترجمہ: اے ایمان لانے والو، ان کافروں سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ فتنہ سے رُک جائیں تو ان کے اعمال کا دیکھنے والا اللہ ہے۔

ابن جریر طبریؒ کہتے ہیں:

1: سورۃ البقرہ 193/2

2: سورۃ الانفال 39/10

فَقَـاتلوهم حتى لا يكون شرك، ولا يعبد إلا الله وحده لا شريك له, فيرتفع البلاء عن عباد الله من الأرض[1]

ان سے جہاد کرو یہاں تک کہ شرک ختم ہو جائے، اور ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے جس کا کوئی شریک نہیں۔ اور روئے زمین پر اللہ کے بندوں سے مصیبت ختم ہو جائے۔

کمزوروں کی مدد

جب تک دنیا کے کسی خطے میں کمزوروں پر ظلم ہو رہا ہو انہیں ظالم سے نجات دلانے تک لڑتے رہنا فرض ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَّنَا مِن لَّدُنكَ نَصِيرًا﴾ [2]

ترجمہ: آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔

یہاں مظلوم مسلمانوں کو ظلم سے نجات نہ دلوانے پر فہمائش فرمائی ہے۔ امام بغویؒ فرماتے ہیں:

يعـــاتبهم على تـــرك الجهـــاد [3]

اللہ تعالیٰ نے جہاد ترک پر ان کی فہمائش کی ہے۔

دفاع کے لئے لڑنا

جب کوئی قوم مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو دفاع کے لئے لڑنا ضروری ہے۔

---

1 : تفسیر طبری، ص181

2 : سورۃ النساء 75/4

3 : بغوی، الامام ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، دار طیبہ، ریاض، ج2، ص90، 1989ء

ارشاد الٰہی ہے:

﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [1]

ترجمہ: اور تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں، مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

غزوہ خندق کے موقع پر جب کفار مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو لڑائی میں شامل ہوں کا حکم دیا اور غزوہ تبوک کے موقع پر دشمن کے حملہ آور ہونے کی خبر سنی تو نکلنے کے قابل تمام افراد کو سرزمین عرب سے باہر جاکر دشمن کے مقابلے کا حکم دیا حالانکہ اس وقت حالات بھی نہایت سخت تھے۔

مقبوضہ علاقہ چھڑوانا

اگر کفار مسلمانوں کی کسی جگہ پر قبضہ کرلیں تو انہیں وہاں سے نکالنا اور مسلمانوں کا قبضہ دوبارہ بحال کرنا فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِندَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِن قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴾ [2]

ترجمہ: ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا اُن سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے، اس لئے کہ قتل اگرچہ برا ہے، مگر فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں، تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ چُوکیں، تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔

1: سورۃ البقرۃ: 190/2

2: سورۃ البقرہ 191/2

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مسلمانوں کو اپنے علاقے آزاد کروانے کے لئے اُبھارا گیا ہے۔

لتكن همتكم منبعثة على قتالهم ، كما أن همتهم منبعثة على قتالكم[1]

کہ تمہیں بھی اُن کے خلاف جہاد پر ایسے ہی کمربستہ ہونا چاہیے جس طرح انہوں نے تمہارے خلاف محاذ آرائی کے لئے حوصلے بلند رکھے ہوئے ہیں۔

سورہ بقرہ میں طالوت کی قیادت میں بنی اسرائیل کی جس جنگ کا ذکر ہے وہ بھی مسلمانوں کے علاقے واپس لینے کے لئے لڑی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کا قول نقل کیا ہے:

﴿فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلَاقُو اللَّهِ كَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [2]

ترجمہ: پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے، تو اُنہوں نے طالوت سے کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن جو لوگ یہ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے، انہوں نے کہا: "بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ اللہ کے اذن سے ایک بڑے گروہ پر غالب آگیا ہے اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کی تعداد نہایت کم ہونے کے باوجود ان کی خاصی مدد فرمائی اور داوٗد علیہ السلام نے کفار کے سپہ سالار جالوت کو قتل کر دیا اور کفار کو شکست ہوئی۔ مکہ کی فتح میں کفار کے معاہدہ توڑنے کے ساتھ یہ بات بھی شامل تھی کہ انہوں نے مسلمانون کو سرزمین مکہ سے نکالا تھا۔[3]

1: تفسیر ابن کثیر ج1، ص30

2: سورۃ البقرہ 2/ 249

3: ابو بکر محمد بن ابی سہل، السرخسی (ت 183ھ) المبسوط، ج 10، ص114، دار المعرفۃ بیروت، 1989ء

فصل دوئم:

خلافت راشدہ میں بحری جہاد

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- تمہید
- خلافت راشدہ میں بحری قوت کے قیام کے محرکات واسباب
- خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بحری جہاد و تجارت
- عہد فاروقی میں بحری تجارت
- امیر معاویہ کا بحری حملے کی اجازت مانگنا
- بازنطینیوں کے خلاف بحری جہاد
- خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بحری جہاد و تجارت
- مصر میں مسلم بحریہ کا قیام
- عمرو بن العاص کی فتوحات اور بحریہ کی خدمات
- معرکہ ذات الصواری
- فتح شام اور ساحلوں کی حفاظت
- طرابلس کی فتح اور مسلم بحری قوت
- مسلم بحریہ قبل از فتح قبرص
- قبرص کی فتح کے بعد مسلم بحریہ کا استحکام

عہد خلافت راشدہ جو 11 ہجری تا 40 ہجری پر مشتمل 30 سالہ دور خیر القرون کے نام سے موسوم ہے، جس میں دین اسلام کی عظمت ورفعت کا پیام دلنشین خشکی کے راستوں سے ہوتا ہوا بحری فتوحات کے آغاز کے ساتھ افریقہ تک پہنچ گیا۔ خلافت راشدہ نے اسلامی ریاست کے استحکام، علوم کی نشر واشاعت اور اداروں کے قیام و تقسیم میں بنیادی اور کلیدی کردار ادا کیا۔ بالخصوص سیدنا عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں چونکہ اسلامی ریاست کی حدود ورقبہ میں توسیع ہوئی لہذا ضرورت اس امر کی تھی کہ سرحدوں کی حفاظت کو یقینی بنانے کے تمام طریقے زیر استعمال لائے جائیں۔

تاریخ کے سطحی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی زمانہ میں عرب بحری جہاد سے گریزاں تھے اور اس کے لئے بجٹ صرف کرنے کو سعی لاحاصل گردانا جاتا تھا۔ بری جنگ وجدال تو عربوں کی بالعموم اور مسلمانوں کی گھٹی میں بالخصوص داخل تھا اب وقت آ پہنچا تھا کہ مسلمان بحری طاقت و قوت کے ساتھ دنیا میں ابھریں اور وہ ممالک جن کو اپنی بحری قوت و جنگی حربوں پہ ناز تھا اُن کو نہ صرف منہ توڑ جواب دیا جائے بلکہ اُن کی چالوں سے مستقل چھٹکارا پانا ضروری تھا۔ ذیل میں ہم خلافت راشدہ میں بحری قوت کے قیام کے اسباب و محرکات کا جائزہ لیں گے۔

خلافت راشدہ میں بحری قوت کے قیام واستحکام کے اسباب و محرکات

خلافت راشدہ کی تاریخ اور بالخصوص اس عہد میں پیش آنے والے جنگی معرکوں کے مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس عہد میں بحریہ کے قیام اور اس کے استحکام کی تمام کوششوں کے محرکات حسب ذیل چار اہم امور پر مشتمل ہیں:

- دینی جذبہ اور بحری جہاد کی فضیلت
- بحری دفاعی حکمت عملی کا فقدان
- بلاد شام میں مسلمانوں کی آبادکاری
- بازنطینیوں کی بحری قوت کا ادراک

اب ہم ان چاروں نکات کو بالترتیب تفصیلاً زیر بحث لاتے ہیں۔

دینی جذبہ اور بحری جہاد کی فضیلت

جہاد عمومی طور پر مسلمانوں کیلئے باعث اجر وثواب اور مغفرت کا ذریعہ گردانا جاتا ہے۔ اور بالخصوص حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کو مخاطب کر کے بحری جہاد کا جو اجر وثواب بزبان نبوت بیان ہوا اس کے پیش نظر تمام مسلمان سمندری جہاد میں شریک ہونے کو مغفرت کا یقینی وسیلہ سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں سمندر میں سوار ہونے اور جہاد کرنے والے کیلئے جنت کو لازم قرار دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر کئی احادیث میں بحری جہاد کی فضیلت بیان کی گئی۔ لہٰذا یہ دینی

جذبہ بحریہ کے قیام کا ابتدائی محرک قرار دیا جاسکتا ہے۔

بحری دفاعی حکمت عملی کا فقدان

جب مسلمان شام و مصر کے بحری ساحلوں پر مصروف جہاد ہوئے تو انہیں اس بات کا اندازہ ہوا کہ ان کے ہاں ایسی کوئی حکمت عملی نہیں ہے جس سے سمندر میں موجود دشمن کو شکست دی جا سکے۔ کیونکہ ان ساحلوں پر مسلمانوں کا واسطہ جس دشمن سے تھا وہ مکمل طور پر بحری اسلحہ سے لیس، ہر طرح کی مہارت رکھنے والا تھا۔ لہٰذا مسلمان سپہ سالار حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بحری دفاعی حکمت عملی اپنانے کیلئے بحری بیڑے کے قیام کی اجازت مانگی، مگر حضرت عمرؓ نے سمندری جنگ کو خطرناک اور مشکل سمجھتے ہوئے شروع میں اجازت نہ دی۔ دوبارہ اجازت مانگنے پر آپ نے مشروط اجازت دی، جیسا کہ اگلے صفحات میں بیان ہوگا۔

بلاد شام میں مسلمانوں کی آبادکاری

بلاد شام اور مصر کے ساحلی علاقوں کی فتح کے بعد مسلمان باقاعدہ طور پر ان علاقوں میں آباد ہونا شروع ہوگئے۔ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم ذمیوں کو بھی خصوصی حکمت عملی کے تحت وہاں آباد کیا گیا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی تھی کہ جس طرح اسلامی ریاست کی "بری حدود" کا دفاع کیا جاتا ہے، اسی طرح "ساحلی علاقوں" کی حفاظت کا بھی بندوبست کیا جائے۔ اس کے پیش نظر عہد عثمانی میں باقاعدہ طور پر "مسلم بحریہ" کا قیام عمل میں آیا۔

بازنطینیوں کی بحری قوت کا ادراک

بحیرہ متوسط میں مسلمان مجاہدین کا واسطہ بزنطینی فوج سے پڑا جن کے پاس دیگر جنگی سازوسامان کے ساتھ ساتھ مضبوط بحری بیڑا بھی شامل تھا۔ اور بازنطینیوں کی مہارت مسلمانوں کیلئے دہری مشکل کا باعث بن رہی تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو احساس ہوا کہ نہ صرف "بحریہ" کا قیام عمل میں لایا جائے بلکہ اس کیلئے ہر ضروری قدم اٹھایا جائے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بحری جہاد

یوں تو اسلامی بحری بیڑے کا باقاعدہ آغاز خلیفہ سوئم حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت سے ہوا لیکن اس سے پہلے یہ ایک خطرناک کام سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں بھی بحری جہازوں کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے۔ جس کی تفصیلات و انتظامات پر اگرچہ تاریخ قدرے خاموش ہے، تاہم اس قدر معلومات ضرور ملتی ہیں کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے توجہ دلانے پر بارگاہ خلافت سے ایک جنگی بحری بیڑا تیار کرنے کا حکم صادر ہوا اور عبداللہ بن قیس حارثی [1] اس کے امیر البحر مقرر ہوئے۔

جب حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کو فتح کیا تو حضرت عمر فاروقؓ نے سمندر اور اس سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے بارے میں معلومات طلب فرمانے کیلئے ایک خط لکھا۔ جواب میں حضرت عمرو بن العاصؓ نے لکھا:

اعلم یا امیر المؤمنین أن البحر خلق عظیم یرکبه خلق ضعیف کدود علی عود[2]

اے امیر المؤمنین سمندر ایک عظیم تخلیق ہے، جس پر (انسان جیسی) کمزور مخلوق سوار ہے، (جیسے) کوئی کیڑا کسی درخت پر سوار ہو۔

تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جہاز رانی اور سمندر پہ سواری سے منع فرمادیا۔ آپ کا مقصد امت محمدیہ کو سمندری زندگی کی مشقّتوں اور تکالیف سے بچانا تھا۔ مگر مصر کے وہ باشندے جن کو ان کے آباء و اجداد بحری تجارت اور جہاز رانی ورثے میں دے گئے تھے، انہوں نے سمندر سے اپنا تعلق قائم رکھا اور اسکندریہ، یمن و بحیرہ ابیض تک اپنے کاروبار کو پہنچا دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حکم نامے کے باوجود بعض اکابر صحابہ رضی اللہ عنہمؓ (جن میں حضرت عرفجہ بن ہرثمہ الازدی رضی اللہ عنہ [3] (**امیر بجیلہ**) اور مسقط کے گورنر کے نام شامل تھے) نے بحری جہاد اور بحری تجارت سے مسلمانوں کو روکنا درست نہ سمجھا۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انہوں نے حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ کو تادیبی خط لکھا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بھی حکم دیا کہ میرے فرمان کی مخالفت پر حضرت عرفجہ رضی اللہ عنہ سے بازپرس کی جائے۔

صاحب "حقائق الاخبار عن دُول البحار" اس ضمن میں رقمطراز ہیں کہ:

و کان غرضه من ذلک عدم التعزیر بالعرب الذین دخلوا الاسلام حدیثا مخافة أن یتشتتوا فی البلاد و یبعودا عن مرکز الخلافة ولا یخفی ما ینالهم من ذلک من الضعف [4]

1: عبداللہ بن قیس حارثی، ابو بحریہ الشامی الحمصی، حضرت امیر معاویہ نے آپ کو شام کا امیر مقرر کیا۔ (التاریخ الاسلامی بترتیب السنین از عبدالسلام الترمانینی ج 2، ص601)

2: سرہنگ، اسماعیل، حقائق الاخبار عن دول البحار، ج1، ص10، مطبعہ امیریہ، مصر، 1316ھ

3: عرفجہ بن ہرثمہ الازدی البارقی، صحابی رسول اور بہت ساری اسلامی فتوحات میں بطور سپہ سالار شامل ہوئے۔ (دیکھیے الاعلام للزرکلی، ج8، ص82)

4: سرہنگ، اسماعیل، حقائق الاخبار عن دول البحار، ج1، ص10

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا سمندری سفر سے روکنے کا مقصد صرف اور صرف یہ تھا کہ عرب نو مسلم یہ نہ سمجھیں کہ وہ گھر سے بے گھر کر دیئے جائیں گے اور مرکز خلافت سے دور کر دیئے جائیں گے۔ کیونکہ (حضرت عمرؓ) پر بحری سفر کی مشکلات اور مصائب پوشیدہ نہیں تھے۔

یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع ملی کہ بعض اکابر مسلمین کے کشتی والوں (ملاحوں) سے تجارتی روابط ہیں اور انہوں نے سمندری سفر بھی شروع کر رکھے ہیں تو آپ نے سکوت و چشم پوشی فرمائی۔ ذیل میں عہد خلافت راشدہ میں بحری جہاد کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

مثال نمبر:1 سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے سن ۳۴ ہجری میں سو جنگی کشتیوں کے بیڑے کے ساتھ رومیوں پر حملہ کیا، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہمکنار فرمایا۔ جب حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ نے زمام خلافت سنبھالی تو مسلمانوں کے پاس چھوٹی جنگی کشتیاں تھیں جنہیں وہ بحری جنگی مقاصد کیلئے استعمال کرتے تھے۔ ان کشتیوں کے کپتان اور دیگر عملہ عیسائیوں پر مشتمل ہوتا تھا، اس لئے کہ مسلمان بحریات سے متعلق زیادہ واقفیت نہ رکھتے تھے۔[1] جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں دوبارہ زمام امارت سنبھالی تو مسلمانوں کو جہازرانی اور بحریات کے فن سے متعلق عام اجازت مل گئی۔ اس اذن عام کے بعد سفینہ سازی کے نئے باب کا آغاز ہو گیا۔

جہاز سازی کی صنعت میں عمال و کاریگر زیادہ تر عیسائی تھے، اس طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں بحری بیڑے کی تعداد 1700 تک پہنچ گئی، رفتہ رفتہ مسلمان کاری گروں نے فنِ سفینہ سازی میں دسترس و کمال حاصل کر لیا یہاں تک کہ ہر جہت سے انہوں نے بحری علوم و سفینہ سازی پر عبور حاصل کر لیا۔[2]

مثال نمبر:2 ضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ[3] کے دور سن ۴۷ھ میں ایک عظیم الشان بحری بیڑہ وجود میں آ چکا تھا، جس کے ذریعے روڈس پر حملہ کیا گیا اور مسلمانوں کو کامیابی ملی۔ اس کے متصل اگلے سال حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ عنہ

1: سرہنگ، اسماعیل، حقائق الاخبار عن دول البحار، ج1، ص21

2: ابن خلدون، عبد الرحمن، علامہ، جلد دوئم، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، 2003ء

3: عقبہ بن عامر الانصاری، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور قبیلہ بنو سلیم سے تعلق رکھتے تھے۔ بیعت عقبہ اولیٰ، غزوہ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ خوش الحان قاری قرآن، فقیہ اور علم فرائض میں دسترس رکھتے تھے۔ مرموقین کی فتح میں سپہ سالار کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی۔ اموی دور میں مصر کے گورنر رہے۔ (اسد الغابۃ، ابن اثیر، ج 4، ص52)

کے بحری بیڑے نے جزیرہ قبرص پر حملہ کیا۔[1] مسلمانوں کو بحری بیڑے کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سے متعلق جسٹس سید امیر علی کا کہنا ہے کہ: شام اور مصر کی فتح کے بعد وسیع ساحلی علاقہ عربوں کے قبضے میں آگیا تھا اور اس کی بندرگاہوں کو دشمن کی دسترس سے بچانے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے بحری بیڑے کا قیام انتہائی اہم ضرورت بن گیا تھا۔ اس لئے بحری بیڑے کی تیاری اور اس کے ساز و سامان پر زبردست توجہ دی گئی۔[2]

مثال نمبر:3 خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں بحیثیت گورنر شام خلیفہ وقت سے رومیوں کے خلاف بحری مہمات اور اسلامی بحری بیڑے کے قیام کی اجازت طلب کی تو انہوں نے اجازت مرحمت نہ فرمائی۔ سیدنا امیر معاویہؓ کا چونکہ زیادہ تر مقابلہ رومیوں کے ساتھ رہتا تھا جن کے پاس جنگی کشتیاں تھیں اس لئے وہ اس بات کی ضرورت محسوس کرتے تھے کہ ہم بھی اپنی بحری طاقت کو مستعد رکھیں اور سمندر میں ان کا مقابلہ کر سکیں اور ان کو اپنے سواحل پر فوجیں نہ اتارنے دیں۔ لیکن خلیفۂ وقت حضرت عمرؓ بحری جنگ کو مسلمانوں کے لئے ایک طرح کی تعزیر سمجھتے تھے، اس لئے گورنر شام حضرت امیر معاویہؓ کی درخواست منظور نہ کی اور یوں اس وقت اسلامی بحریہ کے قیام اور سمندری جنگ کی اجازت نہ ملی۔

کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آئندہ دو تین صدیوں میں اسلامی بحریہ بھی وجود میں آجائے گی اور پورے بحیرہ روم پر اسلامی بحریہ چھا جائے گی۔ وہ رومی جو گذشتہ کئی صدیوں سے اپنا تسلط جمائے ہوئے تھے ان کو سمندری حدود سے نکال باہر کریں گے اور اس وقت کی دنیا کی سب سے بڑی بحری قوت و طاقت بن کر سمندروں پر اپنا راج کرے گی۔ جس کا پھیلاؤ انڈونیشیا اور چین تک جا پہنچے گا۔

ابتداءً لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم رکھنے سے گھبراتے تھے۔ عرب جو صحرا نشیں تھے، جنہیں پینے کیلئے پانی مشکل سے ملتا تھا وہ تیرنے کی مہارتوں سے آگاہ ہوتے یا اُن سے استفادہ کرتے اس کا سوال ہی نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے قبل عربوں نے اس طرف توجہ نہ دی اور نہ ہی انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ جہازراں بنیں۔ لیکن جب اسلام نے اپنا قدم جزیرہ نمائے عرب سے باہر

1: کتب تاریخ میں قبرس اور قبرص دونوں لفظ استعمال ہوئے ہیں۔

2: نجیب آبادی، اکبر شاہ، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی کراچی، ص210، 1987ء

نکالا تو اسلامی لشکروں کو ایسے ملکوں پر یلغار کرنا تھی جو ساحل سمندر پر واقع تھے، اور ایسی ایسی طاقتیں بھی موجود تھیں جن پاس اپنے بحری بیڑے بھی تھے۔

مثال نمبر:4 چنانچہ ان اسفار میں سب سے پہلا سفر علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے کیا جو خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بحرین کے گورنر تھے۔ بحرین اور ایران کے درمیان خلیج فارس نامی سمندر موجزن تھا۔ چنانچہ علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے کشتیوں کا ایک بیڑا اتیار کیا اور ایران کے ساحلوں پر حملہ آور ہوئے، لیکن بد قسمتی سے اس بحری جنگ میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی پاداش میں خلیفہ وقت نے ان کا تقرر کوفہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت کر دیا۔

بعض مؤرخین کے مطابق اسلام میں جہاز رانی کا آغاز خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک سے ہوا، چونکہ عرب فن جہاز رانی سے باقاعدہ طور پر واقف نہ تھے۔ اس لئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کوئی بحری معرکہ پیش نہ آیا۔ خلیفہ اول سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی کوئی بحری جنگ نہ ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب فتوحات و اصلاحات کو بڑی وسعت و جامعیت حاصل ہوئی تو سب سے پہلے بحرین کے عامل علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ [1] نے بحری بیڑا اتیار کروایا اور اسے فارس روانہ کیا اور یہ پہلا باقاعدہ بحری حملہ تھا جو قبرص پر کیا گیا۔

مقدمہ ابن خلدون کے مؤرخ نے بھی اس بحری کاروائی کا ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ نے درمیان کے راستے جہازوں کے لئے فارس پر فوج کشی کی۔ چونکہ اس بحری جنگ میں مسلمانوں کو بہت جانی و مالی نقصان ہوا۔ شدید ہزیمت کی وجہ سے خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بحری جنگ کے مخالف ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے عہد میں اسلامی بحری بیڑے کے باقاعدہ قیام کی اجازت چاہی تو آپ نے نہ دی۔ بالآخر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کی مسلسل کاوشوں کی بدولت اسلامی بحری بیڑے کا قیام عمل میں آیا۔

مسلمانوں کو بحری بیڑے کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس سے متعلق جسٹس سید امیر علی کا کہنا ہے کہ:

> شام اور مصر کی فتح کے بعد ایک وسیع ساحلی علاقہ عربوں کے قبضے میں آگیا تھا، اور اس کی بندرگاہوں کو دشمن کی دسترس سے بچانے اور اس سے مقابلہ کرنے کے لئے بحری بیڑے کا

1: علاء الحضرمی رضی اللہ عنہ، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضر موت کے رہنے والے تھے 21 ہجری میں وفات پائی۔ (وفیات الاعیان، ج 1، ص 391)

قیام انتہائی اہم ضرورت بن گیا تھا۔ اس لئے بحری بیڑے کی تیاری اور اس کے ساز و سامان پر زبردست توجہ دی گئی۔[1]

ایک انگریز مصنف لیفٹیننٹ جرنل سرجان گلب اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

بحیرہ روم بہت صدیوں سے رومی اور بعد میں بزنطینی سلطنت کی سب سے اہم اور بڑی شاہراہ بنا ہوا تھا۔ رومی سلطنت کے تمام صوبے سوائے شمالی فرانس اور برطانیہ کے اس کے ساحلوں پر واقع تھے۔ چھ سو سال سے رومیوں کی طاقت و قوت بحیرہ روم کے بحری عملہ پر منحصر تھی۔

The proposal for the first combined operation had come from the latter [Muawiya]. Cyprus, he claimed, was so near to the Syrian coast that it was almost possible to hear the barking of dogs. It is interesting to note that when Usman R.A approval was solicited, he replied that he had seen the refusal which Umar had previously sent to Muawiya R.A concerning naval operations. If Umar , in his later years, kept copies of his correspondence, we have already progressed from the days when orders regarding major political events were delivered verbally. Othman, then having read the previous correspondence, graves his half hearted consent. The expedition, he said could proceed, on condition that all the men be volunteers and that Muawiya take his wife with him. Presumably this quaint stipulation was intended to deter Muawiya from undertaking too rash an enterprise. In 649, IbnAbiSarh joined the Syrian armada with a fleet which he had organized in Egypt, the sailors of which were Egyptians but the fighting men Arabs. (Apparently the task of the sailors was merely to row and to navigate but not to fight.(No sooner did the Arabs land on the island (Cyprus) than the Byzantine governor offered to surrender, before any fighting had taken place. A curious agreement was signed between the two parties.[2]

1: امیر علی سید، جسٹس، تاریخ اسلام، ص211۔ آئینہ ادب، لاہور، 1970

2: Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Great Arab Conquests, P: 288-289, London, 1963

پہلے مشترکہ آپریشن (مہم) کی تجویز بعد الذکر (معاویہ) کی طرف سے آئی۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ قبرص، شام کے ساحلی علاقہ سے اتنا قریب ہے۔ کہ وہاں کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں بھی بہ آسانی سنی جاسکتی ہیں۔ یہ بات دلچسپی کا باعث ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اجازت طلب کی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ بحری مہمات سے متعلق معاویہ کو بھیجا ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انکار ان کی نظروں سے گزر چکا ہے۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے گذشتہ خط وکتابت پڑھنے کے بعد بادلِ نخواستہ اجازت دے دی۔ انہوں نے کہا کہ مہم صرف اسی صورت میں شروع کی جائے جب اس میں حصہ لینے والے تمام افراد رضاکارانہ طور پر شریک ہوں اور معاویہ اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لے جائیں۔ شاید یہ انوکھی شرط معاویہ کو اپنے اس قدم میں حد سے بڑھنے سے روکنے کے لئے رکھی گئی تھی۔

مثال نمبر:5 649ء میں ابن سرح شامی جنگی جہازوں کے دستے میں شامل ہوئے۔ ان کے ساتھ بحری بیڑہ بھی تھا۔ جسے انہوں نے مصر میں منظم کیا تھا اور جس کے جہاز ران تو مصری تھے مگر اس پر موجود لڑاکا جوان عربی تھے (ظاہری طور پر ان سیلرز کا کام لڑنا نہیں بلکہ چپو چلانا اور جہاز رانی تھا) جیسے ہی عربوں نے جزیرہ (قبرص) پر قدم رکھا، بازنطینی گورنر نے بغیر کسی لڑائی کے ہتھیار ڈال دیئے۔ فریقین کے مابین ایک معاہدے پر دستخط ہو گئے۔

جنرل جان گلب مزید لکھتے ہیں:

> The Cypriots agreed to pay the Arabs an annual tribute of 7200 Dinars, the same amount which they were already paying to Byzantiums. A clause was included, however, which left to the people of Cyprus the right to continue payment to the Byzantine government at the same time. Thus, after the signature of the treaty, the Cypriots were paying tribute simultaneously to Byzantium and to Medina. Other conditions recognized the neutrality of the island in the events of hostilities between the Arabs and Byzantine.[1]

اہل قبرص عربوں کو سالانہ 7200 دینار جزیہ دینے پر متفق ہوئے۔ تقریباً اتنی ہی رقم وہ پہلے بازنطینیوں کو بھی دے رہے تھے۔ تاہم معاہدے میں ایک شق کا اضافہ کیا گیا جس میں اس بات کی

1: Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Great Arab Conquests, P: 288-289, London, 1963

اجازت دی گئی کہ انہیں اس چیز کا حق ہے کہ وہ پہلے سے بازنطینیوں کو دیا جانے والا جزیہ جاری رکھ سکتے ہیں۔ اس طرح معاہدے پر دستخط کے بعد اہل قبرص بازنطینیوں اور ریاست مدینہ کو بیک وقت جزیہ دینے لگ گئے۔ دیگر شرائط کے مطابق یہ طے پایا کہ عربوں اور بازنطینیوں میں کشمکش کی صورت میں جزیرہ قبرص غیر جانبدار رہے گا۔

مثال نمبر:6 علامہ ابن کثیر کے مطابق جب لوگوں نے قبرص فتح کیاتو سیدہ ام حرام ﷺ نے اپنے خاوند عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے ہمراہ شریک غزوہ تھیں۔ یہی وہ صحابیہ رضی اللہ عنہا ہیں جن کے بارے میں آنحضور ﷺ نے بشارت دی تھی کہ اس بحری جنگ میں آپ شریک ہوں گی۔

مثال نمبر:7 حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کو آنحضور ﷺ کے ساتھ کئی جنگوں میں شرکت کا شرف حاصل ہوا تھا، لیکن جس جنگ کی بشارت دی گئی تھی اس کا موقع حضور کی حیات طیبہ اور شیخین کے دور خلافت میں نہ آیا۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنھا کے خاوند حضرت عمرو بن قیس رضی اللہ عنہ اور بیٹے قیس بن عمرو جنگ بدر میں شریک ہوئے اور خوب داد شجاعت دی۔ ایک سال بعد جب احد کا معرکہ ہوا تو پھر دونوں باپ بیٹے میدان جہاد میں تھے۔ اس معرکے میں دونوں شہادت کے مقام پر فائز ہوئے۔۔ حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کا دوسرا نکاح معروف انصاری صحابی حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے ہوا۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند حضرت عبادہ بن صامت عمر رسیدہ تھے۔ خلیفہ ثالث کی اجازت سے شام کے گورنر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص اور دیگر علاقوں کو فتح کرنے کے لئے ایک جنگی بحری بیڑہ تیار کیا۔ جو صحابہ رضی اللہ عنھم اس جہاد میں شریک تھے ان میں حضرت عبادہ بن صامت کا نام بھی تھا۔

حضرت ام حرام رضی اللہ عنھا نے بھی اس جہاد پر جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ فرمانے لگیں مجھے تو آنحضور ﷺ نے اس جہاد میں شرکت کی خوش خبری سنائی تھی ۔ چنانچہ اپنے خاوند کے ساتھ وہ بھی اس جہاد میں شریک ہوئیں ۔ اللہ نے اسلامی لشکر کو فتح دی اور قبرص پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ مہم کی کامیابی کے بعد جب واپسی کا سفر شروع ہوا تو ام حرام اپنی سواری پر سوار ہوئیں۔ ان کا گھوڑا بدکا اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنھا زمین پر گر گئیں۔ انہیں سخت چوٹیں آئیں۔ انہی زخموں سے وہ وفات پا گئیں۔ یوں سرزمین قبرص کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضور ﷺ کی محبوب صحابیہ، شہدا کے خاندان کی عظیم خاتون اور آنحضور ﷺ کی میزبان یہاں آسودہ خاک ہیں۔

فصل سوئم:

مسلم بحریہ کا باقاعدہ آغاز

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- مسلم بحریہ کا آغاز
- بحری جنگی کشتیاں اور آلات حرب وضرب
- جنگی کشتیوں کی اقسام
- فتح قبرص کے اولین محرک

ابتداءً لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم رکھنے سے گھبراتے تھے۔ عرب جو کہ صحرا نشین تھے، جنہیں پینے کیلئے پانی بمشکل ملتا تھا وہ تیرنے اور تیرانے کے فن سے آشنا نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سے قبل عربوں نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی اور نہ ہی انہیں ضرورت محسوس ہوئی کہ وہ جہاز راں بنیں۔ جب اسلام نے اپنا قدم جزیرہ نمائے عرب ے باہر نکالا تو اسلامی لشکروں کو ایسے ملکوں پر یلغار کرنا تھی جن کے راستوں میں سمندر حائل تھے اور ایسی ایسی طاقتیں بھی موجود تھیں جن کے پاس اپنے بحری بیڑے بھی تھے۔ چنانچہ ان اسفار میں سب سے پہلا سفر علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے کیا جو خلیفہ دوئم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بحرین کے گورنر تھے۔ بحرین اور ایران کے درمیان خلیج فارس نامی سمندر موجزن تھا۔ چنانچہ علاء بن الحضرمی نے کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کیا اور ایران کے ساحلوں پر حملہ آور ہوئے۔ مگر بدقسمتی سے اس بحری جنگ میں مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی پاداش میں خلیفہ وقت نے ان کا تقرر کوفہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت کر دیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جو کہ شام میں اسلامی فوجوں کے سالار تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو درخواست بھیجی کہ رومیوں کے پاس مضبوط بحری بیڑے ہیں ان پر قابو پانے کے لئے ہمیں بھی بحری بیڑا بنانے کی اجازت دی جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب دیا:

> اس ذات پاک کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچائی کے ساتھ بھیجا ہے، میں بحری سفر میں ایک مسلمان کو بھی نہ بھیجوں گا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فاروقی دور میں یورپ کے تین بحری اڈے عکا، یافہ اور صور فتح کر لئے تھے، جس سے یورپ کے دل میں مسلمانوں کی دہشت بیٹھ گئی تھی۔ وہ منصوبے بنا رہے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں پر حملہ کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے یورپ نے قبرص میں بحری بیڑہ تیار کر لیا تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس کی تیاری سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مجھے قبرص کے متعلق حملے سے پہلے ہی اس پر حملے کی اجازت دی جائے، لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے تحفظات کے باعث اجازت نہ دی۔ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بر سر اقتدار آئے تو آپ نے پھر اجازت مانگی تو دربار خلافت سے مشروط اجازت مل گئی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے آپ کے جواب میں فرمایا:

> آپ کو یاد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو اجازت نہیں دی تھی، میں ابھی فوج کو کسی خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا اور اگر آپ فتح کی یقین دہانی کراتے ہیں تو اس شرط پر اجازت دوں گا کہ اپنے اہل و

عیال کو بھی حملے کے وقت ساتھ رکھیں گے تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے کہ آپ بہت خطرناک مہم پر نہیں جا رہے۔[1]

تاہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دربار خلافت سے مشروط اجازت مل گئی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اجازت ملتے ہی بحری بیڑا تیار کر لیا، جو مسلمان فوج کا پہلا باقاعدہ بحری بیڑا تھا، اس لئے حضرت امیر معاویہ ؓ کو اسلامی بحری بیڑے کا موجد کہا جاتا ہے۔ اس طرح 28 ہجری میں اسلامی بحری بیڑے کا آغاز ہوا۔ اس کی تیاری کے سلسلے میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہودی اور عیسائی بحری ماہرین سے بھی مدد لی اور انہوں نے مسلمانوں کو جہاز رانی کی تربیت دینے کا کام انجام دیا۔

چنانچہ اس بحری بیڑے کی تیاری کے بعد آزمائشی طور قبرص پر جو بحیرہ روم میں ایک بڑا جزیرہ ہے، پر حملہ کیا گیا، قبرص والوں نے 7200 دینار سالانہ خراج دینا قبول کر کے صلح کر لی۔ اس کامیابی کے بعد سمندری فوج کا باقاعدہ محکمہ قائم کر دیا گیا۔

مسلم بحریہ کا باقاعدہ قیام اور عربوں کی جہاز رانی کا آغاز سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت سے شروع ہوتا ہے۔ عربوں کے سب سے پہلے امیر البحر عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ تھے، جنہوں نے رومیوں کے مقابلے میں موسم گرما اور سرما میں کئی بحری حملے کیے۔

مسلمانوں نے جہاز سازی کا فن اگرچہ رومیوں سے سیکھا تھا مگر بہت جلد شاگرد استاد سے بڑھ گئے۔ رومی صرف بڑی بڑی کشتیاں بناتے تھے لیکن بڑے اور کئی منزلہ جہاز تعمیر کرنے کا خیال مسلمانوں کے ہی دل میں پیدا ہوا۔ رومی کاریگر (جہاز راں) اٹکل پچو (اندازے) سے کام چلاتے تھے۔ اور یہ فن چند مخصوص خاندانوں تک محدود تھا۔ لیکن عربوں نے اس کو باقاعدہ سائنس کی شکل دے ڈالی۔ جہازوں کے لئے خاص نقشوں اور پیمائشوں کے اصول مقرر کیے اور یوں بحری انجینئرنگ کی بنیاد ڈالنے کا سہرا عربوں کے سر رہا۔

یہ حقیقت سب سے پہلے مسلمانوں نے دریافت کی کہ ہر سمندر دوسرے سے الگ اور مستقل نہیں ہے، بلکہ تمام سمندر باہم ایک مشترک بحری دنیا ہے۔ جو ہندوستان، چین، فارس اور روم و شام کو ایک ہی عظیم الشان دائرے کی صورت گھیرے ہوئے ہے۔ بعد ازاں 225 ہجری میں ایک عرب جہاز راں مسلمان نے دعویٰ کیا تھا کہ اس حقیقت کا پہلے کسی کو علم نہ تھا، پھر معروف سیاح ابو حامد اندلسی غرناطی نے سمندروں کی وحدت کے مسئلے کو سب سے زیادہ واضح کیا۔

1: سعیدی، صلاح الدین، الجامعہ، اشاعت نومبر 2012ء، فضائل سیدنا عثمان

ابو الفداء اور اس سے بھی زیادہ ابن خلدون نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی۔ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے پہلی مرتبہ سمندروں کی صحیح پیمائش کی۔ فرانس کے مشہور مصنف موسیو لیبان نے بھی اپنی کتاب "تمدن عرب" میں لکھا ہے کہ:

عربوں کی پیمائش بطلیموس[1] سے بھی زیادہ درست تھی۔ اہل عرب اندلس کے بڑے سمندر کا نام بحر ظلمات اور بحر محیط رکھتے تھے، اور اس کے شمال کی طرف بعض جزیروں سے وہ واقف تھے جن میں سے ایک کا نام انقلطرہ اور دوسرے کا نام ایرلیزا ہے، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ انقلطرہ یعنی انگلینڈ اور دوسرا آئرلینڈ ہے۔ ابن سعید مغربی (672ھ) لکھتا ہے کہ انقلطرہ کے شمال میں آئرلینڈ ہے، اس کا طول بارہ دن اور ہر پیچ میں چار دن ہیں۔ یہ ہنگاموں کے لئے مشہور ہے، یہاں کے باشندے مجوسی تھے۔ پھر اپنے ہمسایوں کے اثر سے مسیحی ہوگئے۔ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ بحر محیط سے شمال کو جو شاخ جاتی ہے اس کا نام بحر انقلطرہ ہے، اس بحر انقلطرہ کو آج انگلش چینل (English Channel) کہا جاتا ہے۔ مسلمان ملاحوں اور جہاز رانوں ہی نے سب سے پہلے یہ طریقہ رائج کیا تھا کہ سفر میں بحری نقشے ساتھ لے کر چلنا چاہیئے۔ البوکرک (Albuquerque) نے جو ہندوستان میں پرتگالی وائسرائے تھا ایک عرب جہاز راں محمد سے بحری نقشہ تیار کرایا تھا، جس کو وہ بحر عمان اور خلیج فارس کے سفر میں اپنے پاس رکھتا تھا۔

یہی فاضل مزید تحریر کرتا ہے کہ:

ستاروں کے دیکھنے، ان کی باہمی فاصلوں کے ناپنے اور ان فاصلوں کے ذریعے سے ملکوں کی مسافت اور راستے کے قرب وبعد کے جانچنے کے چند دوسرے آلات بھی عرب جہاز راں استعمال کرتے تھے۔ واسکوڈے گاما کے زمانے سے (جو ابن ماجد کا ہمعصر تھا) آج سے سو برس پہلے تک عرب جہاز رانوں کے ان علوم و آلات سے اہل یورپ برابر استفادہ کرتے رہے۔[2]

1: بطلیموس (Ptolemy) دوسری صدی عیسوی کا مشہور یونانی ماہر فلکیات، جغرافیہ دان اور ریاضی دان۔ اس نے نظام شمسی کا زمین مرکزی (Earth-centered) نظریہ پیش کیا۔ اس موضوع پر اُس کی کتاب "المجستی" بہت مشہور ہے۔ جو تیرہ جلدوں یا مقالات پر مشتمل ہے۔ جس کا موضوع فلکیات ہے۔ اس میں بطلیموس نے اپنا فلکیاتی نظام قائم کیا جو ڈیڑھ ہزار سال تک صحیح سمجھا جاتا رہا۔ علمی دنیا میں یہ "بطلیموسی نظام" کے نام سے مشہور ہے۔ بطلیموس کی ایک اور عظیم تصنیف "جغرافیۂ بطلیموس" 8 جلدوں میں ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ج4، ص607، بار دوئم، 2002ء)

2: عبدالصبور طارق، سید، مسلمانوں کے بحری کارنامے، ص37، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء

بحری جنگی کشتیاں اور آلات حرب وضرب

تاریخ کے عمیق مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بحری جنگی تیاریوں اور بحر نوردی میں مسلمانوں کا بہت حصہ رہا ہے۔ان سے اخذ کردہ معلومات مسلمانوں کی بحری جنگی کاروائیوں پر ان کی گرفت و سنجید گی کو ظاہر کرتی ہیں۔ اس وقت کی جنگی کشتیاں، بحری آلات حرب، ملاحی کی اصطلاحات اور فن حرب سے متعلق چند تاریخی حقائق درج ذیل ہیں۔

جنگی کشتیوں کی بناوٹ اور ان کے اسلحے

کشتیاں اور بحری جہاز، بحری تجارت کے بنیادی لوازمات میں سے ہیں۔اور ہر دور میں بین الاقوامی تجارت کے ذرائع نقل و حمل میں سے اہم ترین وسیلہ ہیں۔ کشتیوں کی بناوٹ اور حجم کا تعلق تجارت کی وسعت اور جس پانی سے اُن کا سامنا ہے اس کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ ابن خلدون کے مطابق کشتی کی بناوٹ مچھلی کی سی ہے تا کہ پانیوں کے تھپیڑوں اور موجوں کا سامنا کر سکیں چنانچہ لکھتے ہیں:

> صنعت على قالب الحوت و اعتبار سبحـــه في الماء بقوادمه و كلكله ليكون ذلك الشكل أعون لها في مصادمــــة الماء[1]

> کشتی بنانے کے لئے سب سے اہم عنصر لکڑی ہے ابتدائی طور پر انسان نے کشتی بنانے کے لئے تختے کاٹنے اور ان کو مناسب اور مضبوط انداز میں جوڑنے کے کئی تجربات کیے تا کہ وہ بلند وبالا موجوں میں بھی اپنا وجود بر قرار رکھ سکے۔

ابتدائی اسلامی ادوار میں کشتیوں کی تیاری کے لئے قریبی دیہاتوں اور وہاں کے جنگلات کی لکڑی پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ کیونکہ مصر اور شام میں لکڑی کی تمام انواع پائی جاتی تھیں۔ اور زیادہ تر قیمتی لکڑی "بنج" [2] کے درخت سے حاصل کی جاتی تھی۔ جو کہ مصر کے علاقے "انصتا" میں پائی جاتی تھی۔ کشتیوں کی تیاری میں اس لکڑی کی خوبیوں اور پائیداری کی بنیاد پر اُس کی مانگ بھی بہت زیادہ تھی۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ اس کی لکڑی کے دو تختے ملا کر پانی میں ایک سال کے لئے

1 : ابن خلدون، عبد الرحمن، (مترجم علامہ راغب اصفہانی دہلوی) مقدمہ ابن خلدون، ص410، نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، 2001ء

2 : الحموی، الرومی، یاقوت بن عبد اللہ، معجم البلدان، ج1، ص381، دار صادر بیروت، 1993ء

چھوڑ دیے جاتے تو اس مدت کے دوران وہ اس طرح باہم چپک جاتے کہ اُن پر ایک تختے کا گمان ہوتا۔ اس زمانے میں اِس لکڑی کا ایک تختہ پچاس دینار کے برابر تھا[1]

اس کے علاوہ "سنط" کے درخت سے بھی کشتیوں کی تیاری کے لئے لکڑی حاصل کی جاتی تھی۔ اس درخت کا شمار عجائب مصر میں ہوتا ہے کیونکہ یہ بہت طویل اور اونچا درخت ہوتا ہے۔ اس کی لکڑی لوہے کی طرح مضبوط ہوتی ہے۔ [2]

شام کے علاقے صنوبر کے درختوں کے لئے مشہور تھے۔ اسکندریہ کے قریب "حصن الطینات" اس کی تجارت کے مرکز کے طور پر مشہور تھا۔ یہیں سے شام اور مصر کے دیگر علاقوں میں لکڑی بھیجی جاتی تھی۔ [3]

اسی طرح لبنان کے جنگلات بھی کشتیوں کی تیاری کے لئے لکڑی کے حصول کے لئے مشہور تھے۔ [4]

اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بحر ہند میں کشتیوں کے لئے استعمال کی جانے والی لکڑی "ساج" اور ناریل کی ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ ان دونوں میں پختگی اور مضبوطی کے ساتھ ساتھ یہ صلاحیت بھی تھی کہ ان کی ہیئت و شکل نہیں بدلتی تھی۔ بلکہ پانی کے اندر دو سو سال تک بھی عمر گذار سکتی تھی۔ اموی عہد یعنی پہلی صدی ھجری میں یہ لکڑی کشتیوں کے بنانے کے لئے بہت زیادہ استعمال ہوتی تھی۔ [5]

کشتیوں کے بنانے میں لوہے کے کیل استعمال ہوتے تھے جبکہ بحر ہند اور خلیج عرب میں کشتیوں کی صنعت میں زیادہ تر ناریل کی رسیوں کا استعمال کیا جاتا تھا۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بحر ہند میں استعمال ہونے والی کشتیاں ناقص لکڑی سے تیار ہوتی تھیں جیسا کہ مسعودی کا خیال ہے، جو کہ حادثات کا باعث بنتیں حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ کیونکہ ناریل اور ساج کی لکڑی انتہائی مضبوط اور اعلیٰ قسم کی لکڑیوں میں سے ہے۔ جن میں مضبوطی و برداشت باقی لکڑیوں کی نسبت زیادہ ہے۔

کشتیوں کی بناوٹ میں کیل کی جگہ رسیوں کے استعمال کے متعلق کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوہے کی کیلوں کو سمندر کا پانی ختم کر دیتا ہے جیسا کہ مسعودی نے بھی اسی موقف کو اختیار کیا لیکن یہ محض ذاتی رائے ہے

1: القزوینی، زکریا بن محمد بن محمود القزوینی، آثار البلاد و اخبار العباد، دار صادر، بیروت، ص100، 1373ھ

2: فہمی، محمود علی، التنظیم البحری فی شرق المتوسط، دار الوحدۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، ص86، 1981ء

3: ابن حوقل، ابو القاسم، عبد اللہ بن عبد اللہ، المسالك و الممالك، ص121، مطبع بریل، لیڈن، شمالی ہالینڈ، 1872ء

4: المقدسی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ص179، مطبع بریل، لیڈن، شمالی ہالینڈ، 1906ء

5: حورانی، جورج فضلو، (مترجم یعقوب بکر) العرب و الملاحۃ فی المحیط الھندی، ص245، مکتبہ الانجلو المصریۃ، القاہرۃ، 1958ء

اس کی بنیاد کسی علمی تجربے پر نہیں۔ علامہ ادریسی کا کہنا ہے کہ کیلوں سے تیار کردہ کشتیوں کے مقابلے میں رسیوں سے تیار شدہ کشتیوں میں حادثات سے نمٹنے اور طوفانوں کا مقابلہ کرنے کی زیادہ صلاحیت موجود ہوتی ہے ، ابن بطوطہ [1] بھی اسی موقف کے قائل ہیں کہ کیلوں سے بنی کشتی بحر ہند میں پانیوں کے تھپیڑوں کا سامنا نہیں کر سکتیں کیونکہ اس میں بہت بڑی بڑی چٹانیں ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ بحر ہند میں کشتیوں کی تیاری میں زیادہ تر کیل ہی استعمال ہوتے تھے کیونکہ ہندوستان لوہے کی صنعت میں مشہور تھا جیسا کہ ہندی تلواریں قابل ذکر ہیں اور پھر عربوں نے بھی اسی طریقہ کو اپنا لیا جس کی مثالیں اموی عہد میں حجاج بن یوسف کا دور اور پھر عہد عباسی میں تو اس صنعت نے عروج حاصل کر لیا۔[2]

پانی کو کشتی کے سوراخوں میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے ایک خاص قسم کا تیل استعمال ہوتا تھا جس کو "جلفطۃ" کہا جاتا تھا جس میں سمندری جانوروں کی چربی استعمال ہوتی تھی یا پھر چھوٹی مچھلیوں کو پکڑ کر پانی میں ابال کر تیل تیار کر لیا جاتا تھا۔ یہ تیل عموماً یمن، عدن اور بلاد فارس، عمان، بحر ہند اور چین کے ساحلی علاقوں میں دستیاب ہوتا تھا۔[3]

الف: گذشتہ زمانہ میں جنگی کشتیاں معمولاً تین منزلہ ہوتی تھیں ان میں سے ہر حصہ تمام ضروری وسائل اور امکانات سے پُر ہوتا تھا جیسے، پینے کے پانی کو ذخیرہ کرنے کے لئے پانی کا انبار، رسّے، بادبان، تبر، خنجر اور دیگر ضروری سامان، ہر دریائی فوجی کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنی کشتی کے ضروری سامان اور اسلحہ کو تیار رکھے، نیز دشمن کے اوپر آتش باری کے وسائل کو بھی فراہم کرے جو معمولاً کشتی کے عرشہ پر نصب کیا جاتا تھا۔ یہاں سے دشمنوں کے اوپر آتش باری سنگ باری یا لوہے کے تیز نوکیلے ٹکڑے پھینکے جاتے تھے، تاکہ ان کو قتل کر سکیں

---

1 : مشہور سیاح اور مورخ، مکمل نام ابو عبداللہ محمد ابن بطوطہ ہے۔ مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوا۔ ادب، تاریخ اور جغرافیہ کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد 21 سال کی عمر میں پہلا حج کیا۔ شوق سیاحت میں افریقہ کے علاوہ روس سے ترکی پہنچا۔ جزائر شرق الہند اور چین کی سیاحت کی۔ عرب، ایران، شام، فلسطین، افغانستان اور ہندوستان کی سیاحت کی۔ چار بار حج بیت اللہ سے مشرف ہوا۔ محمد بن تغلق کے عہد میں ہندوستان آیا تھا۔ سلطان نے اُس کی بڑی آؤ بھگت کی اور قاضی کے عہدے پر سرفراز کیا۔ یہیں سے ایک سفارتی مشن پر چین جانے کا حکم ملا۔ 28 سال کی مدت میں اس نے 75 ہزار میل کا سفر کیا۔ آخر میں فارس کے بادشاہ ابو حنان کی دربار میں آیا۔ اور اس کے کہنے پر اپنے سفر نامے کو کتابی شکل دی۔ اس کتاب کا نام عجائب الاسفار ونی غرائب الدیار ہے۔ یہ کتاب مختلف ممالک کے تاریخی وجغرافیائی حالات کا مجموعہ ہے۔

2 : العسکری، سلیمان ابراہیم (کویت یونیورسٹی)، التجارۃ و الملاحۃ فی الخلیج العربی فی العصر العباسی، المجلس الاعلیٰ للثقافۃ، مصر، القاہرۃ، ص220، 1972ء

3 : الادریسی، نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق، مکتبۃ الثقافیۃ الدینیۃ، ج1، ص64، 2002ء

اور ان کی کشتیوں میں آگ لگا سکیں یا غرق کر سکیں۔ کشتی کی پہلی اور دوسری منزل میں تقریباً 50 سوراخ ہوتے تھے جن کو تیر انداز اور دوسری چیزیں پھینکنے والے اپنا مورچہ بناتے تھے، اور وہیں سے دشمن کو نشانہ بناتے تھے۔ کشتی کا ناخدا کشتی کی اگلی طرف ایک چھوٹے کمرے میں ہوتا تھا، ہر کشتی میں تقریباً 200 آدمیوں کی جگہ ہوتی تھی، ان میں 50 فوجی تیر اندازی کرتے تھے اور بقیہ لڑائی پر مامور ہوتے تھے۔ ان میں سے بعض کشتیوں میں منجنیق بھی نصب ہوتی تھی اور کشتی کا پیندا تیز نوکیلے پتھروں سے پُر ہوتا تھا جس کو اسلحہ کی جگہ دشمن طرف پھینکا جاتا تھا[1]

ب: اسلحے جنگی کشتیوں کے اسلحہ جات کو دو قسموں میں بانٹا جاسکتا ہے:

ا: فوجیوں اور جنگجوؤں کے اسلحے

۲: کشتیوں کے مخصوص اسلحے

فوجیوں کے اسلحے: فوجیوں کے اسلحے اس طرح تھے: تیر کمان، نیزہ، تلوار، خنجر، پتھر اور کلہاڑی اور دفاعی سامان یہ تھے[2] زرہ، خود اور سپر وغیرہ، فوجیوں کے ساتھ معمولاً تین خنجر ہوتے تھے: ایک سپر کے اندر، ایک پہلو سے بندھا ہوا اور ایک لباس کے اندر، تلوار گلے میں حمائل ہوتی تھی نہ کہ کمر سے بندھی ہو، کیونکہ بحری جنگجوؤں میں تلوار گردن میں لٹکانا آسان تھا بخلاف خشکی کی جنگوں کے اور گرز ان کی پیٹی سے بندھا ہوتا تھا[3] حرکت سے پہلے ہر بیڑے کے لئے اسکا اسلحہ، غذائی مواد اور دیگر ضروری سامان فراہم کیا جاتا تھا۔[4]

کشتیوں کے مخصوص اسلحے

کلالیب یا کمند: یہ ایک لوہے کا چاند نما آلہ ہوتا تھا کہ جو کشتیوں میں لوہے کے حلقوں سے بندھا ہوتا تھا، جیسے ہی اپنی کشتی دشمن کی کشتی سے نزدیک ہوتی تھی تو اس کو دشمن کی کشتی کی طرف پھینکا جاتا تھا اور اس پر لوہے

1: ابن منکلی، محمد بن محمود، الادلۃ الرسمیہ فی التعال العربی، المجمع العلمی العراقی، بغداد، عراق۔ 1409ھ

2: جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، ج 1، ص 2311، مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران، 1372ھ

3: محمد بن محمود ابن منکلی، الادلۃ الرسمیہ فی التعالی العربیہ، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی، ص 305، 251، 14009ھ

4: سعاد ماہر، ڈاکٹر، البحریۃ فی مصر الاسلامیۃ و آثارھا الباقیۃ، دار المعارف، مصر (سن اشاعت درج نہ ہے)، ص 303

کی چادریں ڈال کر اس کو ایک پل کے مانند بنالیا جاتا تھا اور اس پر سے گزر کر دشمن کی کشتی میں داخل ہو جاتے تھے اور ان پر ٹوٹ پڑتے تھے۔[1]

باسلیق: یہ دشمن کی طرف پھینکنے کا ایسا لوہا ہوتا تھا کہ جو کشتی اگلے حصّے میں لوہے کے حلقہ سے بندھا ہوتا تھا اس آلہ کو پے درپے کشتی کی طرف پھینکا جاتا تھا جس سے کشتی ٹوٹ جاتی تھی۔[2]

توابیب: یہ ایسے صندوق ہوتے تھے جو اوپر سے کھلے ہوتے تھے اور ان کو کشتی کے عرشے پر رکھا جاتا تھا، فوجی اس میں بیٹھ کر دشمن کی طرف آگ اور دوسرے آتشیں مواد پھینکتے تھے جس سے دشمن کی کشتی جل جاتی تھی یا اس کے سوار اندھے ہو جاتے تھے، کبھی کبھی وہاں سے سانپ اور بچھّو بھی پھینکے جاتے تھے۔[3]

لجام یا لگام: یہ دریا کا ایک اہم اسلحہ تھا، یہ ایک تیز دھار کلہاڑی کی مانند ہوتا تھا اور اس کو کشتی کے آگے لٹکاتے تھے اور اس کو شدّت سے دشمن کی کشتی پر مارتے تھے اور اس کو الٹا کر دیتے تھے۔[4]

ماء الزرق: (چونے کا پانی) بحری جنگوں میں اس کو استعمال کیا جاتا تھا، یہ مادہ جوش آئے نمک اور سفید زرنیخ کا محلول ہوتا، یا زرج نامی مادّہ ہوتا تھا، اس مادّے کو ایک برتن میں ڈال کر دشمن کی طرف پھینکا جاتا تھا جس سے دشمن کی آنکھیں اندھی ہو جاتی تھیں۔[5]

کشتی کا برج: اس کو کشتی اور سواروں کی حفاظت کے لئے بنایا جاتا تھا، کچھ سپاہی اس پر کھڑے رہتے تھے تاکہ اس کی بلندی سے نوکیلے پتھروں سے دشمن کو نشانہ بنا سکیں۔[6]

یونانی آگ: یہ آگ ماچس کے مصالحہ اور تیل سے بنائی جاتی تھی اور کشتی کے اگلے ستونوں سے جلتے ہوئے گولے کی شکل میں دشمن کی طرف پھینکی جاتی تھی، یا اس آگ کے گولے کو تیل میں بھیگے ہوئے پٹ سن سے

---

1 : حسن بن عبد اللہ عباسی، آثار الاول فی ترتیب الدول، قاہرہ، مطبعۃ البرلاق، 1295ھ

2 : سعاد ماہر، ڈاکٹر، البحریہ فی مصر الاسلامیہ وآثارھا الباقیۃ، دار المعارف، ص 203

3 : ایضاً

4 : ایضاً

5 : بحری فوج میں موجود ایک گروہ زراقین کا تھا، یہ لوگ ایک محلول (جس کی وضاحت بیان ہو چکی ہے) کو دشمن کی طرف پھینکتے تھے۔

6 : ابن تغری بردی، النجوم الزاھرۃ فی اخبار ملوك المصر والقاھرۃ، ج4، ص 51، وزارۃ الثقافۃ، مصر، 1963ء

بنایا جاتا تھا جو پانی میں بھی نہ بجھ پاتا تھا، ایسے ہی کچے تیل اور دوسرے مادّوں میں پٹ سن کو بھگو کر اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔[1]

المرایاالمحرقہ: (آگ لگادینے والا آئینہ) جنگ میں اسلامی بحری فوج ایک آئینہ کو بھی استعمال کرتی تھی، اس آئینہ کو گیند کے مانند بنایا جاتا تھا کہ جس میں سورج کی کرنیں ایک مرکزی نقطہ پر جمع ہو جاتی تھی پھر ان شعاعوں کو دشمن کی کشتی کی طرف مرتکز کر دیا جاتا تھا اور وہ کشتی آگ پکڑ لیتی تھی، یہ عمل اس وقت کارگر ثابت ہوتا تھا جب دشمن کی کشتی اُن شعاعوں کے سامنے ہو۔[2]

جنگ کے وقت بحری فوج کی ترتیب

جنگ کے وقت بحری کشتیوں اور بیڑوں کی سجاوٹ کو دو مرحلوں میں انجام دیا جاتا تھا:

اندرونی سجاوٹ: اس سجاوٹ سے مراد کشتی کے اندر سپاہیوں کی ترتیب اور ان کا اپنی جگہ تعینات ہونا اور وظائف کی تقسیم ہے، منکلی کے قول کے مطابق، ضعیف اور غیر شجاع فوجی کشتی کے تحتانی طبقہ میں مستقر ہوتے تھے اور اگر اوپر کے طبقہ میں کوئی زخمی ہو جاتا تھا تو اس کو نچلے طبقے میں منتقل کر دیا جاتا تھا اور ان کی جگہ تحتانی طبقہ میں موجود سپاہیوں کو بھیج دیا جاتا تھا اور حسب ضرورت وبربناء تدبیر ہر کشتی پر چار تجربہ کار افراد ہوتے جو زخمیوں کا علاج کرتے تھے، ان کے بدن سے اسلحہ اتارتے ان کو پانی پلاتے اور ان کے زخموں کی مرہم پٹی کرتے تھے۔[3]

بیرونی سجاوٹ: اس سجاوٹ اور ترتیب سے مراد میدان جنگ میں کشتیوں کے استقرار کی کیفیت، بحری جنگوں میں کشتیوں کی ترتیب ہے: دریا میں کشتیوں کی ترتیب اور کیفیت استقرار بالکل ایسے ہی تھی جیسے خشکی کی جنگوں میں ہوتی ہے اور کشتیاں قلب، بائیں بازو، داہنے بازو، مقدمہ اور ساقہ میں تقسیم ہوتی تھیں اور دشمن کو محاصرہ میں لینے کے لئے نیم دائرہ میں کھڑی کی جاتی تھیں، کبھی اپنی کشتیوں کو دشمن کی کشتیوں کو غرق کرنے کی خاطر ایک سیدھی قطار میں کھڑا کرتے تھے اور کبھی ان کو اُلٹے نیم دائرہ کی شکل میں ترتیب دیتے تھے۔[4] ابن منکلی کے قول کے مطابق اگر جنگ دشمن کے علاقہ کے نزدیک یا اس کے علاقہ میں ہوتی تھی یا دشمن ہماری طرف آتا تھا تو ہم ہمیشہ جنگ کے لئے تیار رہتے تھے اور لڑائی کے

---

1 : محمود احمد محمد عواد، الجیش والاسطول، ص525-522، کلیۃ الدراسات، اردن، 1992ء

2 : ایضاً، ص529

3 : ابن منکلی، محمد بن محمود ابن منکلی، الادلۃ الرسمیۃ فی التعالی العربیۃ، المجمع العلمی العراقی، ص244، 1409ھ

4 : حسن بن عبداللہ عباسی، آثار الاول فی ترتیب الدول، قاہرہ، مطبعۃ البرلاق، ص195، 1295ھ

وقت میدان جنگ کے حالات کے مطابق کشتیوں کو مختلف اشکال میں مستقر کیا جاتا تھا اور لشکر کو میمنہ، میسرہ اور قلب میں ترتیب دیا جاتا تھا اور اس کی بلاواسطہ نظارت کی جاتی تھی اور اس کے ضعیف نقاط کو برطرف کیا جاتا تھا، دشمن کو محاصرہ کے وقت نیم دائرہ کی شکل میں گھیرا جاتا تھا اور اس پر آتش باری کی جاتی تھی، کشتی کی تعداد کے اعتبار سے جنگجو افراد دو یا تین سمتوں میں بٹ جاتے تھے، ایک گروہ پہلے دشمن پر جٹ جاتا اور اس کو اپنی طرف متوجہ کرلیتا تھا پھر اس کی پشت اور پہلو سے دوسرا گروہ حملہ آور ہوتا تھا اس کے بعد دوسری کشتیاں دشمن کو دھوکے میں ڈال کر ان پر ٹوٹ پڑتی اور تیروں کا نشانہ بناتی تھیں،[1] عربی بحری فوج خصوصاً عباسی بحری فوج جنگوں میں کشتیوں کی تعداد اور انواع کے مطابق میدان جنگ کو سجاتی تھی۔ اگر جنگ بڑی اور عظیم کشتیوں کے درمیان ہوتی تو چھوٹی کشتیاں ان کے سامنے یا پہلو میں یا پشت پر نہ رہتی تھیں کیونکہ ممکن تھا کہ وہ کشتیاں غرق ہو جائیں بلکہ دور سے اپنی نظامی ترتیب کے مطابق حملے کرتی تھیں تاکہ دشمن کی کشتی کو غرق کردیں، لیکن اگر جنگ چھوٹی کشتیوں یا ہم پلہ کشتیوں کے درمیان ہوتی تھی تو چھوٹی کشتیاں نزدیک جاتی اور سیڑھی ڈال کر سپاہیوں کو دشمن کی کشتیوں میں اتار دیا جاتا اور پھر وہاں پر قتل و غارت گری ہوتی تھی[2] رومی فوج مسلمانوں کی کشتیوں کے نزدیک آنے سے ڈرتی تھی اور کوشش کرتی تھی کہ ان کی کشتیوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیں۔[3] ان کی بحری جنگیں کم گہرے پانیوں میں لڑی گئیں، اکثر جنگوں کا اتفاق ساحلوں یا جزیروں پر ہوا ہے۔[4]

مسلمانوں کی بحری فوج عید و تہوار کے موقعوں یا حکومتی رسومات یا جنگ کے لئے الوادعی کے وقت یا جنگ سے واپسی پر خلفاء کو سلامی دیتی تھیں۔[5]

جنگی کشتیوں کی اقسام

اس زمانے میں جنگی کشتیوں کی بہت سی قسمیں تھیں، بہت سی کشتیاں چھوٹی لیکن تیز رفتار ہوتیں اور اپنی موجودگی کی اطلاع اور دشمن کی شناسائی کے لئے استعمال ہوتی تھیں، دوسری کشتیاں کہ جن کو "قلاع" کہا جاتا تھا یہ

---

1 : محمد بن محمود ابن منکلی، الادلـــــة الرسیـــــــة فی التعـــــــالی العربیة، تحقیق محمودیت خطاب، بغداد، مطبعة المجمع العلمی العراقی، ص248۔249، 1409ھ

2 : محمد یاسین الحموی، تاریخ اسطول العربی، ص 108، 109، فؤاد ھاشم الکتبي، دمشق، 1945ء

3 : ایضاً، ص246

4 : ایضاً

5 : عمان بن ثابت، الجندیہ فی الدولة العباسیہ، بغداد، مطبعہ اسد، 1956ء

کشتیاں سپاہیوں جنگی اوزاروں اور اسلحوں اور خود ونوش کی اشیاء کو منتقل کرنے کے کام آتی تھیں، بہت سی کشتیاں متوسط ہوتی تھیں ان کو تیل، آتشیں مواد کے پھینکنے کے لئے استعمال کا جاتا اور ان کو آتش افگن کہا جاتا تھا۔

اس زمانے کی اہم کشتیاں

سفینہ یہ بحری کشتیوں کے لئے ایک عام نام تھا۔[1]

اشونہ یہ سب سے بڑی اور سب سے کار آمد کشتی تھی، اس میں حملے اور دفاع کے لئے برج اور قلعہ ہوتا تھا، یہ کشتی اوسطاً 150 سپاہیوں کو اٹھا سکتی تھی۔[2]

البارحہ یہ ایک جنگی کشتی تھی، عربوں نے اس کے بنانے کا ہنر ہندیوں سے سیکھا تھا، اس کو بحری قزاق تجارتی کشتیوں کے لوٹنے میں استعمال کرتے تھے۔[3] سن 251 ھ میں اس قسم کی دس کشتیاں بصرہ سے بغداد پہنچائی گئیں، ہر کشتی میں 39 سپاہی اور تیر اک اور چند بڑھئی اور چند آتش باز ہوتے تھے ان میں سے ایک کشتی میں 45 آدمیوں کی گنجائش تھی۔[4]

القرقور یہ ایک بڑی کشتی تھی اور جنگی کشتیوں کے ساتھ اسلحہ اور دیگر سامان لے کر چلتی تھی۔

السمیریہ یہ بھی ایک جنگی کشتی تھی جس کو عباسی جنگ میں اسلحہ اور جنگی سازوسامان، تیر اندازوں اور تیراکوں کو منتقل کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے۔

الحرّاقہ یہ ایک قسم کی جنگی کشتی تھی جس میں آتشیں مواد اور یونانی آتش باری کے مخصوص آلے رکھے جاتے تھے۔[5] نیز اس میں منجنیق بھی نصب رہتی تھی، اس کشتی میں دشمن کی کشتی کو کھینچنے اور اس کو

---

1 : انور رفاعی، النظم الاسلامیہ، ص 161، دار الفکر بیروت، 1981ء

2 : ایضاً

3 : ابو الحسن علی ابن سیدہ، المختص فی اللغۃ والادب، بیروت، دار الفکر، ج 10، ص 26، 1398ھ

4 : محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، بیروت، دار احیاء التراث العربی ودار المعارف، تحقیق محمد ابو الفضل ابراہیم، ج 9، ص 306، 1966ء

5 : محمود عواد، الجیش والاسطول، ص 412

غرق کرنے کے لئے کمندیں بھی موجود ہوتی تھیں۔[1] یہ آتش افکن کشتیاں سواری کے لئے بھی استعمال ہوتی تھیں۔

صندل — یہ کشتی ایک بڑی اور مسطح کی کشتی تھی جس کو فوجیوں اور جنگی سازوسامان اور کمک کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔[2]

الحربیہ — یہ ایک ایسی کشتی تھی جس کو ہارون الرشید کے زمانے میں جنگ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

الطرائد — یہ کشتی گھوڑوں اور ان کا سامان نیز جنگی آلات کو منتقل کرنے کے کام آتی تھی۔

البطش — یہ ایک عظیم جنگی کشتی تھی کہ جس کے بادبان کی تعداد 40 ہوتی تھی اس کشتی میں سپاہیوں کے علاوہ منجنیق اور اسلحے بھی لادے جاتے تھے ان میں سے ہر کشتی میں سینکڑوں سپاہیوں کے اٹھانے کی گنجائش ہوتی تھی اور کبھی کبھی اس میں 700 تک سپاہیوں کو بھی سوار کرلیا جاتا تھا۔ اس کشتی میں کئی منزلیں ہوتی تھیں اور ہر منزل میں فوجیوں کا ایک خاص گروہ مستقر رہتا تھا۔[3]

المسطح — بحری فوج میں یہ ایک جنگی کشتی تھی اس کا وظیفہ اسلحوں کے اٹھانے کا تھا اور اس کو حمّالہ بھی کہتے تھے۔[4] اس کشتی میں گھوڑوں، سپاہیوں اور کشتی کے کاری گروں کو جو بوقت ضرورت کشتی کی مرمت اور حفاظت کے لئے آمادہ رہتے تھے، کے علاوہ اشیاء خوردونوش اور جنگی سازسامان بھی لادا جاتا تھا۔

الاعزبہ — یہ ایک بڑی کشتی تھی جس کا اگلا حصّہ کوّے کی منقار کے مانند ہوتا تھا اور اس 180 فوجیوں کی گنجائش ہوتی تھی، دشمن اس کشتی سے خائف رہتے تھے اور یورپ والے اس کو کروتہ (Corrtte) کہتے تھے۔[5]

الفلوکہ — ایک چھوٹی کشتی تھی جس کا وظیفہ فوجیوں اور گھوڑوں کو منتقل کرنے کا تھا۔

---

1 : نعمان بن ثابت، الجندیۃ فی الدولۃ العباسیۃ، بغداد، مطبعہ اسد، ج2، ص143، 1956ء

2 : انور رفاعی، النظم الاسلامیہ، ص161

3 : ہاب الدین نوبری، نہایۃ الارب فی فنون الادب، قاہرہ، دار الکتب المصریہ۔ ج9، ص123، 1345ھ

4 : انور رفاعی، النظم الاسلامیہ، ص161

5 : عبد المنعم ماجد، تاریخ الحضارۃ الاسلامیہ، ص75، مکتبہ الانجلو المصریہ، قاہرہ، 1992ء

الشیطی — یہ ایک بہت تیز رفتار کشتی تھی اور اس کے چلانے کے لئے 80 ملّاحوں کی ضرورت ہوتی تھی، اس کشتی کو دشمن کی اطلاع حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

العشیری — یہ ایسی کشتیاں تھیں کہ جو 20 ملاحوں سے چلتی تھیں اور ان کو فوجیوں اور جنگی سازوسامان کے اٹھانے کے لئے کام میں لیا جاتا تھا۔

القارب — یہ ایک چھوٹی کشتی تھی جو بیڑے کے ساتھ چلتی تھی اور کشتی سواروں کے ضروری سامان کو اٹھائے رہتی تھی اور دشمن کی شناسائی میں بھی اس کو استعمال کیا جاتا تھا۔[1]

الشموط — یہ ایک چھوٹی کشتی تھی جس کو بڑی کشتیوں کی حفاظت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔[2]

الطیارہ — یہ ندیوں اور نہروں میں چلنے والی ایک مخصوص کشتی تھی جو اپنے ہلکے پن اور تیز رفتاری میں ممتاز سمجھی جاتی تھی اور اس کو دجلہ اور فرات میں چلایا جاتا تھا۔[3]

الزنبریہ — یہ بھی نہروں اور ندیوں میں چلنے والی کشتی تھی اور اس کو فوجیوں کو منتقل کرنے کے لئے نہر فرات میں چلایا جاتا تھا۔[4]

لوسری — یہ کشتی دریائی جنگ میں استعمال ہوتی تھی، جیسے دجلہ اور فرات میں لڑی جانے والی جنگیں۔[5]

الشبارہ — یہ نہروں میں چلنے والی ایک مخصوص کشتی تھی جس کو دجلہ میں چلایا جاتا تھا، مامون الرشید کے بیڑے میں ان جنگی کشتیوں کے علاوہ اس قسم کی چھوٹی بڑی چار ہزار کشتیاں تھیں۔[6]

العلابیات — یہ ایک جنگی کشتی تھی کہ جو عصر اموی اور عباسی میں مصر کے بحری بیڑے میں شامل تھی۔[7]

---

1 : مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفة الاقالیم، ص32

2 : عبدالمنعم ماجد، ص75، العصر العباسی الاول، مکتبہ الآنجلو المصریة، قاہرہ، 1992ء

3 : ایضاً

4 : طبری، تاریخ طبری، بیروت، داراحیاء التراث العربی ودار المعارف، ج7، ص149

5 : ھادیة القرةغولی، العقیلة العربیة، ص249، دار الفکر، بیروت، 1990ء

6 : ایضاً

7 : ایضاً، ص250

ملقوطہ یہ ایک بڑی جنگی کشتی تھی جو معمولاً بیڑے سے پہلے چلتی تھی تاکہ اس سے فوجیوں، اسلحوں اور دیگر سامان کو منتقل کیا جاسکے۔[1]

فتح قبرص کے اولین محرک

تاریخ بتاتی ہے کہ جزیرہ قبرص کی یلغار کے اولین محرک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ اگرچہ ان کی اس تحریک سے قبل مسلمانوں کی بحری مہمات کا آغاز سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہو چکا تھا، جس میں جزیرہ قبرص پر باقاعدہ پہلا بحری حملہ کیا گیا تھا۔ جس کے بارے میں برنارڈ لیوس لکھتے ہیں:

> The first warlike activities of the newly formed Muslim fleet were directed against the Byzantine island of Cyprus, Crete and Rhodes, which were among the main bases of the Byzantine navies in the Eastern Mediterranean. [He further writes] In 649, the Caliph Usman somewhat unwillingly, permitted Muawiya to carry out a first raid on Cyprus.[2]

ترجمہ: پہلی بحری جنگی سرگرمیاں مسلمانوں کے نئے بحری بیڑے کے قیام کے بعد عمل میں آئیں اور یہ بزنطینیوں کے خلاف قبرص، کریٹ اور رہوڈس کے جزائر پر تھیں جو مشرقی بحیرہ روم میں بزنطینی بحری فوج کے اہم مراکز تھے۔ (وہ مزید لکھتا ہے) 649عیسوی میں خلیفہ عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ نیم دلی کے ساتھ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قبرص پر پہلے بحری حملے کی اجازت دے دی۔

موجودہ دور میں بحری جہاز سازی

اس وقت دنیامیں تقریباً تین سو کمپنیاں بحری جہاز بنارہی ہیں۔ فن لینڈ کی ایک کمپنی کے تیار کیے ہوئے بحری جہاز ''فریڈم آف دی سیز'' کو دنیا کا سب سے بڑا بحری جہاز قرار دیا جارہا ہے۔ یہ 1912 میں بننے والے بحری جہاز ''ٹائی ٹینک'' سے پانچ گنا بڑا ہے۔ اس قسم کے مزید جہاز بھی تیار کیے جارہے ہیں۔ اس میں تین ہزار چار سو تین مسافروں کے گنجائش ہے۔ جہاز کا عملہ ایک ہزار چار سو افراد پر مشتمل ہے۔ جن میں دو سو چالیس باورچی بھی شامل ہیں۔ اس بحری جہاز میں مسافروں کی تفریح اور حفاظت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

---

1 : مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، ص31، مکتبہ مدبولی، قاہرہ، 1991ء

2: Bernard Lewis, The Arabs in History, London, P-116, 1950

جہاز میں ٹیلی وژن اسٹوڈیو، اسٹیج ڈراما، باکسنگ، والی بال، باسکٹ بال کھیلنے کی جگہ، کتابوں کی ایک بڑی دکان، واٹر گیمز، ہوٹل، آئس کریم پارلر وغیرہ کی سہولتیں موجود ہیں۔ اس جہاز پر حفاظتی انتظامات بھی بہت سخت ہیں۔ خفیہ ویڈیو کیمرے، وائرلیس ٹیکنالوجی اور ایکسرے اسکیننگ کے علاوہ دوسرے جدید آلات بھی جگہ جگہ نصب ہیں۔ ہر مسافر کو ایک خصوصی شناختی کارڈ دیا جاتا ہے تاکہ کوئی غلط آدمی جہاز پر سوار نہ ہو جائے۔[1]

مذکورہ بحث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نصف صدی قبل کی ٹیکنالوجی کو عصر حاضر کے قالب میں ڈھال کر اس کا بہتر سے بہتر استعمال کیا جارہا ہے۔ جدید تکنیکی ایجادات اور آلات کے آنے سے نہ صرف تجارتی جہازوں کی صنعت نے ترقی کی ہے بلکہ بحری افواج کا دفاع، سراغ رسانی، پیشگی اطلاعاتی نظام، زیر آب، سطح آب اور فضا میں کی جانے والی کاروائیاں پہلے سے بہتر اور کامیاب ثابت ہو رہی ہیں۔

1: خاور محمود، سید، بحری جہاز کی کہانی، شالیمار پبلی کیشن، کراچی، ص10، 1998ء

باب سوئم

مسلم بحریہ کا سنہری دور

یہ باب درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

- فصل اوّل: عہدِ بنو امیہ میں مسلم بحریہ
- فصل دوئم: عہدِ بنو عباس میں مسلم بحریہ
- فصل سوئم: اندلس میں مسلم بحریہ کا کردار

فصل اوّل:

عہد بنو امیہ میں مسلم بحریہ

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- عہد بنو امیہ کا تعارف
- حضرت امیر معاویہ کا بحریہ کے استحکام میں کردار
- قسطنطنیہ کا تعارف اور فتح میں بحریہ کا کردار
- مسلم بحریہ کا سسلی پر حملہ
- جزیرہ سسلی اور شاعر مشرق
- جزیرہ رہوڈس کی فتح میں بحریہ کا کردار
- جزیرہ اروی پر بحریہ کا کردار
- عبد الملک بن مروان اور مسلم بحریہ کی توسیع و استحکام
- ولید بن عبد الملک کے عہد میں کے عہد میں بحری قوت
- سلیمان بن عبد الملک اور بحری کا ارتقاء
- ہشام بن عبد الملک اور مسلم بحریہ

عہدِ بنو امیہ کا تعارف

ملت اسلامیہ کی تاریخ کا دوسرا اہم دور بنو اُمیہ کی خلافت کا پہلا دور ہے جو تقریباً ایک صدی کو محیط ہے۔ انتظامی اعتبار سے بنو امیہ کی حکومت ایک کامیاب حکومت تھی۔ جب کہ دوسری جانب مغرب (اندلس) میں بنو عباس کی حکومت کے متوازی بنو اُمیہ کی حکومت کے نقوش انمٹ ہیں جس نے در حقیقت اسلامی بحریہ کی بنیاد اور طرح ڈالی۔

قبیلہ قریش کی دس شاخیں تھیں جو نسبی اعزاز میں تقریباً برابر تھیں، قریش کے اجتماعی نظامِ حیات میں ان سب کا کوئی نہ کوئی عہدہ تھا لیکن بنوہاشم اور بنو امیّہ ان سب میں ممتاز مقام و مرتبہ رکھتے تھے، بنوہاشم خانہ کعبہ کے متولی ہونے کی بدولت معزز اور محترم تصور کیے جاتے تھے اور بنو امیّہ کو امارت، سپہ سالاری اور کثرتِ تعداد کی بناء پر عظمت و شہرت حاصل تھی، ان دونوں شاخوں کی بنیاد عبدِ مناف ہے جو قصی کی اولاد میں بڑے نامور تھے۔ ان کی متعدد اولادیں تھیں جن میں بنوہاشم اور عبدِ شمس بہت مشہور تھے، انہی سے یہ دونوں خاندان چلے، بنو امیّہ کے مورثِ اعلیٰ "امیّہ" عبدِ شمس کے لڑکے تھے۔ بنو عبدِ مناف کی عظمت انہی دونوں سے وابستہ تھی۔[1]

یہاں یہ بات سمجھنے میں آسانی ہوئی کہ ہم جس خاندان کے دور خلافت و حکومت میں بحریہ کی نشاۃ و ترقی کی بات کرنے جارہے ہیں اُس کا خاندانی پس منظر فی الواقع اس بات کا متقاضی ہے کہ ان سے ایسے اہم اُمور سرانجام پائیں۔

قریش کے دیگر خاندانوں کی طرح بنو امیّہ بھی تجارت سے وابستہ تھے، شام و مصر تک ان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی، تجارت کے پیشے کی وجہ سے بنو امیّہ بڑے مالدار تھے، وہ اپنی دولت قومی اور ملی کاموں میں صرف کرتے تھے۔[2]

مسلم بحری بیڑہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے عہد میں رومی بحری بیڑے پر فوقیت حاصل کرچکا تھا، خاص طور پر مشرقی بحیرہ روم پر تو مسلم بحری بیڑے کی مکمل طور پر اجارہ داری تھی۔ مسلم بحریہ کے قیام اور استحکام میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمات ناقابل فراموش ہیں، آپ نے اپنے دورِ حکومت میں مسلم بحریہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کے لئے خصوصی توجہ دی اور پہلے سے جاری کاموں کی مزید منصوبہ بندی کی گئی، نئے جہازوں کے کارخانوں کی تعمیر کا کام اَور زیادہ منظّم طریقے سے کیا گیا اور ان کی تعمیر و ترقی کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔

سن 49 ہجری بمطابق 669 عیسوی تک عربوں کے پاس مصر میں بحری جہاز تیار کرنے کا ایک کارخانہ تھا، ایک ایسے ہی کارخانہ کی شام میں بھی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ سواحل شام پر جہاز سازی کے کارخانہ کو قائم کرکے فنِ جہاز سازی کی ضرورت کو پورا کیا گیا اور اس ادارے کی ترقی کے لئے ضروری اقدامات کیے گئے۔

1: ابو جعفر، طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوك، (مشہور بہ تاریخ طبری) (ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی) ص504، ج1 نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی۔ 2004ء

2: ابن الاثیر، اسد الغابۃ، المیزان ناشران و تاجران کتب، لاہور۔ ج1، ص317، 2006ء

شام، مصر اور تیونس میں جہاز سازی کے کارخانے قائم تھے جنہیں "دارالصناعہ" کہا جاتا تھا۔ حکومت کے پاس ہر وقت ہزاروں جنگی جہازوں پر مشتمل بیڑہ تیار رہتا تھا۔ مالی اعتبار سے لوگ عام طور پر خوش حال تھے۔ اپنے وقت کے سائنسی علوم کی طرف پوری توجہ دی جاتی تھی۔ مثلاً ایک اموی شہزادہ خالد بن یزید نے یونانیوں سے فلسفہ، طب اور علم کیمیا کی تعلیم حاصل کی اور خود بھی علم کیمیا پر کتابیں لکھیں۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بحریہ کے استحکام میں کردار

بحیثیتِ حکمران امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شمار تاریخ اسلام کے بہترین حکمرانوں میں ہوتا ہے، کیونکہ آپ جیسا جامع الصفات شخص ہی حکمرانی اور جہاں بانی کا حق ادا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا شمار ان عبقری شخصیات میں ہوتا ہے جن کی مثال کم ملتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد بحری مہمات کے حوالے سے اسلامی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ سمندروں پر عملاً حکمرانی کی جھلک اس دور میں دکھائی دینا شروع ہو گئی تھی، جن لوگوں نے ان بحری کارناموں کو چار چاند لگائے ان کے نام ہمیشہ مسلم بحریہ میں سنہری حروف میں لکھے جائیں گے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بحری سپہ سالاروں میں بحری جنگ کے ماہر صرف جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ ہی نہیں تھے بلکہ ان کے علاوہ کئی اَور بحری کمانڈر بھی تھے جیسے معاویہ بن خدیج الکندی، جس نے سسلی پر بحری یلغار کی تھی اور عبد اللہ بن قیس جنہوں نے صقلیہ کے جزیرے سے لوگوں کو اسیر بنانے کے ساتھ ساتھ کثیر مالِ غنیمت بھی حاصل کیا تھا اور انہیں سونے اور چاندی کے ایسے مجسمے بھی ملے تھے جن کے سروں پر موتی اور جواہرات کے تاج نصب تھے۔[2]

اسی طرح امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مسلم بحری بیڑے کو ناقابل تسخیر بنانے کے لئے اَن تھک محنت کی اور کئی بحری مہمات ان کے دور میں روانہ کی گئیں، ان کے دورِ خلافت میں مسلم بحری بیڑے کے تین اہم مراکز قابل ذکر ہیں، مصر، شام اور شمالی افریقہ، اور ان تینوں بحری بیڑوں کے سربراہ (Admiral of the Fleet) کہلاتے تھے جیسا کہ بیری (Bury) نے اس کی وضاحت کی ہے:

> ان تینوں مسلم بحری بیڑوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ بہت اہم تھی اور ہر ایک کا اپنا الگ جھنڈا تھا لیکن تینوں کی کمانڈ بڑے امیر البحر مصر کے مسلم بحری بیڑے کے ہاتھ میں تھی۔[3]

ڈاکٹر حمید الدین بنو امیہ کے دور میں مسلم بحری بیڑے کی قوت و وسعت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

1: الامیر شکیب ارسلان، تاریخ غزوات العرب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ص139، 1352ھ

2: نصولی، انیس زکریا، (مترجم عبد الصمد صارم)، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ص30، مکتبہ میری لائبریری لاہور، 1976ء

3: J B Bury, The History of the Later Roman Empire, London, P-231, 1923

حضرت امیر معاویہؓ کی جب وفات ہوئی تو بحیرہ روم اور ساحلِ مصر پر مسلمانوں کے پاس (1600) بحری جہاز تھے۔[1]

ذیل میں ہم آپ کے عہد میں ہونے والی اسلامی فتوحات اور اُن میں بحریہ کے کردار کا تذکرہ کریں گے اور تاریخی حوالوں سے اس امر کو واضح کریں گے کہ اسلامی بحریہ کا قیام دراصل حضرت امیر معاویہؓ کی کوششوں کا ثمر ہے۔

قسطنطنیہ کا تعارف اور تاریخ

قسطنطنیہ کی تاریخ صدیوں پرانی ہے اور یہ مشرقی رومی سلطنت کا دار الحکومت بھی تھا، اس کا تعارف اور پسِ منظر رئیس احمد جعفری نے سفر نامہ ابن بطوطہ کے ترجمہ میں یوں کیا ہے:

قسطنطنیہ کی ابتدائی تاریخ نہایت ہی قدیم ہے۔ ابتداء میں یہ بزنطائن کے نام سے پکارا جاتا تھا لیکن سن 476ء میں سلطنتِ روما کے زبردست بادشاہ قسطنطین اعظم نے اِس کی بنیاد ڈالی اور اُس وقت سے محمد فاتح کے زمانہ تک یہ شہر قیصرانِ روم کا پایۂ تخت رہا اور جس کے سامنے تقریباً نصف صدی تک بڑے بڑے حکمرانوں کا سر جھکتا، قسطنطنیہ کو رومی شہنشاہ کانسٹائن دی گریٹ (قسطنطین اعظم) نے آبنائے باسفورس کے ساحل پر ایک پرانی بستی کے کھنڈر ہموار کر کے تعمیر کیا تھا، چونکہ یہ شہر دفاعی لحاظ سے بہت ہی مناسب جگہ پر تھا اِس لئے شاہِ روم نے اسے اپنی مملکت کا دار الحکومت بنایا۔[2]

ڈاکٹر مصطفیٰ صفوت اپنی کتاب میں قسطنطنیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

قسطنطنیہ ایک ہزار سال تک مشرق و مغرب کے لوگوں کی نظر کا مرکز بنا رہا۔ ازمنہ وسطیٰ میں اِس عظیم الشّان شہر کو اپنی خوبصورتی اور رونق کے لحاظ سے وہی حیثیت حاصل تھی جو آج کل پیرس کو حاصل ہے۔ یہ شہر محلِ وقوع، معتدل آب و ہوا، محفوظ بندرگاہ، کشادہ بازاروں، صاف شفّاف سڑکوں، بلند و بالا عمارتوں، عظیم الشّان گرجاگھروں اور لاتعداد حماموں کی وجہ سے مشہور تھا۔ اپنے مضبوط قلعوں اور قدرتی حصار کے باعث یہ شہر صدیوں تک بلغارویوں، روسیوں، سلادیوں، ایرانیوں، عربوں اور ترکوں کے مقابلے میں چٹان کی طرح جما رہا اور کوئی حملہ آور بھی اس پر قابض ہونے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ قسطنطنیہ بے شمار خصوصیات کا حامل تھا،

1: حمید الدین، ڈاکٹر۔ تاریخ اسلام، ص27، فیروز سنز، لاہور۔ 1987ء

2: جعفری، رئیس احمد، سفر نامہ ابن بطوطہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ص123، 1976ء

اِن خصوصیات کی وجہ سے عربوں اور ترکوں کی نظریں رہ رہ کر اس شہر پر پڑتی تھیں اور وہ اِسے اپنی عملداری میں لینے اور مسیحی دنیا کی بجائے عالمِ اسلام کا مرکز بنانے کے لئے بے تاب تھے۔[1]

قسطنطنیہ کی عظمت اور فضیلت کا اندازہ اِس بات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے قسطنطنیہ فتح ہونے کی بشارت دی اور فتح کرنے والی فوج اور اُس کے امیر کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لتفتحن القسطنطنية و لنعم الجيش تلك الجيش و لنعم الامير اميرها))[2]

تم یقیناً قسطنطنیہ فتح کر لوگے، یہ فاتح فوج بھی بہت خوب اور اچھی ہوگی اور ان کا امیر (البحر) بھی بہت اچھا ہوگا۔

قسطنطنیہ کی فتح میں بحریہ کا کردار

قسطنطنیہ کی فتح اور اس کی طرف جہادی غرض سے پیش قدمی مسلمانوں کے لئے ایک اہم امر تھا کیونکہ ان کے پیش نظر نبی اکرم ﷺ کی پیشن گوئی اور اس میں شمولیت کا اجر و ثواب تھا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے اپنے بڑے ہدف قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے بحری فوج کی روانگی یقینی بنائی۔ قسطنطنیہ کی فتح میں شمولیت کی فضیلت کے متعلق نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((أولُ جيشٍ مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبونَ البَحْرَ قَدْ أَوْجبُوا ، وأَوَّلُ جَيْشٍ مِنْ أمتي يغزونَ مدينةَ قيصرَ مغفورٌ لهم))[3]

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا کہ: میری امّت کا سب سے پہلا لشکر جو سمندر میں سوار ہوگا اس پر جنت واجب ہے اور میری امّت کا سب سے پہلا لشکر جو قیصر کے شہر پر چڑھائی کرے گا ان کی مغفرت یقینی ہے۔

1: محمد مصطفیٰ صفوت، ڈاکٹر، سلطان محمد الفاتح، مکتبہ میری لائبریری لاہور، ص3، 1973ء

2: احمد بن حنبل، المسند، ج3، ص210۔ (حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین کا اختلاف ہے، امام حاکم اور امام ذھبی نے اسے صحیح جب کہ شیخ البانی اور ارنؤوط نے ضعیف قرار دیا ہے) (تحقیق المسند، شیخ ارناؤوط)

3: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری، الصحیح البخاری، کتاب الجہاد، ج2، ص110، حدیث نمبر2562

لہٰذا اسی سعادت کے حصول کی خاطر اور وعدۂ مغفرت کے شوق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ[1]، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ[2]، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ[3]، ابو ایوب رضی اللہ عنہ انصاری[4] اور دیگر کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لشکر میں شریک ہوئے۔ جس سے ایک عظیم الشان لشکر مرتّب ہو گیا تو سفیان بن عوف کی ماتحتی میں اپنے بیٹے یزید کو بھی جو صائفہ فوج کا افسر تھا ایک حصّہ فوج کا سپہ سالار بنا کر روانہ کیا۔[5]

قسطنطنیہ پر حملے کا حال سعید احمد اکبر آبادی مختصراً یوں بیان کرتے ہیں:

> قسطنطنیہ پر خشکی اور سمندر دونوں اطراف سے حملہ کیا گیا، بری فوج کی کمان عبدالرحمٰن بن خالد رضی اللہ عنہ بن ولید کر رہے تھے اور بحری بیڑہ حسبِ سابق بسر بن ارطاۃ کی کمان میں تھا یہ بیڑہ بحر مامورہ تک پہنچ چکا تھا لیکن موسم سرما کی شدّت کے باعث یہاں کوئی کاروائی نہ کی جا سکی اور مسلمانوں نے سردی کا موسم اناطولیہ میں گزارا، اس کے بعد حضرت امیر معاویہؓ نے 48 ہجری میں بڑے ساز و سامان کے ساتھ حملہ کی تیاریاں شروع کیں۔ شام اور مصر کی بندرگاہوں میں فضیلہ بن عبید اللہ انصاری کی قیادت میں ایک بڑا بحری بیڑا متعین کیا جو اناطولیہ کو عبور کرتا ہوا کلسیڈون تک فتوحات کرتا چلا گیا۔[6]

چونکہ کامیابی کا سلسلہ ابھی جاری تھا اور اس سفر کو یہاں روکا نہیں جا سکتا تھا لہٰذا مزید تیاری کی گئی اور آئندہ سال پھر لشکر کشی کا فیصلہ ہوا۔

دوسرے سال 49 ہجری میں سفیان بن عوف الازدی رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت ایک بڑی فوج قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے بھیجی گئی۔ مسلمانوں نے کئی دن تک اپنی بری اور بحری فوجوں کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیے رکھا اور صبح و شام

1: عبداللہ بن عمر بن الخطاب، ابو عبدالرحمٰن۔ اپنے والد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ ہجرت کی، جنگ خندق میں شرکت کی، فقہاء صحابہ میں شمار ہوتا ہے۔ (دیکھیے الاعلام للزرکلی، ج4، ص246)

2: عبداللہ بن زبیر بن العوام ہجرت کے بعد مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے پیدا ہونے والے، مکہ مکرمہ میں حجاج کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ (دیکھیے الاعلام للزرکلی، ج4، ص218)

3: عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، قریشی ہاشمی، مفسّرِ قرآن، جنگ جمل میں شریک ہوئے، طائف میں وفات پائی۔ (دیکھیے الاعلام للزرکلی)

4: ابو ایوب انصاری صحابی، قبیلہ خزرج کے خاندان نجار سے تھے، تمام غزوات میں شریک رہے، غزوہ روم کے سفر جہاد میں بیمار ہوئے، اسی میں وفات پائی اور قسطنطنیہ میں مدفون ہیں، (ابنِ حجر، الإصابــــــة، ج2، ص90)

5: الحمیری، ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، الروضۃ المعطار فی خبر الاقطار، مؤسسۃ ناصر للثقافۃ، بیروت، لبنان، ص 541

6: اکبر آبادی، سعید احمد، مسلمانوں کا عروج و زوال، ص64,65۔ المحمود اکیڈمی، لاہور۔ 1988

برابر حملے کرتے رہے، حضرت ابوایوب انصاریؓ اور عبدالعزیز زرارہ کلبیؓ اس معرکے میں شہید ہوگئے لیکن اس مرتبہ بھی یہ شہر فتح نہ ہوسکا اور مسلمانوں کو ناکام لوٹنا پڑا۔[1]

ان لگاتار اور مسلسل حملوں کے بعد اگرچہ مسلم افواج اس شہر کو فتح نہ کرسکیں لیکن اس کا اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ رومی افواج نے مسلمانوں کے واپس چلے جانے کو غنیمت جانا اور خاص طور پر ان متواتر حملوں کا یہ اثر ہوا کہ اس کے بعد قیصر کی طرف سے کسی حملے کا خطرہ بالکل ختم ہوگیا اور وہ تمام خطے جو ابھی تک مسلمانوں اور نصاریٰ کے درمیان متنازعہ تھے وہ مستقل بنیادوں پر مسلمانوں کے تصرف میں آگئے اور عیسائیوں کی طرف سے اب ان علاقوں میں دوبارہ کسی چھیڑ چھاڑ کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا۔

محاصرہ قسطنطنیہ پر گلب جان نے اس کی ناکامی پر جو تبصرہ کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

Thus if the effort and the armament expended in vain attacks on the walls of Constantinople had been used elsewhere, they might well have sufficed to conquer Italy, Spain and perhaps France. It is true that Spain was indeed to be conquered some forty years later, but by that time the pristine enthusiasm of the Arabs had yet further waned and their reputation no longer terrorized the world. But in 661 their fame was still terrible and they had never been defeated. If then they had occupied Italy , Spain and France, Constantinople itself could not have survived longer.[2]

اگر وہ کوشش اور آلات حرب جو قسطنطنیہ کی دیواروں پر ناکام حملوں میں ضائع و برباد ہوئے کسی اَور جگہ استعمال کئے جاتے تو وہ اٹلی، اسپین اور شاید فرانس تک کو فتح کرنے کے لئے کافی ہوسکتے تھے۔ یہ درست ہے کہ اسپین بے شک اس کے تقریباً چالیس سال بعد فتح ہوگیا لیکن اس وقت عربوں کا وہ ابتدائی جوش و خروش پہلے سے کچھ اَور کم ہوگیا تھا اور دنیا اب ان کی شہرت و ناموری سے خوف و دہشت میں مبتلا نہیں ہوتی تھی لیکن 661 عیسوی میں ان کی شہرت ابھی تک بڑی خوفناک تھی اور انہوں نے کبھی شکست بھی نہیں کھائی تھی۔ اگر وہ اس وقت اٹلی، اسپین اور فرانس کو فتح کرلیتے تو قسطنطنیہ کا وجود بھی زیادہ عرصہ تک قائم نہیں رہ سکتا تھا۔

1: اکبر شاہ، نجیب آبادی، تاریخ اسلام، ج 2، ص36-37 ، مرکز القادسیہ، چوبرجی لاہور۔1426ھ

2: Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Great Arab Conquests, P: 290, London, 1963

مسلم بحریہ کا سسلی پر حملہ

اٹلی کا ایک خود مختار علاقہ اور بحیرہ روم کا سب سے بڑا جزیرہ سسلی (Sicily) یا صقلیہ ہے جسے ہسپانوی زبان میں Sicilian اور عربی میں صقلیہ کہتے ہیں۔ اس کا رقبہ 25 ہزار 700 مربع کلومیٹر اور آبادی 50 لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ صقلیہ مشرق میں آبنائے مسینا کے ذریعے اٹلی سے کٹا ہوا ہے۔ جزیرے پر واقع آتش فشاں پہاڑ ایٹنا 3 ہزار 320 میٹر (10 ہزار 900 فٹ) بلند ہے جو یورپ کا سب سے بلند آتش فشاں ہے۔ یہ دنیا کے متحرک ترین آتش فشاؤں میں سے ایک سمجھا جاتا ہے۔

زمانہ قبل مسیح میں صقلیہ یونانی اور کارتھیج سلطنتوں کے درمیان کشمکش کا مرکز رہا اور یہ کئی صدیوں تک رومی سلطنت کا صوبہ رہا۔ 552ء میں اسے بازنطینیوں نے فتح کرلیا اور 827ء تک یہ بازنطینی سلطنت کا حصہ رہا۔ ہسپانیہ کا مشہور جزیرہ صقلیہ جسے سسلی کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ خلفائے عثمانیہ کے عہد میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ وہ دور تھا جب پورا ہسپانیہ مسلمانوں کے زیر نگین تھا۔

اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں سسلی پر حملے کیے گئے اور دعوت حق اور اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر مسلمان مبلغین و مجاہدین نے اس کا رجوع کیا۔

علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

> حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں سسلی پر بھی حملہ کیا گیا۔ جو کہ سسلی پر مسلمانوں کا دوسرا حملہ تھا، پہلا حملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا تھا جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ نگرانی عمل میں آیا تھا۔ اس وقت افریقہ کے گورنر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے معاویہ بن خدیج الکندی تھے، انہوں نے 46 ہجری میں عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں دو سو جنگی جہازوں کا بیڑہ صقلیہ (سسلی) روانہ کیا، عبد اللہ مذکور کو بحر روم کی جنگوں کا کافی تجربہ تھا چنانچہ صقلیہ پر حملہ کیا جس میں عبد اللہ بن قیس نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور کثیر مالِ غنیمت کے ساتھ افریقہ لوٹ آئے۔[1]

بلاذری کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بحریہ کے استعمال کا شوق و جذبہ عہد عثمانی سے ہی تھا جس کے نتیجے میں اس عہد میں بھی سسلی پر حملہ کیا گیا جس سے خاطر خواہ نتائج بر آمد نہ ہوئے لیکن اب کی بار عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ کی سپہ سالاری میں اُس ہدف کو حاصل کر لیا گیا جس کی تمنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی کیونکہ اس عظیم ہدف کے حصول سے نہ صرف اسلامی مملکت کی سرحدوں میں وسعت آئی بلکہ مال غنیمت کی مد میں ریاست کو معقول مال و دولت بھی ہاتھ آیا جو ریاست کی فلاح و بہبود اور استحکام معیشت کا بنیادی ستون ہے۔

1: احمد بن یحیٰ، بلاذری، فتوح البلدان، ص235، ج1، الموسوعات، مصر، 1319ھ

شاعر مشرق علامہ محمد اقبالؒ جب بحری جہاز کے ذریعے یورپ سے اپنی سرزمین واپس آرہے تھے تو ان کا جہاز صقلیہ کے جزیرے سے بھی گزرا۔ ماضی کی شاندار تاریخ کے حوالے سے ان کے ذہن پر جو اثرات مرتب ہوئے اس کا اظہار اشعار کی صورت میں کیا، آپ فرماتے ہیں:

تھا یہاں ہنگامہ ان صحرا نشینوں کا کبھی
بحر بازی گاہ تھا جن کے سفینوں کا کبھی
آہ اے سسلی! سمندر کی ہے تجھ سے آبرو
رہنما کی طرح اس پانی کے صحرا میں ہے تو
ہو سبک چشم مسافر پر ترا منظر مدام
موج رقصاں تیرے ساحل کی چٹانوں پر مدام[1]
ہے ترے آثار میں پوشیدہ کس کی داستاں
تیرے ساحل کی خموشی میں ہے انداز بیاں[2]

جزیرہ رہوڈس کی فتح میں بحریہ کا کردار

سسلی کی فتح سے مجاہدین اسلام کے حوصلے مزید بلند ہوگئے اور وہ جذبہ جہاد و ایمان سے سرشار آگے بڑھتے چلے گئے چنانچہ مسلم بحری فوج کا اگلا ہدف جزیرہ رہوڈس[3] تھا جو کہ بحیرہ روم کا ایک اہم جزیرہ ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں فتح ہوا جس میں مسلم بحری بیڑے کو نمایاں کامیابی ملی۔ مشہور مؤرّخ علامہ بلاذری اس فتح کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں:

1: اشعار بالا میں علامہ محمد اقبالؒ جزیرہ سسلی کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: بے شک اے سسلی! سمندر کا وقار اور عظمت تیرے ہی دم سے ہے۔ اگر سمندر کو پانی کا ایک صحرائے بیکراں تصور کر لیا جائے تو تیرا وجود اس صحرا میں بھٹکے ہوئے جہازوں اور مسافروں کے لیے ایک رہنما کی حیثیت کا حامل ہے۔ اے سسلی! تیرا وجود اس ماحول میں ایک ایسے تل کی مانند ہے جو خوبصورت چہروں پر زیب و زینت کا باعث ہوتا ہے۔ رات کے لمحات میں تیری روشنیاں جہاز رانوں کیلئے اطمینان اور رہنمائی کا سبب بنتی ہیں۔ اے سسلی! خدا کرے اس سمندر میں تیرا وجود ہمیشہ برقرار رہے اور اہل مسافرت کے لیے تو ہمیشہ رہنمائی کے فرائض انجام دیتا رہے اور سمندر کی بپھری ہوئی موجیں ہمیشہ تیرے ساحل کی چٹانوں پر رقص کرتی رہیں۔ اے سسلی! یہ مت بھول کہ تو کبھی اس قوم کی تہذیب سے ہم آہنگ تھا جس کے طنطنے سے ساری دنیا لرزتی تھی۔

2: سر، ڈاکٹر، علامہ محمد اقبال، بانگ درا، حصہ دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982ء

3: رودوش یا روڈس یا رہوڈس یونان کا ایک جزیرہ ہے جو بحرایجیئن میں واقع ہے۔ یہ ترکی کے مغربی ساحلوں سے صرف 11 میل (18 کلومیٹر) دور یونان اور قبرص کے درمیان واقع ہے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دورِ حکومت میں بحر و بر میں حملے کرتے تھے، انہوں نے حضرت جنادۃ بن امیہ الازدی رضی اللہ عنہ کو بحری راستے سے اس جزیرہ پر یلغار کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے اس سر سبز و شاداب جزیرہ کو مسلم بحری مجاہدین کے ذریعہ بزور شمشیر فتح کیا۔[1]

یہاں یہ بات ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہیں ہو گا کہ امیر کے پاس بحری بیڑوں کے ساتھ ساتھ امیر البحر (سمندری جنگ کے ماہرین) افراد کی کمی نہ تھی جیسا کہ ہم ان مختلف فتوحات اور بحری مہموں میں دیکھ رہے ہیں کہ سسلی پر حملہ کے لئے معاویہ بن خدیج الکندی رضی اللہ عنہ متعین ہوئے اور رہوڈس جنادہ بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فتح ہوا۔

جزیرہ اروی پر بحری یلغار

جزیرہ اروی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کچھ اَور بحری سرگرمیوں کے متعلق مؤرخین لکھتے ہیں:

بحری قائد (جنادہ بن امیہ)[2] کے ہاتھوں جزیرہ اروی بھی فتح ہوا، یہ قسطنطنیہ کے قریب واقع ہے، اس کی فتح 54 ہجری بمطابق 674 عیسوی میں ہوئی اور کریٹ پر بھی آپ نے چڑھائی کی لیکن مسلمان اس کو فتح نہ کر سکے کیونکہ ان کی توجہ دوسری فتوحات پر لگی ہوئی تھی۔[3]

علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

جنادہ بن امیہ نے جزیرہ اروی کو فتح کیا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہاں ان مسلمانوں کو آباد کرنے کا حکم دیا جنہوں نے اس کو فتح کیا تھا، ان میں مجاہد اور کعب الاحبار کے بیٹے بھی شامل تھے اور مجاہد نے یہاں قرآنِ مجید کی تعلیم دی۔[4]

مسلم بحریہ کے استحکام میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کاوشوں کا تجزیہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مسلم بحریہ کے قیام اور استحکام کے سلسلے میں درج ذیل خدمات ناقابل فراموش ہیں:

- انہوں نے مسلم بحریہ کو مضبوط سے مضبوط بنانے پر خصوصی توجہ دی اور پہلے سے جاری کاموں کی تشکیل نو اور منصوبہ بندی کی۔

1: البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ج1 ص319

2: جنادہ بن امیہ، الزہرانی، مشہور صحابی رسول ہیں جو مصر کی فتح میں شامل تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو شام کی طرف امیر البحر مقرر کیا اور آپ نے 78 ھجری میں وفات پائی۔ (الاستیعاب، ابن عبد البر، ج 1، ص74)

3: نصولی، انیس زکریا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، ص40۔ مکتبہ میری لائبریری، لاہور 1976

4: البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ج1، ص220

- جہاز سازی کے کارخانوں کی تعمیر و ترقی کا کام اَور زیادہ منظّم کیا گیا اور اس عمل کو ترجیحی بنیادوں پر استوار کیا گیا۔
- ’’عکا‘‘ اور ’’صور‘‘ کے علاقوں میں بحری جہازوں کے کارخانے قائم گئے۔
- رومیوں کے حملوں کی روک تھام اور ان کے خلاف جنگی کاروائیوں کے لئے کئی اقدامات کیے جس کے پیشِ نظر ’’عکا‘‘ کی بندرگاہ کو بحری سرگرمیوں کے لئے مرکز بنایا۔
- آپ نے پہلی بحری فوج تیار کی جس نے بحیرہ روم پر قیصر کے قبضے کو ختم کر دیا۔
- آپ نے بحیرہ روم کے ساحلوں پر جہاز سازی کی صنعت قائم کی جس نے ابتدائی سالوں ہی میں مسلم بحریہ کو 1700 بحری جنگی جہازوں سے مسلح کر دیا، اس سے دنیا کے اہم ترین سمندروں پر مسلمانوں کے غلبے کا جو آغاز ہوا وہ گیارہ سو برس تک قائم رہا۔
- آپ نے جزیرہ قبرص (Cyprus)، روڈس (Rhodes) اور بعد میں صقلیہ (Sicily) کو بھی فتح کر لیا جو موجودہ اٹلی کا اہم ترین حصّہ ہے، اس طرح یورپ میں مسلمانوں کے قدم پہلی مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے پہنچے جس کی بدولت مسلمانوں کے لئے ان علاقوں میں اشاعت اسلام کی راہیں ہموار ہو گئیں۔[1]
- آپ کے دور میں مفتوحہ علاقوں کا انتظام و انصرام ایسا مثالی تھا کہ جس کی مثال عالمِ اسلام کے دیگر مفتوحہ علاقوں میں نہیں ملتی، کیونکہ آپ کے مفتوحہ علاقوں میں بغاوتیں نہ ہونے کے برابر رہی ہیں جبکہ اس کے برعکس عراق، ایران، خراسان، مصر وغیرہ میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہیں۔

عبد الملک بن مروان (65-86ھ) اور مسلم بحریہ کی توسیع و استحکام

عہدِ بنوامیہ میں خلیفہ عبد الملک بن مروان نے مسلم بحری بیڑے کے قیام کی بدولت اپنے دورِ اقتدار میں خوب اضافہ کیا، اس دور کا سب سے اہم کارنامہ ڈاکیارڈ (Dockyard) اور شپ یارڈ (Ship Yard) کا قیام تھا جہاں بحری جہاز بنائے جاتے تھے، اگرچہ بحری جہاز کے کارخانوں کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ہو چکا تھا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کو مزید بہتر بنایا گیا تھا لیکن عبد الملک بن مروان کے دور میں مسلم بحری بیڑے کو مستحکم اور مضبوط بنیادوں پر کھڑا کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر کام عبد الملک بن مروان کے دور میں شروع ہوا اور ان کارخانوں کا انتظام و انصرام مشہور کمانڈر موسیٰ بن نصیر کی زیرِ نگرانی عمل میں لایا گیا، یہ کارخانے تقریباً بارہ میل (19 کلومیٹر) کے رقبے پر پھیلے ہوئے تھے اور ان میں بڑے بڑے بحری جہاز تیار ہوتے تھے۔

ابنِ قتیبہ ان کارخانوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

1: عبد الکریم السمک، البحریۃ الاسلامیۃ تاریخ نفاخر بہ

موسیٰ بن نصیر نے تیونس کے ساحل پر جہاز سازی کی ایک بہت بڑی صنعت گاہ قائم کی تھی جو بارہ میل کے طویل علاقے پر محیط تھی، وہاں بحری جہاز بنائے جاتے تھے اور جہازرانی کی مشق بھی کرائی جاتی تھی۔[1]

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

بحری جہازوں کے کارخانے قائم کیے گئے اور ایک نہایت مشکل کام کو ایک بربر قوم نے عملی جامہ پہنا کر دم لیا اور بارہ میل (19 کلومیٹر) کی مسافت سے سمندر کاٹ کر لائے اور جہاز سازی کے کارخانوں سے ملا دیا، سردی کے موسم میں جہاز مرمت کے لئے لنگر انداز ہوتے تھے اور گرمیوں کے موسم میں بحری جنگیں جاری رہتی تھیں چنانچہ کمانڈر موسیٰ بن نصیر کے حکم سے سو نئے بحری جہاز تیار ہوئے۔[2]

بحری حکمت عملی کے تحت عبد الملک نے شہر عسقلان آباد کیا اور وہاں قلعہ عسقلان تعمیر کروایا جہاں ہر وقت تین سو فوجی بحری مہمات کے لئے تیار رہتے۔[3]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے دور میں بھی مسلم بحریہ کی بہت زیادہ توسیع ہوئی اور اس کے استحکام کیلئے حد درجہ کوشش کی گئی جن میں ساحلی شہروں کا قیام، جہاز سازی کی صنعتیں، جہاز رانی کی مشقیں اور قلعوں کی تعمیر نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

ولید بن عبد الملک (86-96ھ) کے عہد حکومت میں بحری قوت

ولید بن عبد الملک کے دور میں مسلم بحری بیڑے نے بے شمار ترقی کی منازل طے کیں جس میں اسلامی پرچم چین کی سرحد سے لے کر اسپین تک نہایت ہی شان و شوکت سے لہراتا نظر آتا ہے اور اس پرچم کو عروج اور بلندی عطاء کرنے والے سپہ سالار محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر، طارق بن زیاد، قتیبہ بن مسلم اور مسلم بن عبد الملک جیسی شخصیات تاریخ کا ایک اہم حصّہ ہیں جو بحری قوت میں اضافے کا سبب بنیں۔

ولید بن عبد الملک کے کارناموں اور فتوحات کا تذکرہ کرتے ہوئے امام جلال الدین سیوطیؒ نے امام ذہبی کے ان الفاظ کو نقل کیا ہے:

1: ابنِ قتیبہ، محمد بن عبد اللہ بن مسلم، الامامة و السیاسة، ج2، ص69، دار الاضواء للطباعة و النشر، بیروت، لبنان 1990ء

2: ایضاً، ج2، ص70

3: الحموی، معجم البلدان، ج 4، ص32

ولید کے عہد میں جہاد برابر جاری رہا اور ایسی عظیم فتوحات حاصل ہوئیں کہ ان فتوحات کو دیکھنے کے بعد امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد کی فتوحات کا دور یاد آجاتا ہے۔[1]

در حقیقت ولید بن عبد الملک کا دور انتہائی عروج کا دور تھا، یہی وجہ تھی کہ اندلس کی فتح کے بعد رومیوں کا بحری بیڑہ نہایت ہی کمزور ہو گیا اور دُور کہیں جائے پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہو گیا اور یہ کمزوری چار صدیوں تک قائم رہی، اسی حقیقت کو بیان کرتے ہوئے امام ذہبی اور عصرِ حاضر کے مشہور مؤرّخ شاہ معین الدین لکھتے ہیں:

بحیرہ روم کے ساحل پر خصوصاً شمالی افریقہ میں مسلمانوں کے اتنے مقبوضات تھے کہ بغیر مسلم بحری بیڑے کے استحکام کے ان کی حفاظت نہیں ہو سکتی تھی۔ شمالی افریقہ کے بربروں کی اکثر بغاوتوں میں بحیرہ روم کے جزائر کے باشندوں کا بھی ہاتھ ہوتا تھا، اس لئے ولید کے زمانے میں ادھر توجہ ہوئی اور 88 ہجری میں جزیرہ میورقہ اور منورقہ اور قلعہ طوانہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلم بحری بیڑے کی بدولت فتح ہوئے۔[2]

بحری فوج کی ترقی اور مسلم بحری بیڑے کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین لکھتے ہیں:

ولید کے دورِ حکومت میں سمندری طاقت کمال کو پہنچ گئی۔ موسیٰ بن نصیر حاکمِ افریقہ نے بحری جہاز سازی کے لئے کارخانے قائم کیے اور انہی بحری جہازوں کی بدولت سندھ اور اندلس کی شاندار فتوحات عمل میں آئیں۔[3]

الغرض ولید بن عبد الملک کے دور کو بحری بیڑے کا یادگار دور سمجھا جاتا ہے، فوجی نظام میں بے حد وسعت ہوئی اور خصوصی طور پر بحری بیڑے کو طاقتور بنانے کے لئے وسائل مہیّا کیے گئے اور مسلم بحری بیڑہ طاقتور بن گیا۔

سلیمان بن عبد الملک (97-99ھ) کے دور حکومت میں بحریہ کا ارتقاء

ولید بن عبد الملک کی وفات کے بعد ان کا حقیقی بھائی سلیمان تختِ خلافت پر متمکن ہوا جنہوں نے بحری بیڑے کو مضبوط کرنے کے لئے جہاز رانی اور جہاز سازی کے شعبے میں نمایاں خدمات سرانجام دیں، ان کے پاس اعلیٰ تربیت یافتہ اور

1: السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، ص224، پروگریسو بکس، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔ اشاعت دوئم، (مترجم حضرت شمس بریلویؒ) 2012ء

2: (الف) الذہبی، ابو عبید اللہ محمد بن احمد، دول الاسلام، ج1، ص45، دار صادر، بیروت 1999ء

(ب) ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخِ اسلام، ج2، ص496، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔ 1979ء

3: حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، ص239

منظّم بری فوج کے علاوہ بحری فوج بھی کثیر تعداد میں موجود تھی، جدید طرز کا جنگی ساز و سامان اور بحری جہاز سازی کے بہترین کارخانے اس کے پاس تھے۔ جن کی بدولت بحری قوت میں مزید اضافہ ہوا۔

سلیمان بن عبد الملک ایک دور اندیش حکمران تھا لہٰذا اس نے تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد قسطنطنیہ پر حملے کا مصمّم ارادہ کر لیا، اس نے اپنے بھائی مسلمہ بن عبد الملک کو امیر البحر مقرر کیا۔ اس حوالے سے امام محمد بن جریر طبری اور ابن الاثیر لکھتے ہیں:

> جب سلیمان بن عبد الملک تختِ خلافت پر متمکن ہوا تو اس نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے کی زبردست کوششیں شروع کر دیں، بہت سے بحری جہاز بنائے اور عمر بن ہبیرہ الغزاوی کو 98ہجری میں بلادِ روم کی طرف روانہ کیا۔[1]

مسلم بحری افواج کے خلاف بزنطینیوں نے اپنی جنگی حکمتِ عملی کی بناء پر بھرپور فائدہ اٹھایا اگرچہ مسلمانوں نے آخری دم تک محاصرہ قائم رکھا، ان کو کس قدر تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، اس کا اندازہ ابن الاثیر کے اس بیان سے لگایا جا سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

> عربوں کی افواج کے پاس خوراک اور رسد کی کمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے نہ صرف اپنے جانوروں کا گوشت کھایا بلکہ کھالیں، درخت کی جڑیں اور بلاشبہ ہر وہ چیز جو انہیں مٹی کے علاوہ دستیاب تھی، کھانے پر مجبور ہو گئے۔[2]

مسلمانوں کا یہ محاصرہ سلیمان بن عبد الملک کے عہد تک قائم رہا یہاں تک کہ وہ انتقال کر گئے۔ اور عنان خلافت ہشام بن عبد الملک کی سپرد ہوئی۔

ہشام بن عبد الملک(105-124ھ) اور مسلم بحریہ

سلیمان بن عبد الملک کے بعد اُموی حکمرانوں میں سے جس حکمران نے فوجی طاقت کو مضبوط کرنے اور مسلم بحری بیڑوں کو مستحکم کرنے پر بھرپور توجہ دی وہ ہشام بن عبد الملک تھا، انہوں نے اپنی وسیع و عریض سلطنت حیرت انگیز حد تک ایک قلیل عرصے میں فتح و نصرت سے ہمکنار کر لی۔ ہشام کے عہد میں بحری بیڑے کے کارہائے نمایاں کے ساتھ ساتھ جہاز سازی کے نئے کارخانے بھی تعمیر کیے گئے چنانچہ شاہ معین الدین لکھتے ہیں:

1: الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک، ص113، ج8

2: ابن الاثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ، ج5، ص28

ادھر عرصہ سے بحیرہ روم کی مہمات بھی رکی ہوئی تھیں، اب ہشام نے جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کیے، بحری بیڑے کو ترقی دی اور 117 ہجری میں حبیب بن عبیدہ کو جزیرہ سردانیہ کی مہم پر مامور کیا، وہ حملہ کرکے کامیاب واپس آیا۔[1]

ہشام کے دورِ حکومت میں مسلم بحری بیڑے نے صقلیہ پر حملہ کیا جس کے بارے ابن الاثیر یوں رقمطراز ہیں:

> 122 ہجری میں حبیب کو جزیرہ صقلیہ کی مہم پر بھیجا گیا، مسلم بحری بیڑہ صقلیہ کے پایہ تخت سرقوسہ کی جانب جو ساحل کی طرف تھا، لنگر انداز ہوا۔ خشکی پر اترنے کے ساتھ ہی حبیب کے بہادر فرزند عبدالرحمٰن نے رومیوں کو شکست دے کر سرقوسہ کا محاصرہ کیا۔ حبیب کا ارادہ تھا کہ مکمل جزیرہ کو فتح کرنے کے بعد واپس لوٹے لیکن ان ہی دنوں میں شمالی افریقہ کے بربروں نے سخت بغاوت کر دی اس لئے ابنِ ہشام نے حبیب کو واپس بلالیا۔[2]

معلوم ہوا کہ ہشام بن عبدالملک کے دور حکومت میں بحیرہ روم کی مہمات اور جہاز سازی کے نئے کارخانوں پر بھرپور توجہ دی گئی اور بحری بیڑے کی ترقی کے لئے شمالی افریقہ میں جہاز سازی کے نئے کارخانے قائم کیے گئے اور اس طرح بحیرہ روم میں کامیاب بحری مہمات کا سلسلہ جاری رہا اور اسلامی فتوحات میں متاثر کن اضافہ ہوا۔

عہدِ بنوامیہ اپنی شاندار فتوحات اور بعض دیگر خصوصیات کے باعث تاریخِ اسلام میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے، اگر اس عہد کے مسلمانوں کا بحیثیت ایک قوم کے دنیا کی دوسری متمدّن سے متمدّن قوموں کے ساتھ مقابلہ و موازنہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان اپنے عقائد و افکار، اعمال و اخلاق، معاشرت و معاملات کے اعتبار سے اب بھی دنیا کی بہترین قوم تھے۔

بنوامیہ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی تہذیب کو خالص عربی تہذیب رکھا۔ ایرانی، یونانی، ترک اور تاتار، ہندی اور چینی، غرض یہ کہ دنیا کی مختلف قومیں مسلمان ہو ہو کر عربوں کے ساتھ رہنے سہنے لگی تھیں لیکن عربوں کی تہذیب نے نو مسلم قوموں کو متاثر کیا، خود عرب ان کی تہذیب سے متاثر نہیں ہوئے۔ یہی سبب ہے کہ فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرت بھی عالمگیر ہوتی رہی اور جہاں جہاں مسلمانوں کا پرچمِ فتح و نصرت لہرایا وہاں مسجدیں تعمیر ہو کر آباد ہوئیں۔[3]

1: ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ص586، ج2، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔ 1979ء

2: ابن الاثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ، دار الفکر بیروت، لبنان، ج5، ص70

3: اسبابِ عروج وزوالِ امت، مجلہ برہان، ص19، اپریل 1942ء

اموی دور کے بحری جہاز اور کشتیاں روم کے بحری جہازوں اور کشتیوں کے مشابہ تھے اور بحیرہ روم پر مسلمانوں کے تسلط کے بعد شام کے کارخانوں میں بحری جہاز اور کشتیاں بنتی تھیں، اموی عہدِ حکومت میں کئی قسم کی کشتیاں اور بحری جہاز تھے، کچھ کشتیاں اسلحہ لانے اور لے جانے کے لئے مخصوص تھیں اور بعض جنگی استعمال کیلئے تھیں۔ معدودے چند دریائے نیل میں ساز سامان کی نقل وحمل پر مامور تھیں۔ جبکہ کچھ کشتیاں ساحلی حدود کی نگرانی کی غرض سے بحیرہ روم میں چلتی تھیں۔ [1]

1: محمد نواز، ڈاکٹر، اسلامی بحریہ، ص260، دائرہ معارف البحریہ، کراچی، 2004ء

فصل دوئم:

عہدِ بنو عباس میں مسلم بحریہ

یہ فصل درج مباحث پر مشتمل ہے:

- بنو عباس کا تعارف
- عہد بنی عباس اور بحری قوت
- عہد بنی عباس اور بحری تجارت
- خلیفہ ہارون الرشید کے عہد میں بحری بیڑہ
- خلیفہ مامون الرشید اور مسلم بحریہ

بنو عباس کا تعارف

آل عباس نبی اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی اولاد ہیں، ابتداء میں آل عباس کو خلافت اور ملکی سیاست میں کوئی دلچسپی نہ تھی، لیکن بنو امیہ کے خاندانی تعصب اور مسلسل جور و ستم کی وجہ سے بنو عباس نے خلافت کے معاملات پر غور و فکر کرنا شروع کر دیا اور ملک کے ہر کونے پر بنو امیہ کے خلاف آوازیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ بالخصوص عہد یزید میں واقعے کربلا کے بعد اس تحریک نے زور پکڑ لیا، جس کی باگ ڈور ابو مسلم خراسانی کے ہاتھوں میں تھی۔

خلافتِ عباسیہ کا قیام اموی خلافت کے خاتمے پر عمل میں آیا اور اس کا دورِ اقتدار صدیوں پر محیط ہے۔ عباسی دورِ حکومت اسلامی عہد کا سب سے زیادہ شاندار اور سنہری عہد مانا جاتا ہے۔ اس عہدِ حکومت میں صرف اندرونی طور پر ہی تبدیلیاں نہیں آئیں بلکہ عالمی سطح پر بھی اس کے اثرات نہایت ہمہ گیر اور وسعت پذیر تھے، اس عظیم الشان عہدِ حکومت کے بعد مسلمانوں کا جاہ و جلال اور اسلامی عظمت رو بہ زوال ہونا شروع ہو گئی اور پوری دنیا پر اس کی برتری کا منصب اس سے چھننے لگا۔

یوں تو رعایا کے کئی طبقے امویوں کی غیر شرعی حکومت کے برخلاف تھے مگر جس تحریک نے امویوں کی حکومت کا تختہ الٹ دیا وہ تاریخ میں عباسی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔ اموی خلیفہ ہشام کے زمانے میں محمد بن الحنفیہ کے بیٹے ابو ہاشم نے اپنی وفات سے پہلے امامت کے تمام حقوق حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد بن علی کو سونپ دیئے۔ اس طرح شیعان علی کی قیادت کا منصب آلِ عباس میں منتقل ہو گیا۔[1]

عہد بنی عباس اور بحری قوت

بنو عباس کے عہدِ حکومت میں بھی اسلامی بحری بیڑے کی ترقی و توسیع برابر جاری رہی، عباسی خلیفہ ہارون الرشید اور اس کا بیٹا مامون الرشید اس خاندان کے سب سے مشہور اور اہم فرماں روا گزرے ہیں جنہوں نے بحری بیڑے پر خصوصی توجہ دی اور جنوبی سمندر سے مطمئن ہو کر شمالی سمندر یعنی بحیرہ روم کی طرف سے آنے والے خطرات کو بھانپ کر بھرپور جوابی حملے کی تیاری کی۔

132 ہجری میں بنو اُمیہ کے دورِ حکومت کے فوراً بعد مسلمانوں کی حکومت بنو عباس کی طرف منتقل ہوئی تو عباسیوں نے اپنی نئی پالیسی اپناتے ہوئے دار الخلافہ شام کی بجائے عراق کو بنایا جس سے بحیرہ روم کے علاوہ خلیج فارس، بحر ہند اور بحیرہ عرب کو زیادہ قربت حاصل ہوئی۔

1: محمد رضا خان، قدیم و جدید تاریخ مسلمانانِ عالم، ص 235، علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور۔ 1972ء

امویوں کے عہد میں بحری بیڑہ کافی مضبوط تھا اور عہدِ بنوعباس میں بحری قوت کی ترقی کے ساتھ ساتھ بحری تجارت کو بھی نہایت فروغ حاصل ہوا۔ بنوعباس کی حکومت ابو جعفر منصور کے عہد سے مضبوط اور مستحکم ہونا شروع ہوئی۔ اب چونکہ دار الحکومت شام کی بجائے بغداد منتقل ہو چکا تھا جس کے قریب دجلہ، فرات اور خلیج فارس واقع تھے اِن کی قربت کی وجہ سے مشرقی بحری تجارت کو بہت زیادہ ترقی ملی اور یہ پوری دنیا کیلئے تجارتی مرکز بن گیا۔ علامہ یعقوبی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ابو جعفر منصور (95- 158ھ) نے اس مقام (بغداد) کو اس لئے پسند کیا کہ یہ دجلہ و فرات کے درمیان ایک جزیرہ تھا اسی کے مشرق میں دجلہ اور مغرب میں فرات تمام دنیا کے گھاٹ ہیں۔[1]

بغداد شہر جس کو تجارت کا مرکز سمجھا جاتا تھا، خصوصاً بحری تاجروں کے لئے بہت سہولتیں پیدا کی گئیں اور بحری جہازوں کی آمد و رفت کو مسلسل جاری رکھنے کے لئے دریاوں سے کئی نہریں صرف تجارتی غرض کے لئے نکالی گئی تھیں۔ اس کے علاوہ بھی مسلم بحریہ کے لئے بہت سے اہم اقدامات کیے گئے۔ عہدِ بنوعباس میں عربوں کا تجارتی ذوق و شوق پہلے سے نمایاں نظر آتا ہے جس کی وجہ سے بحری تجارتی بیڑوں کا مضبوط ہونا ہے، اس کی دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عربوں کو اموی عہدِ حکومت میں جو سول اور فوجی عہدے اور مناصب حاصل تھے وہ بنوعباس کے عہد میں ان سے چھین لئے گئے تھے، پہلے سول عہدوں پر 133 ہجری میں اہلِ فارس نے قبضہ کیا اور عربوں کے ہاتھوں میں صرف فوجی خدمات رہ گئیں، چنانچہ بحری تجارت کے ساتھ ساتھ بحری فتوحات کا سلسلہ بھی جاری و ساری رہا۔ اس حوالے سے ابن الاثیر اور علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

159 ہجری میں خلیفہ مہدی عباسی کے عہد میں عربوں نے گجرات کے سواحل پر بحری حملہ کیا، جس کے نگران عبد الملک بن شہاب تھے، 160 ہجری میں فوج گجرات کے ساحلی شہر باربد تک پہنچی۔[2]

اور اگر ہم عباسی خلفاء کی تاریخ اور حالات کو دیکھیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ مہدی عباسی خود بھی میدانِ جہاد میں کود پڑے جب رومیوں کے خلاف لڑنے کا وقت آیا اور اپنے بیٹے ہارون الرشید کو قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے بھیجا، چنانچہ ڈاکٹر حمید الدین لکھتے ہیں:

163 ہجری میں مہدی نے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ بہ نفسِ نفیس رومیوں پر حملہ کیا اور اس کے متعدد شہروں پر قبضہ جمالیا اور 165 ہجری میں اس نے اپنے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج کے ساتھ قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے روانہ کیا۔ رومیوں نے نوے ہزار دینار سالانہ خراج ادا کرنے

1: الیعقوبی، احمد بن جعفر، کتاب البلدان، ج4، ص8

2: ابن الاثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ، ص170، ج4۔ ابنِ خلدون، عبد الرحمٰن بن خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، دار الطباعة الخدیونیه، بولاق، مصر، ج3، ص208

کے وعدے پر صلح کر لی لیکن اگلے سال ہی معاہدے کی خلاف ورزی کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا، اس بدعہدی کا مزہ چکھانے کے لئے سلمان بن علی والی جزیرہ جس نے انہیں شکستِ فاش دی اور بہت سامالِ غنیمت لے کر واپس ہوا۔[1]

بحیرہ روم ہمیشہ سے بحری جنگی اور تجارتی جہازوں کا مرکز رہا ہے، بحیرہ روم میں تیونس جو اموی عہدِ حکومت میں بحری قوت کا مرکز تھا کیونکہ یہاں بحری جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم تھے، بنو عباس نے بھی اس بحری طاقت کے مرکز کو قائم رکھا، رومیوں کی شرارتوں کی روک تھام کے لئے اس مرکز کو قائم رکھنے کی از حد ضرورت تھی، یہی وہ جگہ تھی جہاں سے مسلم بحری بیڑہ بحیرہ روم کے جزیروں فرانس اور اٹلی کی بندرگاہوں پر آسانی سے حملے کر سکتا تھا، مسلم بحری بیڑے نے اس سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ افریقی اور یورپی ساحلوں سے اسکندریہ (مصر) تک بحری جنگی جہازوں کی قطاریں لگی رہتی تھیں۔ ان ساحلوں پر مسلم بحری بیڑوں کے کارہائے نمایاں اپنے عروج پر تھے جبکہ بحر ہند، حبش اور چین میں ان کی سرگرمیاں بحری تجارت کے لئے خاص ہو کر رہ گئی تھیں۔

اس عہد حکومت میں ہی بھروچ کے قریب کندھار پر کشتیوں کے ایک بحری بیڑے نے حملہ کر کے بہت سامالِ غنیمت حاصل کر لیا تھا، چنانچہ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

ہشام بن عمرو، ابو جعفر منصور کے عہد میں سندھ کا گورنر تھا، یہ سب سے زیادہ بہادر، دلیر اور باحوصلہ گورنر تھا، اس نے یہاں پہنچتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ جو علاقے فتنہ پردازوں کی فساد انگیزی کے باعث مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گئے تھے ان پر دوبارہ قبضہ کیا۔ پھر کشتیوں کا ایک بحری بیڑہ لے کر بھروچ کے قریب کندھار نامی ایک جگہ پر حملہ آور ہوا، یہاں سے شمال کی طرف پلٹا تو کشمیر پر دھاوا بول دیا اور یہاں سے اسے بہت زیادہ مالِ غنیمت ملا اور پھر اس نے ملتان کا علاقہ فتح کیا۔[2]

اس بحث سے ہم اس نتیجے پر بآسانی پہنچ سکتے ہیں کہ عہد بنو عباس مسلم بحریہ کا سنہری دور تھا، جس میں مسلم بحری افواج برصغیر کی حدود کے اندر کاروائی کرنے لگی تھی۔

عہدِ بنو عباس اور بحری تجارت

عہدِ عباسی میں بحری تجارت پر مسلمان کی توجہ خاص طور پر مرکوز تھی اور عباسی تاجر دنیا کے بیشتر سمندروں میں تجارت کے سلسلہ میں گھومتے پھرتے تھے، اس زمانہ میں مسلمان بصرہ کی بندرگاہ سے دور دور کے ملکوں یعنی چین وغیرہ تک بحری تجارت کرتے تھے۔

1: حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، ص327

2: البلاذری، احمد بن یحیٰ، فتوح البلدان، ج1، ص193

عہدِ عباسی میں بصرہ دنیا کی ایک اہم ترین بندر گاہ تھی، دنیا بھر کے ملکوں کے تجارتی جہاز یہاں ہزاروں کی تعداد میں موجود رہتے اور مسلمان تاجر خود بھی دنیا کے کونے کونے میں اپنا مالِ تجارت لے جاتے اور معاشی ترقی کیلئے فعال کردار ادا کرتے۔ جنرل گلب جان مسلم بحری تجارت کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> بغداد کے بعد دوسرا بڑا تجارتی مرکز بصرہ تھا، بصرہ سمندر کے کنارے پر آباد تھا اور عراق میں بہنے والے دو بڑے دریا دجلہ و فرات وہاں آکر سمندر میں گرتے، اس لئے یہ شہر نہ صرف پانی کے راستے بیرون دریا اور عراق کو باہم ملاتا۔ ان کے تجارتی بحری کاروانوں کو اپنی طرف کھینچتا۔ بصرہ کی اس وقت کی بندر گاہ دنیا کی سب سے بڑی بندر گاہ تھی، وہاں مشرقی ملکوں کے سامان سے لدے ہوئے جہاز ہزاروں کی تعداد میں ہر وقت موجود رہتے، یہی وجہ تھی کہ بصرہ ملکی اور غیر ملکی مصنوعات اور سامانِ تجارت کی خرید و فروخت کا ایک بڑا مرکز بنا۔[1]

بحری تجارت کے حوالے سے برناڈ لیوس لکھتے ہیں:

> سلطنتِ اسلامی کی تجارت بہت بڑی وسعت کی حامل تھی، خلیج فارس کی بندر گاہوں اور بحیرہ قلزم کی بندر گاہوں سے مسلمان تاجر ہندوستان، جزائر شرق الہند اور چین تک کا سفر کرتے اور وہاں سے ریشم، گرم مصالحے، خوشبودار اشیاء اور دوسری تجارت کی چیزیں لاتے جنہیں وہ اپنے گھروں میں بھی استعمال کرتے اور دوسرے ملکوں کو بھی بر آمد کرتے۔ ہندوستان اور چین کے لئے متبادل راستے خشکی پر وسطی ایشیاء میں سے ہو کر گزرتے تھے۔[2]

مسلمانوں کی بحری تجارت کے متعلق فلپ کے ہٹی رقمطراز ہیں:

> بغداد اور دیگر بر آمدی مراکز سے عرب سوداگر کپڑا، جواہرات، دھات کے آئینے اور گرم مصالحے وغیرہ جہازوں میں لاد کر مشرقِ بعید، یورپ اور افریقہ کو لے جاتے تھے، عربوں کے ڈھیروں سکے جو حال ہی میں دور دراز کے شمالی علاقوں اوس، فن لینڈ، سویڈن اور جرمنی میں دستیاب ہوئے ہیں اس دور کے اور اس سے بعد کے زمانہ کے مسلمانوں کی عالمگیر تجارتی سرگرمیوں کی شہادت مہیّا کرتے ہیں۔[3]

1: Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Great Arab Conquests, P: 288-289.342, London, 1963

2: Ibid, P: 87.

3: فلپ کے ہٹی، تاریخ عرب، ص305، نگارشات، لاہور۔ 2002

مسلمانوں کی بحری تجارت کے عروج اور یورپ کی بحری تجارت کے خاتمہ نے ایک دلچسپ اور موجودہ دور کے لحاظ سے تعجب انگیز صورتِ حال پیدا کر دی تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے پاس تو سونے کی اس قدر بہتات ہوگئی تھی کہ ان کے خلفاء اپنے ہتھیاروں اور گھوڑوں کی لگام تک پر سونے کا پانی پھرواتے تھے لیکن مغربی یورپ میں اس کا اس قدر قحط تھا کہ لوگ اس کی شکل کو بھی ترستے تھے، اس سلسلے میں جنرل گلب لکھتا ہے:

> عرب سلطنت اور خاص طور پر عباسی عہدِ حکومت کی بہت ہی زیادہ قابل ذکر باتوں میں سے ایک بات اس دور میں سونے کی غیر معمولی بہتات و فراوانی ہے، نہ صرف یہ کہ خلفاء اس کو سکے ڈھالنے کے لئے استعمال کرتے تھے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہتھیاروں، ان کے گھوڑوں کی لگاموں کے بکسوؤں اور دہانوں پر بھی اس کا ملمع کیا جاتا تھا، وہ سونے اور چاندی کے ظروف میں کھاتے اور پیتے تھے لیکن عین اسی زمانے میں مغربی یورپ میں سونا قریب بالکل نایاب اور ناقابل حصول تھا۔[1]

خلیفہ ہارون الرشید (149- 193ھ) اور مسلم بحری بیڑہ

ہارون الرشید (ابو جعفر) (763ء-809ء) ایک نامور عباسی حکمران تھے، والد کا نام مہدی اور والدہ کا نام خیزران تھا، باپ کی نگرانی میں تربیت پائی، اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد 786ء میں تختِ خلافت سنبھالا۔ ہارون الرشید کا عہدِ خلافت بغاوتوں، شورشوں اور فتوحات کا عہد تھا۔ یحیٰی بن عبد اللہ نے حلوان، سجستان اور خراسان میں بغاوت کی، سمرقند میں ایک فوجی افسر رافع بن لیث نے بغاوت کر کے قبضہ کر لیا لیکن ہارون الرشید نے دانش مندی اور حکمتِ عملی سے تمام شورشوں پر قابو پالیا، فتوحات کے اعتبار سے بھی اس کا عہد مشہور ہے۔[2]

مشہور مؤرخ مسعودی خلیفہ ہارون الرشید کے عمومی حالات کو بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ہارون ہادی کا حقیقی بھائی اور خیزران کے بطن سے تھا، ہادی کی وفات کے بعد اس کی بیعت ہوئی۔ ربیع الاوّل 170 ہجری میں تختِ خلافت پر بیٹھا، اس وقت اس کی عمر 22 سال کی تھی، تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اپنے قدیم محسن اور خیر خواہ یحیٰی بن خالد برمکی کو منصبِ وزارت پر سرفراز کیا، ہارون الرشید کا عہد دولتِ عباسیہ کا اوج شباب تھا، اس نے مسند نشینی کے پہلے سال حج بیت اللہ

1: Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Great Arab Conquests, P: 105 , London, 1963

2: سیوطی، جلال الدین عبد الرحمن بی ابکر، تاریخ الخلفاء، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، 2013، ص456

کا شرف حاصل کیا اور حرمین کے باشندوں پر انعام واکرام کی بارش کی۔ آلِ علیؓ پر سے قید وبند اٹھا کر ان کو مدینہ میں سکونت کی اجازت دی۔[1]

عہدِ بنو عباس میں مسلم بحری بیڑے نے مصر اور شام میں جاری جہازرانی اور جہاز سازی کے کام کو مزید ترقی دی اور بزنطینی بحری قوت کو صلح نامہ اور معاہدہ توڑنے کی زبردست سزا دی جس کی تفصیل امام سیوطی نے اس طرح بیان کی ہے:

187 ہجری میں بادشاہ روما نقفور نے ہارون الرشید کو ایک تہدید آمیز خط ارسال کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں اور ملکہ روما کے درمیان جو صلح نامہ تھا اسے فوراً ختم کیا جاتا ہے۔[2]

ہارون الرشید نے اس خط کا جواب دیا جس کو امام سیوطی یوں نقل کرتے ہیں:

اے کفر اختیار کرنے والے! میں نے تمہارا خط پڑھا، جواب تم سنو گے نہیں بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے۔ یہ جواب لکھ کر ہارون الرشید اسی روز روانہ ہو گیا اور یلغار کرتا ہوا شہر ہرقل میں پہنچ گیا اور وہاں نقفور اور ہارون کے درمیان زبردست جنگی معرکہ ہوا جو آج تک مشہور ہے، غرض کہ ہارون الرشید کو فتح ہوئی اور شہنشاہِ روما نے صلح کی درخواست کی اور سالانہ خراج ادا کرنے کا اقرار کیا جسے ہارون الرشید نے قبول کر لیا۔[3]

خلفاء بنی عباس میں ہارون الرشید ایک نڈر اور بہادر جرنیل تھا جس نے 190 ہجری میں شہر ہرقل فتح کیا اور سلطنتِ روما میں اسلامی فوج پھیلا دی گئی، خلفائے بن عباس میں ہارون الرشید پہلا حکمران تھا جس نے خاص طور پر مسلم بحریہ کی طرف خصوصی توجہ دی چنانچہ علامہ بلاذری لکھتے ہیں:

امیر المؤمنین ہارون الرشید نے اسلامی جنگوں میں حصّہ لیا اور جہاد کے میدان میں بڑے بڑے معرکے سر کیے، بحری جہاز بنانے کے اتنے اچھے کارخانے بنائے کہ اس سے پہلے اتنے اچھے کارخانے بنو عباس کے کسی حکمران نے نہیں بنائے، اس نے ساحلی علاقوں کی حفاظت کا شاندار انتظام کیا اور اہلِ روم کے ساتھ اس نے ساحلوں پر بحری جہازوں کو ٹھیک کرنے کا بہت اچھا نظام قائم کیا اور اس کی بحری فوج دشمن کے ہر مقابلہ کے لئے تیار رہتی تھی۔[4]

1: مسعودی، ابوالحسن بن علی، مروج الذھب ومعادن الجوہر، المکتبۃ العصریہ، بیروت، ج4، ص196، اشاعت 2005

2: السیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، ص268، پروگریسو بکس، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔ 2012ء اشاعت دوئم، (مترجم حضرت شمس بریلویؒ)

3: ایضاً

4: البلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ج1، ص193

خلیفہ ہارون الرشید نے حمید بن معیوف کو ساحلوں کے انتظامات کا ذمہ دار بنایا اور 190 ہجری میں قبرص فتح ہوا جس میں دشمن کو تہ و تیغ کیا گیا، اس حوالے سے بات کو بیان کرتے ہوئے امام طبری، ابن الاثیر اور جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں:

ہارون الرشید نے حمید بن معیوف کو 190 ہجری میں شام اور مصر کے ساحلوں کا ذمہ دار بنایا اور اسی سال اس نے قبرص پر حملہ کیا جو بحیرہ روم کا ایک اہم جزیرہ تھا، اس نے قبرص پہنچ کر اہلِ قبرص کو سخت سزائیں دیں کیونکہ انہوں نے عہد شکنی کی تھی، اس نے عمارتیں منہدم کر دیں، شہر کو آگ لگا دی اور قبرص فتح کر کے سولہ ہزار قبرصی گرفتار کیے۔[1]

اس سے پتہ چلا کہ ہارون الرشید کے عہد میں بھی بحریہ کی مضبوطی اور اس کے ارتقاء کیلئے جدوجہد جاری رکھی گئی۔ حمید بن معیوف کے اس حملے اور اس کی اہمیت سے متعلق بلاذری لکھتے ہیں:

حمید بن معیوف الہمدانی جو کہ ہارون الرشید کے عہدِ حکومت میں بحرِ شام کے ساحلی علاقوں کے منتظم تھے، انہوں نے قسطنطنیہ پر حملہ کیا اور شہر کا ایک حصّہ فتح کر لیا۔[2]

ہارون الرشید کے دورِ حکومت میں سمندری حدود کے جنوبی حصّے یعنی بحرِ ہند کی طرف سے ہارون کو کوئی خطرہ نہ تھا، بحرِ ہند سے اس وقت سب سے زیادہ نفع عرب تاجر ہی اٹھا رہے تھے، وہ بحری جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر شمالی ہند کی بندرگاہ دیبل اور جنوبی ہند کی بندرگاہ کالی کٹ تک پہنچتے، وہاں سے سری لنکا اور ملائیشیا سے ہوتے ہوئے چین تک اپنی اشیاء فروخت کرتے جاتے تھے، ہارون الرشید ان بحری تاجروں کی حوصلہ افزائی کرتا تھا اور اس کے علاوہ ہارون الرشید کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے بحری جہازوں کا ایک مسلم بیڑہ تیار کیا ہوا تھا جس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ بحیرہ روم میں گشت کرتا رہے اور دشمنوں کی حرکات و سکنات سے آگاہ رہے، اسی مسلم بحری بیڑے کے بل بوتے پر یورپ کے کئی ساحلوں پر کامیاب یلغاریں کی گئیں، اس حوالے سے عمیر ابو النصر اپنی کتاب ''الہارون'' میں لکھتے ہیں:

جب 184 ہجری بمطابق 800 عیسوی میں مسلم حکمران ہارون الرشید نے ابراہیم بن اغلب کو افریقہ کا والی مقرر کیا تو اس نے وہاں پہنچ کر بحری جہازوں کا ایک مسلم بیڑہ تیار کیا، یہ نیا مسلم بحری بیڑہ پورے بحیرہ روم میں حکومت کرتا تھا اور ہارون الرشید کے عہد میں یہ دونوں مسلم

1: الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، (مشہور بہ تاریخ طبری) ص99، ج10 (ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی) نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی۔ 2004، السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، ص268، ابن الاثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ، ج6، ص196

2: البلاذری، احمد بن یحییٰ، فتوح البلدان، ج1، ص289

بحری بیڑے سارے بحیرہ روم میں گشت کرتے رہتے تھے اور بعض ساحلی شہروں کے علاوہ بحیرہ روم میں واقع جزائر پر حملے بھی کرتے رہتے تھے۔[1]

بحیرہ روم ایک طویل عرصے تک مسلم بحری بیڑے کی عظمت کا گواہ رہا ہے، بحیرہ روم کے اردگرد بے شمار جزائر ہیں جن پر مسلم بحری بیڑے ہمیشہ حملہ آور ہوتے رہتے تھے، ان میں سے اکثر جزائر پر مسلمانوں کی ایک لمبے عرصہ تک حکمرانی بھی رہی ہے۔ یاقوت الحموی نے ان جزائر کی تعداد پچیس (25) لکھی ہے اور اپنی مشہور کتاب "معجم البلدان" میں ان جزائر کی فہرست کا ذکر بھی کیا اور ان کے نام بھی گنوائے ہیں۔[2]

ہارون الرشید کے عہد کا مسلم بحری بیڑہ بھی نہایت طاقتور تھا، اس مضبوط اور مستحکم بحری بیڑے کی وجہ سے مسلمانوں کے اپنے ساحلی شہر محفوظ اور دشمنوں کے ساحلی علاقے غیر محفوظ تھے چنانچہ ہارون الرشید کے مسلم بحری بیڑے کا حال عبدالجبار الجومرو نے اس طرح کیا ہے:

یہ مسلم بحری بیڑہ مملکتِ خداداد کے ساحلی علاقوں کی نگہداشت پر مامور تھا، ہر بیڑے کا سردار اور امیر الگ الگ ہوتا تھا جسے امیر البحر (Admiral) کہتے تھے۔[3]

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں:

ہارون الرشید کے عہد میں بری اور بحری مسلم افواج جدید اسلحہ سے لیس تھیں اور یہ اسلحہ جات وافر مقدار میں ان فوجی جوانوں کے پاس ہوتا تھا۔ چنانچہ ان تمام بیانات کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہارون الرشید کے عہد کی بری اور بحری مسلم افواج زبردست قوت سے سرفراز تھیں[4]

بنو عباس کے عہد میں بحری مہمات بھی پیش آئیں۔ ہارون الرشید کے دور میں کریٹ، رہوڈس اور قبرص کے جزائر کی اہم فتوحات ہوئیں نیز اغلبی مسلم بحری بیڑے کا عروج و کمال بھی عباسی حکومت ہی میں نظر آتا ہے۔

1: عمیر ابوالنصر، الہارون، ص284۔ نگارشات، لاہور۔ 2005ء

2: یاقوت الحموی، شہاب الدین، ابوعبداللہ الرومی، معجم البلدان، ج4، ص212 (ان جزیروں میں قبرص، کریٹ، مالٹا، صقلیہ اور منورکا زیادہ مشہور ہیں)

3: عبدالجبار الجومرو، ہارون الرشید–حقائق عن عهده و خلافته، شركة المطبوعات للتوزيع والنشر، ص552,553 (اردو ترجمہ، رئیس جعفری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1968)

4: ایضاً

خلیفہ مامون الرشید(198-218ھ) اور مسلم بحری بیڑہ

مامون الرشید اپنے بھائی امین کے قتل کے بعد تختِ خلافت پر بیٹھا، اصل نام عبد اللہ اور والد کا نام ہارون الرشید تھا۔ ہارون الرشید کے بعد امین تخت پر بیٹھا تو مامون الرشید نے اس کے خلاف بغاوت کر دی پانچ سال تک امین کی افواج سے مقابلہ کرتا رہا، امین کے قتل کے بعد خلیفہ بنا، خلافت سنبھالتے ہی علویوں کی بغاوت کی وجہ سے اسے کافی پریشانیاں اٹھانا پڑیں، اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد مامون الرشید نے امن و امان سے حکومت کا آغاز کیا، اس کے زمانے میں علوم و فنون کو کافی فروغ حاصل ہوا۔

آخری ایام میں یونانیوں کے خلاف مصر اور ایشیائے کوچک کی مہمات میں خود بھی شریک رہا، اور 218 ہجری میں روم کے قریب بذندون شہر میں وفات پائی اور اسے طرسوس شہر میں دفن کیا گیا۔[1]

شاہ معین الدین ندوی لکھتے ہیں:

> امین کے قتل کے بعد 198 ہجری میں بغداد میں مامون کی بیعت ہوئی، طاہر کے پاس دولت اور خزانہ کچھ نہ تھا، اس نے محض حسنِ تدبیر اور فوجوں کو آئندہ کے لئے سبز باغ دکھا کر امین کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی تھی، چنانچہ مامون کی بیعت کے بعد جب فوج نے طاہر سے روپیہ کا مطالبہ کیا تو وہ اس کو پورا نہ کر سکا۔[2]

مامون الرشید کے عہد میں بھی بحری جہازوں کی تیاری کا کام جاری رہا اور اس نے مسلم بحری قوت کو مزید مستحکم کرنے کے لئے اس کی طرف خصوصی توجہ دی، جزیرہ سسلی اور اٹلی جیسی اہم فتوحات بھی اسی عہد میں ہوئیں۔ مامون الرشید کے عہد کے مسلم بحری بیڑے کا حال بیان کرتے ہوئے علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں:

> مامون الرشید کے عہد میں (جنگی بحری بیڑے کو) بہت زیادہ ترقی ہوئی۔ جزیرہ سسلی کی فتح کے لئے سو بحری جنگی جہاز مصر سے بہت سے سامان کے ساتھ بھیجے گئے تھے، وہ اسی کارخانے سے تیار ہوئے تھے، آتش اندازی کے لئے چھوٹے چھوٹے جہاز ہوتے تھے جن کو عربی زبان میں حراقہ کہتے تھے، ان سے آتش یونانی کے شیشے بھر بھر کر مارتے تھے جو دشمن کے جہازوں میں آگ لگا دیتے تھے اور خود پانی سے بھی بجھائے نہیں جاسکتے تھے۔[3]

1: سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص493، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، 1976ء

2: خطیب، ابو بکر احمد بن علی، البغدادی، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ج10، ص190، 1425ھ

3: شبلی نعمانی، علامہ، المامون، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ص127,128، 1972ء

بحیرہ روم پر مکمل تسلط اور شمالی افریقہ میں مضبوط مسلم بحری بیڑے کا قیام اور عربوں کی بہترین جہاز رانی کا تذکرہ سر گلب جان نے ان الفاظ میں کیا ہے:

بحیرہ روم میں عباسیوں کی بحری کمزوری کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے بحیثیتِ مجموعی مغرب کے حالات و معاملات میں دلچسپی لینا چھوڑ دی جس کے اظہار کا پتہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہارون الرشید عملاً افریقہ سے بنو اغلب کے حق میں دستبردار ہو گیا تھا۔[1]

مزید لکھتے ہیں:

عربوں کی یہ مغربی مسلم بحری قوت، حکومتِ بغداد کی مدد کے بغیر اسپین اور شمالی افریقہ کے حکمرانوں نے قائم کی تھی، اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ مشرق کے عرب کوئی کمزور اور معمولی قسم کے جہاز راں تھے بلکہ وہ باقاعدگی کے ساتھ انڈیا، چین اور انڈونیشیا تک جہاز رانی کر رہے تھے۔[2]

یہی وجہ ہے کہ سسلی کی فتح ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی کہ مسلم بحری بیڑے نے اٹلی پر حملہ بول دیا اور اوسکیا، باری اور اس کے اپولیا کے صوبہ پر قبضہ جمالیا۔ سسلی اور جنوبی اٹلی میں صرف عربوں کی سلطنت ہی قائم نہیں تھی بلکہ بحیرہ روم پر ان کو وہ اقتدار حاصل ہو گیا تھا جو پہلے حاصل نہ تھا۔

جنوبی فرانس، کریٹ اور قسطنطنیہ کی بحری تجارت کو مسلمانوں نے اپنے مضبوط مسلم بحری بیڑے کے باوجود جس طرح تباہ کیا اس کا نقشہ انگریز مؤرخ جنرل سر جان گلب نے اس طرح کھینچا ہے:

سسلی اور جنوبی اٹلی میں عربوں کی حکومت مسلم بحری بیڑے کے مضبوط ہونے کی وجہ سے قائم تھی اور مسلمانوں کو 850 عیسوی میں بحیرہ روم پر اتنا مستحکم اور پختہ اقتدار حاصل تھا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہیں ہوا تھا، یہی وہ دور تھا کہ جب جنوبی فرانس میں عربوں کی نو آبادیاں ایک مرتبہ پھر قائم ہو گئیں۔[3]

مامون الرشید کے دور میں مسلمانوں کی بحری قوت بہت مضبوط تھی، اس مضبوط بحریہ کا سبب وہ تاجر تھے جو بحری راستوں کے ذریعے تجارت کرتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ پورے عباسی عہد میں مسلمانوں کی بحری تجارت اپنے عروج پر پہنچ

1: Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Empire of Arabs, P: 105, London, 1963

2: Ibid, P: 106

3: Ibid, P: 342

گئی تھی اور عہدِ بنو عباس کے تاجر دنیا کے بیشتر سمندروں میں تجارت کی غرض سے دن رات اپنے سفر میں مصروف نظر آتے ہیں اور مسلمان بصرہ کی بندر گاہ سے دور دراز ملکوں مثلاً چین اور ہندوستان تک بحری تجارت کرتے تھے۔

عہدِ عباسیہ میں بغداد اور اس کے بعد بصرہ بحری تجارت کی مصروف ترین بندر گاہیں تھیں، دنیا بھر کے تجارتی بحری جہاز یہاں ہزاروں کی تعداد میں موجود رہتے تھے اور مسلمان تاجر دنیا کے گوشے گوشے میں اپنا سامانِ تجارت لے جاتے تھے جس سے اس بات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دور میں مسلمانوں کی سمندروں پر بہت حد تک عملاً حکمرانی تھی، ان کی بحری طاقت اور بحری تجارت دونوں کو ہی کمال درجے کا عروج حاصل تھا۔

مامون کا دور اس لحاظ سے بھی منفرد سمجھا جاتا ہے کہ اس میں کشتی سازی کی صنعت کو مضبوط کیا گیا اس طرح بحری جہاز اور کشتیاں بنانے والے ماہر کاریگروں کا ایک دستہ تیار ہو گیا۔ چنانچہ ابنِ خلدون کشتی سازی کی صنعت و حرفت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> عراق کے بڑھئی کشتیوں اور بحری جہازوں کی تعمیر کے بہت ماہر تھے، ان لوگوں نے چھتیس اقسام کی کشتیاں اور بحری جہاز تیار کیے تھے، اس وقت صرف بغداد میں چودہ قسموں کی کشتیاں استعمال ہوتی تھیں، ''ابلہ'' نامی جگہ کشتی سازی کا سب سے بڑا مرکز تھا، یہاں کے کاریگر ایسی نفیس، خوبصورت اور مضبوط کشتیاں و بحری جہاز بنا سکتے تھے جو تمام دنیا کے سمندروں کا چکر لگا سکتے تھے۔[1]

ان تمام حقائق پر غور و فکر کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ عہدِ بنو عباس میں مسلم بحری بیڑے کی ترقی اور عروج برابر جاری و ساری نظر آتا ہے اور خلافتِ عباسیہ ہی کے عہد میں ایک شخص ابراہیم بن اغلب دارالحکومت بغداد پہنچا اور عباسی حکام کو حالات درست کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں اور پھر اسی خاندان نے ایک سو بارہ سال حکومت کی، اس دور کی سب سے اہم بات مسلم بحری بیڑے کا غیر معمولی طاقتور اور انتہائی مضبوط ہونا تھا جس کی دھاک اور شان و شوکت تمام بحیرہ عرب پر مکمل طور پر قائم تھی، اس خاندان کے پہلے حکمران کا نام اغلب ہونے کی وجہ سے اسے اغلبی خاندان کہا جاتا ہے۔

1: ابنِ خلدون عبد الرحمٰن، مقدمہ ابنِ خلدون، ص219

فصل سوئم:

اندلس کی فتح میں مسلم بحریہ کا کردار

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- اندلس کا تعارف
- اندلس اور یورپ کی حالت زار
- اندلس میں بحری بیڑے کی تیاری اور اس کا ارتقاء
- بحری بیڑے کا فائدہ
- عبد الرحمن ثانی اور بحری بیڑہ
- عبد الرحمن الناصر اور بحری بیڑہ
- عبد الرحمن الناصر اور قرطبہ کی ترقی

اندلس کا تعارف

اندلس جو ہسپانیہ کا بہت بڑا گنجان علاقہ ہے جو بحر اوقیانوس اور بحیرہ روم سے ملحق ہے مسلمانوں نے اس علاقے پر آٹھ سو سال تک حکومت کی اور یہ بات اہلِ علم پر مخفی نہیں کہ اندلس کا نام کافی پرانا ہے۔98 ہجری میں ایک دینار پر عربی اور لاطینی الفاظ میں اندلس کے لئے لفظ ہسپانیہ استعمال کیا گیا ہے۔ ہسپانوی لاطینی مؤرخ مسلم سپین اور مسیحی سپین کے لئے یہی نام سپانیہ یا ہسپانیہ استعمال کرتے ہیں لیکن عرب مصنّف جب بھی الاندلس لکھتے ہیں تو اس سے مراد اسلامی سپین ہی لیتے ہیں خواہ اس کی جغرافیائی حدود کچھ ہی کیوں نہ ہو۔

اندلس کے محل وقوع پر نظر دوڑائی جائے تو ایک طرف براعظم یورپ سے ملا ہوا ہے اور دوسرے اطراف و جوانب بحیرۂ اوقیانوس اور بحیرۂ روم سے ملحق ہیں۔ یہ یورپ کے جنوب مغربی حصے میں واقع ہے اس کے شمال میں فرانس، مغرب میں پرتگال اور مشرق وجنوب میں بحیرۂ روم ہے۔

اندلس نام کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ المقری لکھتے ہیں:

> طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے جو قوم اس خطے میں آباد ہوئی اس کا نام اندلش تھا۔ عربوں نے شین کو سین سے بدل کر اس پورے علاقے کا نام اندلس رکھ دیا بعد میں یہاں ایک رومی بادشاہ کی حکومت ہوئی جس کا نام اشبان تھا اسی نے اشبیلیہ شہر آباد کیا جس کی وجہ سے اشبیلیہ شہر اشبانیہ کہا جانے لگا۔ پھر رفتہ رفتہ یہ نام پورے ملک پر بولا جانے لگا اس کی بگڑی ہوئی شکل ہسپانیہ ہے۔[1]

بنوامیہ کے قتل عام میں ایک شہزادہ عبد الرحمن[2] بچ کر اندلس پہنچ گیا اور بڑی مصیبتیں اٹھانے کے بعد 756 عیسوی میں اپنے خاندان کی حکومت بنانے میں کامیاب ہوگیا۔ یہ حکومت ڈھائی سو سال سے زیادہ عرصے تک نہایت آب وتاب اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ قائم رہی۔

اموی شہزادے عبد الرحمن کے بارے میں ریاست علی ندوی لکھتے ہیں:

> عبد الرحمٰن نہ صرف اندلس کی عظیم الشان سلطنت کا بانی بلکہ مغرب میں ایک ایسی نئی تہذیب وتمدن کی بنیاد ڈالنے والا ثابت ہوا جو قرون وسطیٰ میں دنیا کی معیاری تہذیب کی حیثیت سے تسلیم کی گئی۔[3]

1: المقری، احمد بن محمد المقری، نفخ الطیب، دار صادر، بیروت، ج1، ص130، 1968ء

2: یہ نامور شہزادہ اموی حکمران ہشام بن عبد الملک کا پوتا تھا۔

3: ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس، مکی دار الکتب، لاہور، ص314، 2002ء

عبد الرحمٰن الداخل بہت نیک آدمی تھا جس نے اپنے مشن کی راہ میں تمام رکاوٹوں کو دور کر کے اندلس پر حکمرانی کے جھنڈے گاڑ دیے۔ اس نے اپنے اعلیٰ اخلاق و عادات، فضل و کمال اور دیانت و ہوش مندی سے تھوڑے عرصے میں کئی منزلیں طے کیں جو صدیوں میں بھی طے نہیں کی جا سکتی تھیں۔

علامہ رشید اختر ندوی ان کے بارے میں رقمطراز ہیں:

> یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ اندلس کی تاریخ میں ہی نہیں اس دور کی اسلامی تاریخ میں الداخل اپنی مثال آپ تھے، وہ ایک عالم، ذہین اور مستقل مزاج حکمران تھے، وہ بڑی سے بڑی مہم کی نگرانی خود کرتے، ان کی زبان شیریں اور مزاج میں بڑا سکون تھا، انہیں اپنے خیالات کے اظہار پر بڑی قدرت حاصل تھی۔[1]

الداخل ایک ایسی عظیم الشان شخصیت تھی جس نے اندلس میں آزاد اسلامی سلطنت کے عظیم المرتبت بانی کی حیثیت سے تقریباً سارے یورپ کی زندگی کا ڈھانچہ بدل کر رکھ دیا۔ (تفصیلی ذکر اگلے صفحات میں ملاحظہ ہو)

اندلس اور یورپ کی حالتِ زار

عہد بنو امیہ میں اندلس کو جو خوشحالی اور عروج نصیب ہوا وہ نہ تو اس سے پہلے کبھی ہوا اور نہ اس کے بعد، کیونکہ یورپ کی علمی حالت کا درست ہونا اور جہالت و بربریت سے باہر آنا زیادہ تر اندلسی مسلمانوں کے علوم ہی کی بدولت معرض وجود میں آئی۔ یہ الگ بات ہے کہ متعصب اور جانبدار عیسائی مؤرخین و مصنفین ہمیشہ اس جاندار اور روشن حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم و ناکام کوشش کرتے رہے ہیں سب سے بہتر یہی ہو گا کہ انہی کے گھر سے ایک گواہی کو قلمبند کیا جائے تا کہ حقیقت عیاں ہو سکے اس سلسلے میں ایک انگریز مصنّف اپنی کتاب "The making of humanity" میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> یورپ کی حقیقی نشاۃ ثانیہ پندرہویں صدی میں نہیں بلکہ عربوں اور موروں کی احیائے ثقافت کے زیر اثر وجود میں آئی، یورپ کی نئی پیدائش کا گہوارہ اٹلی نہیں ہسپانیہ تھا۔ یہ براعظم بربریت کے گڑھوں میں گرتے گرتے جہالت و تنزل کی تاریک ترین گمراہوں میں پہنچ چکا تھا حالانکہ اسی زمانہ

1: ندوی، رشید اختر، مسلمان حکمران، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ص402,403، 2009ء

میں عربی دنیا کے شہر بغداد، قاہرہ، قرطبہ، طلیطلہ [1] تہذیب اور ذہنی سرگرمیوں کے روز افزوں مرکز بن چکے تھے۔[2]

آج موجودہ دور کے یورپ کو صرف سائنس ہی نے ترقی کی منازل پر نہیں چڑھایا بلکہ اسلامی تہذیب کے دوسرے بے شمار اثرات نے بھی ان کی پوری زندگی کو روشنی کی شعاعوں سے منور کیا۔

فرانسیسی مصنف موسیو لیبان رقمطراز ہے:

> اگر عربوں کا نام تاریخ میں سے نکال دیا جاتا تو یورپ کی علمی نشاۃ ثانیہ کئی صدیاں پیچھے ہٹ جاتی۔ پس ثابت ہو گیا کہ صرف عربوں کے اندلس میں دسویں صدی میں ہونے کی بدولت یورپ کے ایک گوشہ میں علوم وادب کا وہ چرچا باقی رہا جو ہر جگہ یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں بھی متروک ہو گیا تھا۔[3]

امریکی مؤرخ ہیرالڈ لیمب (Harold Lamb) لکھتے ہیں:

> اسکندریہ کا کتب خانہ فلسفیوں کا مرکز تھا پھر عربوں کی موج در موج فتوحات نے قدیم یونانی تہذیب کے اس بستے ہوئے ساز و برگ کو جزیرہ ہائے ہسپانیہ میں لا پھینکا۔ عربوں کے ساتھ ارسطو کی کتابیں بھی آئیں اور خلافت بھی ایشیا کے علمی خزانے یورپ کے وحشت آباد کناروں تک پہنچے اور اس طرح تیرہویں صدی کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک پیدا ہوئی۔[4]

ان تمام بیانات و حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کا حقیقی منبع یا سرچشمہ اٹلی یا یورپ کا کوئی ملک نہیں بلکہ اسلامی اندلس تھا اور یہیں سے جاہل، اجڈ اور گنوار یورپ نے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کی روشنی حاصل کی۔

1: طُلَیْطِلَہ (Toledo) ہسپانیہ کا ایک شہر ہے جو دار الحکومت مڈرڈ (مادرید) کے جنوب میں دریائے تاخو (Tajo) کے کنارے واقع ہے۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں اس شہر نے عالمی سطح پر شہرت پائی۔ پانچویں صدی ہجری میں طوائف الملوکی کے عہد میں یہ بنی ذوالنون کا دار الحکومت رہا۔ بعد ازاں یہ سلطنت ہسپانیہ کا دار الحکومت بھی رہا۔ رومیوں کے زمانے میں یہ طلیطم (Toletum) کہلاتا تھا۔ 587ء میں مسیحت کی آمد پر یہ شہر جزیرہ نما آئبرفیا (ایرچنیا) کا مذہبی صدر مقام بن گیا۔ (دیکھیے، قصة الاندلس من الفتح الی السقوط، ڈاکٹر راغب السرجانی، مؤسسة اقرا للنشر والتوزیع، قاہرہ، 2011، ص68)

2: تشکیل انسانیت (The Making of Humanity)، رابرٹ بریفالٹ (ترجمہ عبد المجید سالک)، ص244، مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور۔1964ء

3: موسیو گستاولی بان، تمدن عرب (ترجمہ سید علی بلگرامی)، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص514-515، 1936ء

4: مقصود ایاز، سلیمان عالیشان، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1992ء

اندلس میں بحری بیڑے کی تیاری اور اس کا ارتقاء

اندلس میں ابتدائی اموی حکمرانوں نے بحری بیڑے کی تعمیر و ترقی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی لیکن چوتھے حکمران عبد الرحمن ثانی کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس کے بعد شدت سے محسوس کیا جانے لگا کہ ایک مضبوط اور مستحکم بحری بیڑہ ہونا چاہیئے اگر چہ اس سے پہلے اموی اور عباسی دور خلافت میں بحری بیڑے پر بہت کام ہو چکا تھا لیکن حالات و واقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک جدید اور منظم بحری بیڑے کی ضرورت کو محسوس کیا گیا کیونکہ مسلمانوں کے افریقہ میں اپنی حکومت قائم کر لینے کے بعد انہیں سمندری حدود کی جانب سے حملے کا خوف لاحق ہوا جو کہ طنجہ کی بندر گاہ سے اسپین کے ساحل تک متوقع تھا اور ساحل سے فاصلہ تقریباً بارہ میل تھا۔ اتنے مختصر فاصلہ پر ایک سلطنت کے خطرناک دشمن سے اپنا دفاع کرنا مسلمانوں کے لئے ضروری تھا، اور ان خطرات سے نمٹنے کے لئے اسپین کو فتح کرنا لازمی ہو گیا تھا۔ مؤرخین نے اندلس پر حملہ کے متعدد اسباب ذکر کئے ہیں، جن میں سے حسب ذیل زیادہ اہمیت کے حامل ہیں۔

> جذبہ جہاد اور اشاعت اسلام، اسپین میں غلاموں، مظلوم کسانوں، محنت کشوں اور عام رعایا کو سرطانی حکمران طبقوں اور اہلِ کلیسا کے ظلم و ستم سے نجات کا ارادہ اور مسلمانوں کی بحری قوت بننے کی آرزو۔[1]

اگر اس حادثہ کو دیکھا جائے تو اس حوالے سے سید ریاست علی ندوی لکھتے ہیں:

> اس زمانے میں شمالی یورپ کی نارمن قوم قزاقی میں شہرۂ آفاق ہو رہی تھی، انہوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیاں بنالی تھیں اور سمندری راستے سے چھاپے مارتے تھے ان کے حملے انگلستان اور مغربی فرانس پر ہو چکے تھے۔ انہوں نے اندلس کا رخ کیا پہلے حکومت جلیقیہ کے ساحل پر لوٹ مار کی پھر کشتی بڑھا کر اسلامی اندلس کی سمت آئے انہوں نے اشبیلیہ پر بھی حملہ کیا اور کچھ دوسرے شہروں کو بھی نقصان پہنچایا اسلامی لشکر سے ان کا کئی جگہ مقابلہ ہوا بالآخر وہ اپنی کشتیوں میں سوار ہو کر بحر محیط میں کسی اور طرف نکل گئے۔[2]

1: کحیلہ، ڈاکٹر عبادہ، تاریخ النصاریٰ فی الاندلس، المطبعہ الاسلامیہ الحدیثۃ، قاہرہ۔ ص239، 1993ء

2: ندوی، ریاست علی، تاریخ اندلس، ص411.417 بالاختصار۔ مکی دار الکتب، لاہور۔ 2002ء

بحری بیڑے کا فائدہ

ایک بہت بڑے بیڑے کو تیار کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں کے بعد امیر محمد کے عہد حکومت میں جب نارمنوں نے اندلس پر دوسری مرتبہ یورش کی تو وادئ کبیر کے دہانے پر ان کو سمندر میں روکا گیا انہیں شکست ہوئی ان کی کشتیاں جلادی گئیں اور وہ فوراً لوٹ جانے پر مجبور ہو گئے۔[1]

عبد الرحمٰن کے بحری بیڑے نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی منازل طے کیں اور وہ چند ہی سال بعد اس قابل ہو گیا کہ اس بیڑے کے ذریعے فرانس کے ساحل پر فوجیں اتار سکے، تاریخ اندلس کے مؤلف لکھتے ہیں:

> نارمنوں کی یورش کے بعد اندلس کا شاہی بیڑہ بھی مستحکم ہو گیا تھا چنانچہ اسی زمانے میں ایک بحری فوج کشی کی گئی، فرانس کے ساحل پر فوجیں اتریں ملک کے اندرونی حصہ میں لوٹ مار کی اور ماسلیز کے مضافات کو خاص طور پر لوٹ لیا۔[2]

اندلس میں بحری بیڑے کے ارتقاء کے بارے میں تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اموی دور میں جزیرہ صقلیہ کی فتح کے دوران میناؤ شہر میں مسلمان محصور ہو گئے تو اسلامی سلطنت اندلس کا ایک بحری بیڑہ اچانک اور غیر متوقع طور پر ان کی امداد کے لئے پہنچا تھا۔ یہ بیڑہ دراصل عبد الرحمٰن ثانی کا تھا،اس کے ساتھ ہی ایک بیڑہ شمالی افریقہ سے بھی پہنچ گیا تھا۔ شبلی نعمانی نے ان دونوں بیڑوں کے جہازوں کی تعداد تین سو لکھی ہے۔[3]

الغرض تعداد کم ہو یا زیادہ اس سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ نارمنوں کے حملے سے پہلے بھی بحیرۂ روم کی حد تک عبد الرحمٰن ثانی کا بیڑہ خاصا مضبوط تھا یہ الگ بات ہے کہ وہ اتنا طاقتور اور مستحکم نہیں تھا کہ بحر اٹلانٹک میں بھی اندلس اور پرتگال کے ساحلوں کو دشمن کے حملوں سے محفوظ رکھ سکتا۔ یہ ضرورت بلاشبہ نارمنوں کے حملے کے بعد ہی پوری ہوئی اور پھر یہ بیڑہ صحیح معنوں میں مضبوط و مستحکم کہلانے کا حق دار بن گیا۔

عبد الرحمٰن ثانی اور بحری بیڑہ

تعارف:- عبد الرحمٰن ثانی اندلس کے مسلمان حکمرانوں میں ایک نمایاں شخصیت کا حامل ہے ان کے زمانے میں اندلس کی اسلامی حکومت دنیا کی عظیم سلطنتوں میں شمار کی جانے لگی تھی۔ اس زمانے میں دولت کی بہتات اور فراوانی تھی اور عوام الناس نہایت عافیت و سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ عبد الرحمن ثانی بڑا دیندار، علم دوست اور مجاہد حکمران تھا۔ وہ

1: ندوی، ریاست علی، تاریخ اندلس، ص 411-417

2: راغب، السرجانی، قصة الاندلس من الفتح الی السقوط، مؤسسة اقرا للنشر والتوزیع، قاہرہ، ص70، 2011ء

3: شبلی نعمانی، المامون، ص55، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، 1972ء

التزام کے ساتھ عیسائی ممالک کو تاخت و تاراج کرتا رہتا۔ ایک مرتبہ خود فوج لے کر جاتا اور ایک مرتبہ اپنے سالاروں کو بھیجتا۔ علوم و فنون کی ترقی کے لئے اس نے درس گاہوں کی سرپرستی کی اور صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی بھی راہیں نکالیں مجموعی حیثیت سے اس کے عہدِ حکومت میں مختلف علوم و فنون کو غیر معمولی ترقی حاصل ہوئی۔

عبد الرحمٰن ثانی کو بحری بیڑے کی ضرورت و استحکام کا احساس ایک اہم واقعہ کے بعد ہوا، جس کی وجہ سے انہوں نے بحری بیڑے کی تعمیر و توسیع پر خصوصی توجہ دی۔ جس کا ذکر ریاست علی ندوی نے یوں کیا ہے:

> نارمنوں کے اچانک حملہ اور اس سے ابتری پھیل جانے کی بڑی وجہ اندلس میں بحری بیڑے کی کمی تھی اس حادثے سے عبد الرحمٰن کو اس کا خاص طور پر خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ اشبیلیہ میں ایک دار الصناعۃ قائم کیا گیا اور اسی وقت سے بحری طاقت بڑھائی جانے لگی یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اندلس کی بحری طاقت دنیا کی عظیم بحری طاقتوں میں شمار کی جانے لگی۔[1]

عبد الرحمٰن کے بحری بیڑے نے بڑی تیزی سے ترقی کی منازل طے کیں اور چند ہی سالوں بعد وہ اس قابل ہو گیا کہ اس بحری بیڑے کے ذریعے سے فرانس کے ساحل پر اپنی بحری فوج کو اتار سکے۔

عبد الرحمن ثانی ایک عالم و فاضل اور علم دوست حکمران تھا۔ اسے مختلف علوم و فنون سے گہرا لگاؤ تھا، اس نے رفاہِ عامہ کے بھی بہت کام کئے، نئی سڑکیں، حمام، حوض اور سیر گاہیں بنوائیں، پل تعمیر کروائے، بکثرت باغ لگوائے اور شاندار محلات بھی بنوائے۔ مشہور کتاب "مورز ان سپین" میں لین پول لکھتے ہیں:

> نئے سلطان نے قرطبہ کو بغداد ثانی بنا دیا اس نے محلات تعمیر کئے باغ لگائے اور قرطبہ کو مسجدوں اور عالی شان عمارتوں سے زینت دی اور پل تعمیر کرائے۔[2]

تاریخ اندلس کے مصنّف لکھتے ہیں:

> عبد الرحمن طبعاً سخی و فیاض تھا اسکے ساتھ چشم پوشی اور درگزر سے بھی کام لیتا تھا، وہ اپنے انہی فضائل حمیدہ کی وجہ سے رعایا کی نظروں میں بہت محبوب و مقبول تھا۔[3]

عبد الرحمن ثانی نے تہذیب و تمدن اور بحری بیڑے کی جو خدمت کی وہ رہتی دنیا تک تاریخ دانوں سے خراجِ تحسین حاصل کرتی رہے گی۔

1: ندوی، رشید اختر، مسلمان حکمران، ص417

2: Stanely Lane Poole, The Moors in Spain, London, 1888, P: 54

3: ندوی، ریاست علی، تاریخ اندلس، ص450

عبد الرحمن الناصر اور بحری بیڑہ

عبد الرحمٰن الناصر[1] جنہیں عبد الرحمٰن ثالث بھی کہا جاتا ہے ان کے دور میں اندلس کے مسلم بحری بیڑے نے سب سے زیادہ ترقی کی جس کو ہر مسلم و غیر مسلم مؤرخ نے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا اس سلسلے میں فرانسیسی مؤرخ ''موسیو سیدو'' لکھتے ہیں:

عبد الرحمٰن الناصر کا دور تمام خلفائے امویہ جنہوں نے اسپین میں حکومت کی ہے سب سے اچھا دور تھا اور وہ بلاشبہ ملتِ اسلامیہ کا ایک درخشندہ ستارہ تھا۔[2]

عبد الرحمٰن الناصر کا مسلم بحری بیڑہ کس قدر شاندار تھا اس کے بارے میں ڈاکٹر سرجانی لکھتے ہیں:

عبد الرحمٰن الناصر نے ایک اچھے اور فرض شناس بادشاہ کی حیثیت سے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ اس کی کامیابی اور برتری اسی میں ہے کہ اندلس کے عوام مطمئن، خوشحال اور صحت مند ہوں اس نے جہاں ایک اعلی درجہ کی فوج تیار کی وہاں پچاس ہزار افراد پر مشتمل ایک شاندار بحری بیڑہ بھی بنایا نیز جہاں اس نے ملک کی سرحدوں پر عظیم الشان قلعے تعمیر کئے وہاں عوام کی خوشحالی اور فلاح و بہبود کے ہزاروں سامان بھی مہیا کئے۔[3]

عبد الرحمٰن الناصر کی افواج، بحری بیڑے کا حال بیان کرتے ہوئے عبد القوی ضیاء لکھتے ہیں:

عبد الرحمن نے بڑی فوج کے علاوہ ایک زبردست بحری بیڑہ بھی تیار کیا جس میں لاتعداد زبردست جنگی جہاز تھے اور پچاس ہزار سے زیادہ سپاہ تھے ان کا سردار امیر البحر کہلاتا تھا جو نہ صرف سواحلِ اندلس کی حفاظت کرتا تھا بلکہ افریقہ اور دوسرے علاقوں میں جاکر بحری جنگ میں بھی حصہ لیا کرتا تھا، ان کے علاوہ اُس نے تجارتی بحری جہاز بھی ایک ہزار سے زیادہ بنوائے تھے سمندری سہولتیں کچھ اس انداز سے صناعین اور مہندسین نے الناصر کے زمانے میں پیدا کردی تھیں کہ تجارتی جنگی بیڑے سب کامیاب و کامران واپس آتے تھے اور عبد الرحمٰن کو سمندر کا بادشاہ بھی تسلیم کرتے تھے۔[4]

1: عبد الرحمن الناصر، عبد الرحمن الثالث کے نام سے مشہور اُموی حکمران ہے۔ 300 ھجری میں وفات پائی۔ (دیکھیے سیر اعلام النبلاء، ج 8، ص267)

2: موسیو سیدیو، تاریخ عرب، (ترجمہ عبد الغفور خان، محمد حلیم انصاری)، ص255۔ نفیس اکیڈمی، کراچی۔ 1989ء

3: سرجانی، ڈاکٹر، قصۃ الاندلس، من الفتح الی السقوط، ص196۔ اقرأ للنشر والتوزیع، قاہرہ، 2011ء

4: عبد القوی ضیاء، تاریخ اندلس، ص466-467

عبد الرحمٰن الناصر کے مضبوط بحری بیڑے کی بدولت اس کی حکومت بہت زیادہ مستحکم تھی۔ جرمنی اور فرانس جیسے بادشاہ اس سے دوستی کے خواہاں تھے اس حوالے سے ابن خلدون اور علامہ المقری رقمطراز ہیں:

عبد الرحمٰن الناصر نے پچاس سال حکومت کی اور ان پچاس سالوں میں اندلس کو اتنا عروج ملا کہ ساری دنیا حیرت زدہ رہ گئی عبد الرحمٰن پہلا اموی حکمران تھا جس سے تمام دنیا کے بادشاہوں نے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں فخر محسوس کیا جس کی حکومت کے سامنے بڑے بڑوں کے سر جھک گئے اور شاہ فرانس، شاہ روم اور شاہ جرمنی اپنی نجات اسی بات میں سمجھتے تھے کہ اس سے دوستی رکھیں تاکہ اس کی (بری اور بحری) یلغار سے محفوظ رہ سکیں۔[1]

عبد الرحمٰن الناصر کی فوج اور بحری بیڑے کی تعریف پروفیسر ڈوزی نے ان الفاظ میں کی ہے:

عبد الرحمٰن الناصر کی فوج اپنے عہد کی سب سے اچھی اور بہترین فوج تھی اور اس کا مسلم بحری بیڑہ بہت زیادہ مضبوط اور مستحکم تھا۔[2]

عبد الرحمٰن الناصر بہت ہی نیک اور عظیم حکمران تھا تمام مؤرخین خواہ وہ مسلمان ہوں یا عیسائی اس کی اور اسکے عہد کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس نے تمام بغاوتوں اور شورشوں کو کچل کر ایک بار پھر اندلس کو نہ صرف امن وامان اور خوشحالی کی دولت سے مالامال کیا بلکہ اس کو ہمہ جہت ترقی کی انتہائی منازل پر پہنچادیا۔

اندلس کی تمام تر ترقی اور اس کو عروج تک پہنچانے میں بحری مجاہدین کو نمایاں مقام حاصل ہے، کیونکہ وہ بحری جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے اندلس تک پہنچے اور اسے فتح کرنے کے بعد اسلامی تہذیب، علمی ترقی، سیاسی، معاشی، معاشرتی اور سائنسی ترقی کی راہ پر گامزن کیا اور یہی ترقی اندلس سے یورپ تک پہنچی، جس سے صنعتی ترقی کی راہیں کھل گئیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جس کی حکمرانی سمندر پر ہوگی خشکی پر بھی اسی کی حکمرانی کا سکہ چلے گا بڑی بڑی ریاستوں اور ملکوں کے بادشاہ اسی بحری بیڑے کے حکمران کو سلام پیش کریں گے۔

1: ابن خلدون، عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون 4/142 والمقری احمد بن محمد نفح الطیب 1/288

2: عنائت اللہ دہلوی (مترجم) عبرت نامہ اندلس، (مصنف ڈوزی رائن ہارٹ) ص576، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1996ء

عبد الرحمٰن الناصر اور قرطبہ کی ترقی

عبد الرحمٰن الناصر کے زمانے میں اندلس تہذیب وتمدن اور حسن معاشرت کی جن بلندیوں کو چھو رہا تھا اس کا تذکرہ کئے بغیر ان کی زندگی ادھوری رہ جائے گی قرطبہ بنو امیہ کے دور میں اندلس کا مشہور دار الحکومت تھا اور یہ صرف اندلس ہی کا سب سے بڑا شہر نہیں بلکہ مغرب یعنی یورپ کے شہروں میں بھی کوئی اس کا مد مقابل نہ تھا۔

مؤرخ عنایت اللہ اندلس کے شہر قرطبہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

جزیرۂ اندلس جب سے فتح ہوا قرطبہ اسی زمانے سے ہر دل کا مقصود رہا، وہ سلطنت کا مرکز، آبادیوں کا سر تاج، اہلِ فضل و تقویٰ کا مسکن، علوم کا سر چشمہ، اسلام کا گھر اور امام کی بار گاہ رہا ہے۔ دنیا بھر کی عظمتیں سمٹ کر یہاں جمع ہو گئیں یہ شہر ثمرات خیال کا باغ اور گوہر طبیعت کا دریا بن گیا اسی کے افق سے دنیا کے تارے نکلے مشاہیر روز گار پیدا ہوئے شاہ سواران نظم و نثر کی عمدہ کتابیں یہاں تصنیف و تالیف ہوئیں۔[1]

اسی مصنف نے قرطبہ کو دلہن سے تشبیہ دی ہے دلہن کا ایک تاج ہوتا ہے قرطبہ کا تاج اس کا شاہی اقتدار و انتظام ہے۔ دلہن کے گلے میں ہار ہوتا ہے یہ ہار اس کے سخن طراز تھے جو نظم و نثر دونوں کے موتی پروگئے دلہن کا ایک حلہ (لباس) ہوتا ہے یہ حلہ قرطبہ کے وہ مشاہیر و علماء اور مصنفین تھے جن کی نظم و نثر گو اب موجود نہ ہو مگر ان کے سوانح کسی طرح فروگذاشت نہیں ہو سکتے دلہن کا آنچل ہوتا ہے۔ یہ آنچل قرطبہ کے وہ لوگ ہیں جو خوش طبعی کے فنون میں اور فنون کے ساتھ جو چیزیں مخصوص تھیں ان میں کامل تھے۔[2]

پروفیسر ڈوزی اپنی کتاب "تاریخ مسلمانان اندلس" میں لکھتے ہیں:

اس شہر میں ہر قسم کے علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی ابتدائی مدارس اعلی درجہ کے موجود تھے اور بکثرت تھے یہ زمانہ وہ تھا کہ عیسوی یورپ میں سوائے پادریوں یا ایسے لوگوں کے جو حکومت کے بڑے عہدے رکھتے تھے سب ناخواندہ ہوتے تھے لیکن اندلس کے مسلمانوں میں شرح خواندگی کافی زیادہ تھی، تقریباً ہر مسلمان پڑھا لکھا ہوتا تھا۔[3]

الغرض عربوں نے ہسپانیہ کی سر زمین پر تمکن حاصل کرتے ہی ایک شاندار تمدن کی بنیاد رکھ دی۔ قرطبہ کے امراء علوم وفنون کے سرپرست بن گئے اور انھوں نے یورپی حکمرانوں کے برعکس تہذیب وتمدن کے عظیم الشان نقوش

1: محمد عنایت اللہ بی اے، اندلس کا تاریخی جغرافیہ، ص 381، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور۔ 1987ء

2: ایضاً

3: عنائت اللہ دہلوی، عبرت نامہ اندلس، مقبول اکیڈمی، لاہور، ص 531

چھوڑے۔ یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اندلس کی تمامتر ترقی بحری مجاہدین کی مرہون منت تھی۔ کیونکہ یہ مجاہدین بحری جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے اندلس پہنچے، جن کے آمد سے یہاں پر اسلامی تہذیب وتمدن کے ساتھ ساتھ علمی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور سائنسی ترقی کی راہیں ہموار ہوئیں۔ یہی ترقی براستہ اندلس یورپ پہنچی۔ لہٰذا اہل یورپ کو چاہئے کہ ان بحری مجاہدین کے ہمیشہ احسان مند رہیں۔

باب چہارم

پندرہویں صدی عیسوی سے عصر حاضر تک مسلم بحریہ

یہ باب درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

- فصل اوّل: دولت فاطمیہ میں اہم بحری کارنامے
- فصل دوئم: سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے بحری کارنامے
- فصل سوئم: باربروسہ اوران کے بحری کارنامے

فصل اوّل:

دولت فاطمیہ میں اہم بحری کارنامے

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- دولت فاطمیہ کا تعارف
- فاطمیین کی وجہ تسمیہ
- فاطمی حدود سلطنت
- دولت فاطمیہ بلاد مغرب میں
- بحریہ کی ترویج میں عبید اللہ المہدی کردار
- عہد فاطمی کا مضبوط بحری بیڑہ
- معزالدین، بحری بیڑہ اور جہاز سازی
- عہد فاطمیہ کے اہم بحری کارخانے

فاطمین کا تعارف اور وجہ تسمیہ

سلطنت فاطمیہ یا خلافت فاطمیہ خلافت عباسیہ کے خاتمے کے بعد 297ھ میں شمالی افریقا کے شہر قیروان میں قائم ہوئی۔ جب عبید اللہ المہدی نے ابو عبد اللہ کو اپنی بیعت کیلئے بلاد مغرب کی طرف روانہ کیا اور اس نے وہاں کے باشندوں کو طاقت کے ذریعے مہدی کی بیعت اور اطاعت پر مجبور کیا۔

مزید بر آں اس نے امام محمد بن اسماعیل کے تعلق سے اپنے آپ کو سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا سے منسوب کیا اور اسی نسبت سے وہ اور اس کے جانشین خلفائے فاطمیین کہلائے۔ جس کے بارے میں مؤرخین میں باہم اختلاف ہے۔ بہت سے مؤرخین نے ان کی سیدہ فاطمۃ الزہرا کی طرف نسبت کو جھوٹ قرار دیا ہے۔[1]

مغربی مؤرخ لین پول(Lane Poole) رقمطراز ہے:

ادارسہ (ادریسیوں) کی طرح فاطمی بھی اپنے آپ کو فاطمۃ الزہرہ کی اولاد سمجھتے تھے۔ ادارسہ خلفائے فاطمی کے عروج کے تمام اسباب پہلے ہی مہیا ہو چکے تھے اور وہ اس طرح کہ عہد ادارسہ میں کئی ایسے مبلغ موجود تھے جو برابرہ(بربروں) میں فاطمیین کے عقائد کی تبلیغ کرتے رہتے تھے اسی تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ جب خلافت فاطمی کے بانی عبید اللہ نے مہدی ہونے کا دعوی کرنے کے بعد اپنے آپ کو خلیفہ اور امیر المؤمنین کہا تو اسے کوئی خاص دقت پیش نہ آئی۔ عبید اللہ نے 297 ہجری میں امرائے اغلبی کے آخری آثار تک مٹا دیے اور امرائے ادریسی کو مقبوضات کے چھوڑ کر باقی تمام مراکش کا وہ واحد فرمانروا بن گیا۔[2]

بنو فاطمہ اپنا سلسلہ نسب اسماعیل بن جعفر الصادق سے ملاتے ہیں لیکن انہوں نے کچھ عرصے تک اعلانیہ اور باضابطہ طور پر اپنے نسب نامے کے بارے میں اعلان نہیں کیا۔ اہلِ بیت میں مختلف اماموں کے پیرو فرقوں میں سے ایک فرقہ باطنیہ اسماعیلی تھا جو امام جعفر صادق کے بعد ان کے صاحبزادے اسماعیل کی امامت کو تسلیم کرتا تھا اسی سے عبیدی فرقہ ظہور میں آیا جو عبید اللہ المہدی بن محمد بن جعفر مصدق بن محمد مکتوم بن جعفر صادق کو امام مانتا تھا اس فرقے کے مبلّغین نے یمن، حجاز، بحرین وغیرہ میں اپنی دعوت کی اشاعت کی، لیکن مغرب میں محمد الحبیب کے زمانے میں اس کا آغاز اور عبید اللہ کے زمانے میں اس کی تکمیل ہوئی، عبید اللہ المہدی نے فاطمی حکومت کے قیام کے بعد سسلی سے مصر تک دولتِ فاطمیہ کا پرچم لہرانے کی کوشش کی۔

1: ڈاکٹر حسین ابرہیم، الفاطمیون فی مصر، المطبعۃ الامیریۃ بالقاہرہ، ص63، 1932ء

2: Stanley, Lane Poole, Muhammadan Dynesties, London, P:70, 1986

چنانچہ 934عیسوی میں ان کے بیٹے ابو القاسم نے مصر پر فوج کشی کر کے برقہ، فیوم اور سکندریہ کو زیر نگین کیا لیکن عباسی امیر مونس نے انہیں واپس لے لیا اور مہدی کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا۔[1]

خاندان اغلبیہ کے خاتمے کے بعد شمالی افریقہ کی حکومت پر عبید اللہ المہدی نے قبضہ کر کے فاطمی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ وہ ایک تجربہ کار امیر البحر اور انتظامی امور کا ماہر تھا، شروع میں اسے بھی بہت سی بغاوتوں اور شورشوں کا سامنا کرنا پڑا مگر جلد ہی اس نے حالات پر قابو پا لیا اس کے بعد اس نے سلطنت کے استحکام پر توجہ دی۔[2]

حدودِ سلطنت فاطمیہ

بنو فاطمہ کی حکومت 297 ہجری سے 567 ہجری بمطابق 909عیسوی سے 1171 عیسوی تک تقریباً تین سو سال جاری رہی۔ انگریز مؤرخ لین پول ان کے عہدِ حکومت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> ایک وقت ایسا تھا کہ خلفائے فاطمی کی حکومت مصر سے بحر اوقیانوس کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ سسلی[3] اور سارڈینیا[4] پر بھی انہی کا قبضہ تھا۔ لیکن بعد میں یہ سلطنت چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گئی۔ اس کی بڑی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ 362 ہجری میں فاطمین نے اپنا پایۂ تخت افریقہ سے قاہرہ میں منتقل کر لیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ افریقہ کے مغربی حصے ان کے قبضے سے نکل گئے۔
>
> ابتدا میں فاطمیہ کا پایہ تخت مہدیہ (تیونس کے پاس ایک شہر) تھا یہ وہی شہر ہے جسے فرانس کے ایک مؤرخ فریر نے افریقہ کے نام سے یاد کیا تھا۔ پچاس برس بعد فاطمیوں نے مصر و شام کو بھی اپنی قلمرو میں شامل کر لیا جس سردار نے اخشیدیوں سے مصر چھینا تھا اسی سردار نے دریائے نیل کے دو شاخے پر قلعہ بنایا تھا جس کی آبادی بڑھتی گئی اور آج یہ شہر قاہرہ کہلاتا ہے۔ اسی سال فاطمیوں نے جنوبی شام فتح کیا اور حلب پر قابض ہو گئے اور اسی طرح ان کی حکومت سواحل مراکش تک پھیل گئی۔[5]

1: ڈاکٹر حسین ابرہیم، الفاطمیون فی مصر، المطبعة الامیریة بالقاهرة، ص70، 1932ء

2: سعید رضا، مسلمان امیر البحر، ص29، فیروز سنز لمیٹڈ لاہور کراچی

3: صقلیہ یا سسلی (Sicily) (اطالوی: Siclia، ہسپانوی: Sicilian، عربی: صقلیہ) اٹلی کا ایک خود مختار علاقہ اور بحیرہ روم کا سب سے بڑا جزیرہ ہے جس کا رقبہ 25ہزار700 مربع کلومیٹر اور آبادی 50لاکھ ہے۔

4: سارڈینیا رومی سمندر کا دوسرا بڑا جزیرہ اور اٹلی کے 20 بڑے علاقوں میں سے ایک ہے۔ اطالوی آئین کے تحت علاقے کو خود مختاری حاصل ہے۔ کل رقبہ 24090 مربع کلومیٹر اور آبادی 16لاکھ کے قریب ہے۔

5: Stanley Lane Poole, Muhammadan Dynesties, P: 398

دولت فاطمیہ بلاد مغرب میں

عبید اللہ المہدی نے اپنی خلافت کے اعلان کے بعد مختلف علاقوں میں اپنے کارندے اور گورنر مقرر کئے، اس فریضہ کیلئے اس نے اہل مغرب میں سے ان لوگوں کو چنا جن پر اسے کامل اعتماد تھا۔ ان میں سے ایک ابو عبد اللہ ہے، جسے اس نے 297 ہجری میں بعض دیگر قائدین کے ساتھ بلاد مغرب (قرطبہ، مراکش، صقلیہ وغیرہ) روانہ کیا تاکہ اس کی بیعت اور اطاعت کو یقینی بنائیں۔[1]

ابو عبد اللہ نے بیعت کے بعد وہاں نہ صرف مغرب غلبہ قائم کیا بلکہ اہل مغرب کے دلوں میں ایسا بسیرا کیا کہ اسے وہاں سے نکالنا خود عبید اللہ مہدی کیلئے مشکل ہو گیا۔ یہاں تک کہ اسے خطرہ محسوس ہوا کہ اس کی سلطنت کہیں اس کے ہاتھوں سے نکل ہی نہ جائے۔ اس خطرہ کے پیش نظر اس نے ابو عبد اللہ اور اس کے بھائی ابو العباس دونوں کو قتل کروادیا۔[2]

بحریہ کی ترویج میں عبید اللہ المہدی کا کردار

امیر البحر عبید اللہ المہدی نہ صرف فاطمی حکومت کے بانی تھے بلکہ فن جہاز رانی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ بحری جنگ کے جو اصول انہوں نے مرتب کیے ان میں سے بعض آج بھی بحریہ کے جدید تربیتی میں پڑھائے جاتے ہیں۔ وہ نہایت اچھے سپہ سالار اور اعلیٰ درجے کے منتظم تھے ان کے اعلی کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے مشہور مؤرخ محمد جمال الدین سرور رقمطراز ہیں:

> مہدی صرف تاجدار اور فرمانروا ہی نہیں تھا۔ ایک مخصوص تحریک کا داعی اور امام بھی تھا اپنی ان دوگانہ حیثیتوں کو اس نے بخوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ نبھایا، وہ ذاتی دشمنوں کو تو معاف کر سکتا تھا لیکن جن دشمنوں سے ریاست کو خطرہ ہو، انہیں بالکل معاف نہیں کرتا تھا۔[3]

مؤرخین نے تسلیم کیا ہے کہ وہ ایک بہادر اور دلیر شخص تھا۔ بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانا اس کی فطرت تھی۔ وہ حد درجہ رحیم تھا لیکن ساتھ ہی ساتھ خطاکاروں، باغیوں، سرکشوں اور سازش کرنے والوں کو کڑی سے کڑی سزا بھی دیتا تھا۔ ان کے نظم ونسق کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں:

> عبید اللہ کا نظم ونسق بہت سخت تھا۔ سیوطی بھی اس امر کو مانتا ہے کہ عبید اللہ کے عہد میں عدل وانصاف کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ رعایا اسے بہت چاہتی تھی۔[4]

1: ابن عذاری، ابو العباس احمد بن محمد، البیان المغرب، ج1، ص192، دار الثقافہ، لبنان۔ 1983ء

2: المقریزی، ابو العباس، احمد بن علی، اتعاظ الحنفاء، ص93، اهرام التجارية، مصر، 1996ء

3: محمد جمال الدین سرور، تاریخ الدولة الفاطمية، ص32، دار الفکر العربی، مصر

4: سیوطی، تاریخ الخلفاء، ص792

ان کا عہدِ حکومت پچیس سال سے کچھ کم عرصے رہا اس مدت میں انہوں نے افریقہ میں ایک وسیع علاقے کے علاوہ طرابلس، برقہ اور صقیلہ فتح کر لیا۔ اٹلی کو باجگزار بنالیا اور اگر عمر وفا کرتی تو جینوا اور اس کے بعد فرانس کو بھی زیر نگین کر لیا ہوتا۔

عہدِ فاطمی کا مضبوط بحری بیڑہ

فاطمیوں کا بحری بیڑہ اسلام میں سب سے بڑا بحری بیڑہ تھا۔ اسلام میں خلفائے فاطمی سے بڑا اور عظیم الشان بیڑہ ان کے عہد میں کسی اور کے پاس نہیں تھا فاطمیوں کے دوسرے خلیفہ قائم بن علی کے بارے میں جمال الدین سرور لکھتے ہیں:

قائم ایک عظیم جنگجو تھا اور اپنی زیادہ تر فوجی مہمات کی خود رہنمائی اور نگرانی کرتا تھا۔[1]

یہ بات ذہن نشین کر لینا بہت ضروری ہے کہ بحیرہ روم پر جو امیر البحر اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہو اسے بحریہ کی طرف خصوصی توجہ دینا ہوگی۔ قائم بن علی نے ایک مضبوط بحری بیڑہ تیار کیا اور اس نے اٹلی پر یلغار کر کے اس کے کئی شہروں کو فتح کر لیا لیکن اپنے ملک میں ابو یزید خارجی کی بغاوت کی وجہ سے اسے اٹلی کی فتح سے واپس آنا پڑا۔ قائم بن علی کے عظیم مسلم بحری بیڑے کا حال بیان کرتے ہوئے رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

وہ (قائم بن علی) فاطمی خلفاء میں پہلا خلیفہ تھا جس نے بحیرہ روم پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک مضبوط ترین بحری بیڑہ بنوایا تھا۔ قائم کی مملکت میں بندر گاہوں پر اطالیہ کے بحری قزاق پسپا اور اطالیہ کی دوسری بندر گاہوں پر یلغار کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ قائم بن علی نے جب جوابی کاروائی کی تو گتینا تک تمام جنوبی اٹلی کو پامال کیا اور اس کے بحری بیڑے نے جنوا کی بندر گاہ پر اپنا تسلط جما لیا اور یہ بندر گاہ ایک طویل مدت تک بحری مجاہدین کے قبضے میں رہی۔[2]

قائم بن علی کی خصوصی توجہ کی بنا پر اس کا بحری بیڑہ بڑا مستحکم تھا اٹلی پر بحری حملے، فرنگی بحری بیڑوں کو شکست دینا، اور اٹلی کے ساحلی علاقوں پر قبضہ، اس نے اپنی مضبوط بحری قوت کہ وجہ سے کیا تھا۔ اس حوالے سے رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

قائم بڑا اولوالعزم شخص تھا اس نے اپنے بحری بیڑے کو بہت زیادہ طاقتور بنالیا تھا مؤرخین کا بیان ہے کہ اگر اسے ابو یزید خارجی سے معرکہ آرا نہ ہونا پڑتا تو وہ سارے اٹلی کو فتح کر لیتا پھر بھی اس نے اٹلی کے کئی شہر فتح کر لئے اور اٹلی کے مشہور ساحلی شہر جنوا پر قبضہ کر لیا، فرنگی جہازوں کو اس نے بار بار شکست دی اور

1: جمال الدین سرور، تاریخ الدولة الفاطمية، ص28

2: جعفری، رئیس احمد، دولت فاطمیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص182، 2004ء

ان کا زور توڑ دیا۔ اطالیہ کے بحری بیڑے بنو فاطمہ کے ساحلی شہروں پر پے درپے حملے کرتے تھے۔ قائم نے ان بیڑوں کو ایسی شکستیں دیں کہ سمندر اُن کا مرقد بن گیا۔[1]

فاطمی بیڑوں نے 310 ہجری سے 317 ہجری تک اٹلی کے ساحلوں پر متعدد حملے اور فتوحات کیں حتیٰ کہ اٹلی کی حکومت نے صلح کی درخواست کی اور خراج دینا قبول کیا۔ معاہدے کے بعد ساحلی شہروں سے مسلمان فوجیں واپس بلا لی گئیں۔ اٹلی کی حکومت باقاعدہ خراج دیتی رہی جبکہ دوسری عیسائی حکومتیں خراج دینا بند کر دیتی تھیں اور مسلمانوں کو ان کی گوشمالی کرنی پڑتی تھی۔

فاطمین مصر کی بحری شان و شوکت اور مضبوط مسلم بحری بیڑے کا حال بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

بحیرۂ روم میں پہلے تو عربوں اور رومیوں کے درمیان مقابلہ ہوتا رہا۔ مگر جیسے جیسے عربوں کی بحری فتوحات آگے بڑھتی گئیں رومی پیچھے ہٹتے گئے 296 ہجری میں شمالی افریقہ میں عبیدی فاطمیوں کی پر زور حکومت قائم ہوئی جو سسلی، مصر اور شام پر رفتہ رفتہ چھا گئی۔ اس حکومت کے قیام کے لئے جس کے اکثر حصے بحری مواصلات کے ذریعے وابستہ تھے، بحری ترقی ضروری تھی چنانچہ اس نے تیونس کے قدیم جہاز سازی کے کارخانے کو بے حد ترقی دی۔ تیونس کے کارخانہ میں بحری جنگی جہاز ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رہتے تھے۔[2]

فاطمین مصر کی جہاز سازی اور جہاز رانی پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ ابن الاثیر کچھ یوں رقمطراز ہیں:

303 ہجری میں بحیرہ روم کے ساحل پر ایک پہاڑ کو کھود کر اس میں اتنی بڑی گودی تعمیر کی گئی تھی جس میں دو سو جنگی جہاز محفوظ کھڑے ہو سکتے تھے۔ ان بحری جہازوں کے بند کرنے کے لئے پھاٹک اور تالے لگتے تھے، رسد و خوراک کے لئے غلہ کے انبار کو محفوظ کرنے کا الگ انتظام تھا اور میٹھے پانی کا انصرام اس سے الگ تھا۔[3]

اس وقت مسلم بحری بیڑہ اتنا مضبوط تھا کہ اس نے افریقی بحری بیڑے کو تباہ کر دیا، اس کے بارے علامہ ابنِ خلدون لکھتے ہیں:

1: جعفری، رئیس احمد، دولت فاطمیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ص 183، 2004ء

2: ندوی، سید سلیمان علی، عربوں کی جہاز رانی، ص 56۔ اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، 1981ء

3: الجزری، ابن الاثیر، علی بن الکریم، الکامل فی التاریخ، ج 4، ص 456۔ دار الکتب العلمیہ، بیروت۔ 1987ء

جب ابوالقاسم افریقہ کی طرف روانہ ہوا تو اس بحری بیڑے کا شہر رشید میں شاہی بحری بیڑے سے مقابلہ ہو گیا جس میں پچیس کشتیاں تھیں اور طرسوس سے یہ خبر پا کر آیا تھا، نہایت سخت اور خونریز جنگ کے بعد مسلم بحری بیڑے کو کامیابی نصیب ہوئی، افریقی بحری بیڑے کو آگ لگا دی گئی اور افریقی بحری فوج کو گرفتار کر لیا گیا۔[1]

الغرض! بحیرۂ روم کے دونوں ساحلوں میں عربوں کی آمد و رفت تھی، وہ افریقی ساحل میں ایک طرف اندلس اور طنجہ تک پہنچ کر مغربی اور جنوبی افریقہ تک چلے جاتے تھے اور دوسری طرف ایشیائے کوچک، قسطنطنیہ اور جزائر کو طے کر کے سسلی، اٹلی اور فرانس تک پہنچتے تھے۔

عہد فاطمی میں معزالدین کا بحری بیڑہ اور جہاز سازی

عہد بنو فاطمہ میں معزالدین اور بعد کے خلفاء فاطمیین نے بری افواج کے ساتھ ساتھ ایک مضبوط بحری بیڑے کی تکمیل اور تیاری پر خاص توجہ مبذول رکھی جو بحیرۂ روم میں ہمہ وقت تیار اور مستعد رہتا تھا، کیونکہ یہاں سے بآسانی شام پر بازنطینی حملہ کی مدافعت کی جاسکتی تھی۔ معزالدین نے جہاز سازی کا ایک کارخانہ فس (جو ساحل نیل پر ایک گاؤں ہے) میں قائم کیا تھا۔ اس کارخانہ میں چھ سو جہازوں کی تعمیر اور مرمت کا بندوبست تھا۔

تجارتی اور جنگی جہازوں کی تعمیر اور تیاری میں جو لکڑی استعمال ہوتی تھی وہ لبنان کے جنگلات اور دوسرے مقامات سے حاصل کی جاتی تھی۔ بحری بیڑے کے جہازوں کے لئے جنوبی یورپ سے بھی لکڑی درآمد کرنے کا بندوبست تھا، کیونکہ وہ زیادہ مضبوط ہوتی تھی لیکن عام کشتیوں اور تجارتی بیڑے کے لئے مقامی لکڑی کا استعمال ہوتا تھا۔

معزالدین کے عہد کا مسلم بحری بیڑہ بہت مضبوط تھا۔ اس نے حسین بن علی گورنر صقیلہ سے کہا تھا کہ ساحل اندلس پر حملہ کر دو اس کا تذکرہ علامہ ابن خلدون کچھ یوں کرتے ہیں:

344ہجری میں حسین بن علی جو کہ صقیلہ کا گورنر تھا۔ معزالدین نے اسے تحریری طور پر حکم دیا کہ تم اپنا بحری بیڑہ تیار کر کے اندلس کی بندرگاہ مریہ پر حملہ کر دو، چنانچہ جب حسین نے مریہ پر یلغار کی تو بہت سامال غنیمت اور قیدی لے کر واپس آیا۔[2]

اس کے بعد ابن خلدون مزید لکھتے ہیں:

1: ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن، تاریخ خلدون، ج4، ص95۔ نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، 2001ء

2: ایضاً ج4، ص104

معزالدین نے نہایت مستعدی سے اندلسی فوج کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک دیا جس سے اندلسی افواج منہ کی کھاکر لوٹ گئیں اور معزالدین کی حکومت کا تمام بلادِ افریقہ اور مغرب میں سکّہ چلنے لگا۔[1]

مسلم مؤرخ مقریزی[2] اور غیر مسلم مؤرخ جرجی زیدان[3] کی تحقیق کے مطابق معزالدین کا مسلم بحری بیڑہ سولہ ہزار جنگی جہازوں پر مشتمل تھا۔

اس دور کی بحریہ کا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے عبدالواحد سندھی رقمطراز ہیں:

مسلمان بادشاہ مسلم بحری بیڑے کو ترقی دینے کے لئے بحری فوجوں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کے بڑے بڑے عہدے مقرر کیے گئے تھے۔ ان کے لئے بڑے اعزاز تھے۔ جنگی جہازوں کی لڑائی پر روانگی کے وقت ایک خاص جشن منایا جاتا تھا اس موقع پر خود بادشاہ موجود ہوتے تھے۔[4]

فاطمین مصر کے خلیفہ معزالدین کی بحری خدمات کا تذکرہ سید امیر علی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

وہ معزالدین مغرب کا حقیقتاً مامون تھا۔ اس کے دور حکومت میں شمالی افریقہ تہذیب و تمدن اور خوشحالی کی بلندیوں پر تھے لوگ بہت خوشحال اور مطمئن تھے اس نے اپنے عہدِ حکومت میں داخلی انتشار اور فسادات کو طاقت کے بل بوتے پر دبا لیا انتظامی امور میں بہت باقاعدگی لائی گئی تجارت کے نظام کو بہتر بنانے کے لئے قوانین بنائے گئے اس نے بری فوج اور مسلم بحری بیڑے کو از سر نو منظم کیا اور اس نے صنعت و حرفت پر بھی خصوصی توجہ دی۔[5]

الغرض! معزالدین کے عہد میں شمالی افریقہ تہذیب اور خوشحالی کے عروج پر تھا وہ سائنس اور فلسفہ کا بہت بڑا ماہر تھا۔ اس نے فوج اور بیڑے کی نئے سرے سے تنظیم کی وہ دوستوں کا دوست اور دشمنوں کا دشمن تھا۔ ملک کے حالات سے باخبر رہتا تھا۔ اہلِ علم کی قدردانی اور حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتا تھا۔ یہ وہی فاطمی خلیفہ ہے جس کے مشہور سپہ سالار جوہر نے مصر کو فتح کر کے قاہرہ کی بنیاد ڈالی تھی اس کے بعد قاہرہ فاطمیوں کا دارالسلطنت بن گیا تھا۔

1: ابن خلدون، علامہ عبدالرحمٰن، تاریخ خلدون، ج4، ص104

2: المقریزی، احمد بن علی، الخطط و الاثار، ج3، ص317، مکتبہ المصطفیٰ، مصر، 1916ء

3: جرجی زیدان، تاریخ مصر الحدیث، ص296، مکتبہ المقتطف، مصر۔ 1889ء

4: اے ڈبلیو سندھی، اسلام کے مشہور سپہ سالار، ص54، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی۔ 1956ء

5: Ameer Ali Syed, A Short History of the Saracens, P: 597, New York, USA, 1889

عہد فاطمیہ کے اہم بحری کارخانے

عہد فاطمیین میں جہاں بحری بیڑے کو تیار کر کے بھیجا جانے لگا وہیں جہازوں کی تعمیر اور مرمت کے لئے بڑے بڑے کارخانوں کا بھی اہتمام کیا گیا۔ تیونس، قاہرہ، اسکندریہ اور فس وغیرہ میں تو جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے قائم تھے ہی لیکن سسلی وغیرہ میں بھی بڑے بڑے کارخانے موجود تھے اور جنگی جہازوں کا بہت بڑا کارخانہ بلرم میں تھا۔ جہاں بنو کتامہ کے حوالی بڑی تعداد میں کام کرتے تھے۔ چنانچہ فاطمیین کی جہاز سازی کی صنعت کا ذکر کرتے ہوئے رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

> مصر میں مقام مقس پر معزالدین الفاطمی نے دار الصناعۃ بنایا جس میں چھ سو جنگی جہاز تیار ہوئے جو ہر حیثیت سے بے مثال تھے۔ فاطمیوں کے عہد میں قاہرہ اور اسکندریہ میں دار الصناعۃ قائم کئے گئے۔[1]

فاطمیین مصر کے عہد کی بحری فوقیت کی بنا پر جہاز رانی میں بحریہ کی خدمات قابل تعریف تھیں لیکن جہاز رانی کے ساتھ ساتھ جہاز سازی کے شعبہ پر بھی خصوصی توجہ دی جارہی تھی۔ ان کے عہد میں تیونس، مصر اور سسلی میں جہاز سازی کے بڑے بڑے کارخانے تھے صقیلہ میں بحری جہازوں کے کارخانوں کا ذکر ابن جبیر نے یوں بیان کیا ہے:

> جنگی جہازوں کا ایک عظیم کارخانہ بلرم (پلرمو) میں موجود تھا۔ جہاں بنو کتامہ کے موالی بڑی تعداد میں کام کرتے تھے اور دوسرا بڑا کارخانہ جسے دار الصناعۃ کہتے ہیں وہ مینا میں تھا۔[2]

الغرض اس عہد میں جہاز رانی اور جہاز سازی کی صنعت کو بہت فروغ ملا اور بے شمار کارخانے قائم کیے گئے تاکہ آئندہ آنے والے حالات کا مقابلہ کیا جاسکے اور دشمن کی چالوں کو ناکام کیا جاسکے۔

1: جمال الدین سرور، تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ، ص64

2: ابن جبیر، محمد بن احمد، رحلۃ ابن جبیر، دار بیروت للطباعۃ والنشر – بیروت، ص245، 1287ھ

فصل دوئم:

سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے بحری کارنامے

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- سلطنت عثمانیہ کا تعارف
- عثمانی ترکوں کی بحری طاقت کا آغاز
- قسطنطنیہ کی فتح اور مسلم بحریہ
- خشکی پر بحری جہاز چلانے کا واقعہ
- سلطان محمد فاتح کی تقریر
- فاتح قسطنطنیہ کی رواداری
- سلطان بایزید یلدرم کا محاصرہ قسطنطنیہ

سلطنت عثمانیہ کا تعارف

عثمانی سلطنت کے بانی اور سلطنت عثمانیہ کے پہلے فرماں روا کا نام عثمان بن ارطغرل تھا، اسی وجہ سے یہ تاریخ میں عثمانی ترک کے نام سے مشہور ہے۔ اسے عثمان غازی بھی کہا جاتا ہے۔ لارڈ ایورسلے نے سلطان عثمان کی سلطنت کا نقشہ یوں بیان کیا ہے:

سلطان عثمان نے اپنے باپ کی وفات کے بعد سلطنت کو بہت وسیع کیا وہ جنوب میں کوتاہیہ، شمال میں بحر مارمورا کے ساحلوں تک وسعت دی۔ [1]

مزید لکھتے ہیں:

سلطنت عثمانیہ (ترک) کا بانی عثمان بقول ایک مشہور عیسائی مؤرخ ایڈورڈ کریزی، اپنی جرأت، ہمت، دانشمندی، عزم واستقلال، ذہانت، دور اندیشی اور بلند اخلاق میں اپنی مثال آپ تھا۔ [2]

عثمان خان کی تخت نشینی کے وقت بازنطینی سلطنت اندرونی خلفشار میں مبتلا تھی، مگر اس کے باوجود بازنطینی قلعہ دار سلجوقیوں کے علاقے پر جارحانہ حملے کرتے رہتے تھے۔ ان کو سزا دینے کی خاطر عثمان نے اپنے عہد حکومت کے پہلے ہی سال قراجہ حصار کا قلعہ فتح کر لیا، اس پر علاؤالدین نے خوش ہو کر نہ صرف قراجہ حصار کا قلعہ اور اس کے نواحی مضافات عثمان کو دیدیے بلکہ اسے اپنا سکّہ جاری کرنے اور جمعہ کا خطبہ میں اپنا نام شامل کرنے کی اجازت دے دی۔ [3]

عثمان اوّل کو اپنے عہد کے آغاز میں ہی مخلص ساتھیوں کا ایک حلقہ مل گیا تھا، ان میں کچھ اس کے بھائی، بھتیجے تھے اور کچھ شیخ ادب علی جیسے لوگ تھے۔ عثمان نے مفتوحہ علاقوں کا شہری اور فوجی انتظام اپنے دوستوں میں بانٹ دیا تھا۔ [4]

عثمان بن ارطغرل نے اپنی خود مختار سلطنت کے قیام کے بعد فتوحات کی طرف اپنی تمام صلاحیتیں وقف کر دیں اور ان کا دائرہ کار مشرق کی بجائے مغرب کی سمت رکھا، ایڈورڈ کریزی نے اسکی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

ایشیائے کوچک(Asia Miner) میں کرمان [5] کی ریاست عثمان کی ریاست سے زیادہ مضبوط اور مستحکم تھی، لہذا اس نے سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے اپنا ہدف کرمان کی بجائے یونانی مقبوضات کو بنایا اور یہ

1: Lord Eversley, The Turkish Empire, P:115, Cambridge University Press, London, 1917

2: Edward S Creasy, History of Othoman Turks, P: 11, New York, USA, 1877

3: یلماز اوزتونا(Yılmaz Öztuna)،(مترجم عدنان محمود سلمان) تاریخ الدولة العثمانیة، مؤسسة فیصل للتمویل، استنبول، ترکی، ص86، 1988ء

4: ایضاً

5: مملکت ایران کے جنوب مشرق میں واقع صوبہ کرمان(فارسی: استان کرمان) (انگریزی: Kerman Province) رقبہ کے لحاظ سے ایران کا دوسرا بڑا صوبہ ہے۔ جس کا رقبہ 180,836 مربع کلومیٹر اور آبادی 20 لاکھ ہے۔

علاقے یونانی حکمرانوں کی کمزوری کی وجہ سے سلطان عثمان نے بہت جلد فتح کر کے اپنے قبضے میں کر لئے، اور اس طرح وہ یورپ کی طرف بڑھتا ہی چلا گیا اور اس نے اپنے جانشینوں کو وہ راستہ دکھلا دیا جو درہ دانیال سے ہو کر یورپ میں آسٹریا اور ہنگری کی جانب جاتا تھا۔[1]

سلطان عثمان نے ینی شہر کو فتح کرنے کے بعد اپنا دار السلطنت اسی شہر کو بنایا تھا، اور یہ شہر یونان والوں کا بڑا اہم مرکز تھا۔ سلطنت عثمانیہ کے بانی کو اللہ تعالیٰ نے بہت منفرد اور امتیازی خصوصیات عطا کی تھیں۔ اس نے اپنے 27 سالہ عہد حکومت میں دینی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور علمی اعتبار سے اس طویل و عریض اور عظیم الشان عثمانی سلطنت کی بنیاد ڈالی، جس کا ڈیڑھ سو سال کے اندر دنیا کی زبردست طاقتوں میں شمار ہوتا تھا، اور تین سو سال گزرنے کے بعد یہ سلطنت اپنی وسعت اور طاقت کے اعتبار سے دنیا کی سب سے عظیم الشان سلطنت تھی۔ اس سلطنت کے بانی نے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اس کی بنیادوں کو اتنا مضبوط استوار کیا تھا کہ یہ سوا چھ سو سال تک قائم و دائم رہی۔ اس سلطنت کے بانی کی امتیازی خصوصیات کتب تاریخ میں یوں مرقوم ہیں:

> عثمان بن ارطغرل میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے جو ایک سلطنت کے بانی کے لئے ضروری ہوتے ہیں، اس کی ہمت و شجاعت غیر معمولی تھی۔ اسے قیادت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ میدان جہاد میں اس کی بہادری سپاہیوں میں دلیری کی روح پھونک دیتی تھی اور انتظام حکومت میں اس کی دانشمندی رعایا کے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتی تھی۔ اس کے عدل و انصاف کی شہرت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی عدالت میں ترک و تاتار، مسلم و عیسائی سب برابر تھے۔ قرون اولیٰ کے مجاہدوں کی طرح اس کا طرز زندگی نہایت سادہ اور نمود و نمائش سے یکسر پاک تھا۔ دولت اس نے کبھی جمع نہیں کی تمام مالِ غنیمت غریبوں اور یتیموں کا حصہ نکالنے کے بعد اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔[2]

ڈاکٹر عزیز، عثمان اوّل کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

> ینی شہر میں اس (عثمان) کے رہنے کا جو مکان تھا اس میں سونے، چاندی یا جواہرات کی قسم کی کوئی بھی چیز اس کی وفات کے بعد نہیں ملی۔ صرف ایک کفتان، ایک سوتی عمامہ، لکڑی کا ایک چمچہ، ایک نمکدان، چند خالص عربی گھوڑے، زراعت کے چند جوڑے بیل، بھیڑوں کے کچھ گلے، علمی کتب اور اسلحہ جات (عثمانی سلطنت کے بانی) کی کل کائنات تھی۔ وہ نہایت فیاض، نہایت رحم دل اور نہایت مہمان نواز تھا ان خصوصیات کی وجہ سے اس کی ہر دلعزیزی عام تھی، چنانچہ تخت نشینی کے موقع پر جب اس کی تلوار جو ابھی تک محفوظ تھی، اس کے

1: Edward S Creasy, History of Othoman of Turks, P 24.

2: یلماز اوزتونا، تاریخ الدولة العثمانیة، ص 83

جانشینوں کی کمر سے باندھی جاتی تھی، تو ساتھ ساتھ یہ دعا بھی کی جاتی تھی "اے اللہ تعالیٰ اس میں بھی عثمان بن ارطغرل ہی جیسی خوبیاں پیدا کر دے۔[1]

عثمانی ترکوں کے بارے میں ڈاکٹر محمد صفوت لکھتے ہیں:

خلفائے راشدین کے عہد سے ہی ایشیائے کوچک میں عربوں کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، جو عباسی دور کے اختتام سے کچھ عرصہ قبل تک جاری رہا، تاہم یہ فتوحات مدّ و جزر کی حیثیت رکھتی تھیں۔[2]

سلجوقیوں کی حکومت ختم ہوئی تو ان کی جگہ عثمانی ترکوں نے لے لی۔ عثمانیوں نے نہ صرف پورے ایشیائے کوچک کو فتح کیا بلکہ انہوں نے یورپ میں بھی زبردست فتوحات کیں، اور اس کے کئی ممالک کو اپنی قلمرو میں شامل کر لیا۔ یورپ میں عثمانی فتوحات کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمد مصطفی صفوت لکھتے ہیں:

دولت عثمانیہ نے جس کا قیام عثمان خان کے ذریعے عمل میں آیا تھا اور جسے اس کے لڑکے اور خان نے اپنی خداداد قابلیت اور ذہانت کی بدولت ایک ترقی یافتہ منظم سلطنت میں تبدیل کر دیا تھا، بہت جلد ایشیائے کوچک سے آگے قدم بڑھا کر یورپ پر حملے شروع کر دیے اور ادرنہ پر قابض ہو کر اسے اپنا دارالسلطنت بنالیا۔[3]

سلطنت عثمانیہ اور ترکوں کے بحری کارنامے

سلطنت عثمانیہ یا خلافت عثمانیہ 1299 عیسوی سے 1922 عیسوی تک قائم رہنے والی ایک عظیم مسلم سلطنت تھی، جس کے حکمران ترک تھے۔ اپنے عروج کے زمانے میں یہ سلطنت تین برّاعظموں پر پھیلی ہوئی تھی اور جنوب مشرقی یورپ، مشرقی وسطیٰ اور شمالی افریقہ کا بیشتر حصہ اس کے زیر نگین تھا۔ ایشیائے کوچک جو عصر حاضر میں ترکی کہلاتا ہے اس پر عربوں کی یلغار خلافت راشدہ ہی کے عہد سے شروع ہو چکی تھی جو اموی حکومت کے بعد بنو عباس کے اختتام تک جاری وساری نظر آتی ہے۔ ان میں بری اور خاص طور پر بحری یلغاروں کا نتیجہ مدو جزر کی مانند تاریخ میں دکھائی دیتا ہے۔[4]

مسلم بحری تاریخ کے حوالے سے سلجوقی ترکوں کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا قانون قائم کرنے کے لئے بازنطینیوں سے معرکہ آراء ہوئے، اور ان پر ایک مضبوط کاری ضرب لگا کر ایشیائے کوچک میں توحید خالص کا پرچم لہرانے میں کامیاب ہو گئے۔ اگرچہ بازنطینیوں نے کئی بار حملے کر کے اسلام کے مضبوط قدموں کو متزلزل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ اسلام کی سچی تعلیم کی بدولت اس علاقے کے لوگ تیزی سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور

1: عزیز، محمد، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، ج1، ص25، 2008ء

2: صفوت، مصطفیٰ محمد، ڈاکٹر، سلطان محمد فاتح، ص27، مکتبہ میری لائبریری، لاہور۔ 1973ء

3: ایضاً

4: یلماز اوز تونا، تاریخ الدولة العثمانیة، ص7

مملکت اسلامی کے استحکام کا باعث بنے۔ بارہویں صدی کے اختتام پر اسلام کے پیروکاروں کو مکمل غلبہ حاصل ہو چکا تھا۔ سلجوقیوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد ان کی جگہ نئی حکومت عثمانی ترکوں کی تھی، اور انہوں نے صرف اسلام کو ایشیائے کوچک میں ہی غالب نہیں کیا بلکہ یورپ کے اکثر حصوں میں بھی فتوحات حاصل کیں اور وہاں پر بھی اسلامی پرچم آزاد فضاؤں میں لہرانے لگا۔

سید عبد الصبور طارق اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> قرونِ اولیٰ کا اسلامی بحری بیڑہ تیرہویں صدی عیسوی میں زوال پذیر ہوا تو اس کی جگہ عیسائی ممالک کے بحری بیڑوں نے لے لی اور وہ تقریباً تین سو سال تک بحیرۂ روم کے بیشتر حصہ پر چھائے رہے بالآخر سولہویں صدی عیسوی میں عثمانی ترکوں نے ایک ایسا زبردست بحری بیڑہ تیار کیا، جس کے تصور ہی سے عیسائی ممالک پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی، اور ان کا بحری بیڑہ ترکی بحری بیڑے کے خوف سے بحیرۂ روم میں ادھر اُدھر چھپتا پھرتا تھا۔[1]

اس عظیم سلطنت کی سرحدیں مغرب میں آبنائے جبرالٹر، مشرق میں بحیرۂ قزوین اور خلیج فارس میں اور شمال میں آسٹریا کی سرحدوں، جبکہ جنوب میں سوڈان، صومالیہ اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی، مالدووا، ٹرانسلوانیا اور ولاچیا کے باجگزار علاقوں کے علاوہ اس کے 29 صوبے تھے۔

سلطان اُورخان غازی اور مراد اوّل کے عہد کی فتوحات

سلطان عثمان کے بعد اس کا بیٹا سلطان اُورخان جو اسلامی تاریخ میں غازی کے نام سے مشہور ہے، اس کا جانشین بنا۔ اس نے اپنے باپ کے بعد رومیوں اور یونانیوں کے خلاف فتوحات کا سلسلہ جاری و ساری رکھا۔ وہ اپنے والد سے بڑھ کر جنگجو تھا، اس نے سلطنتِ عثمانیہ کا دائرہ سرزمین یونان تک وسیع کر دیا۔ اس کے عہد کی بڑی بڑی فتوحات نائکومیڈیا پر قبضہ، بروصہ اور نائسیا جو یونان کا دارالحکومت تھا ان سب پر اسلامی پرچم لہرادیا۔ بروصہ جو سلطان اُورخان کا دارالسلطنت تھا، اس میں اس نے مؤرخ گبن کے مطابق ایک عظیم مسجد اور عظیم یونیورسٹی بنوائی تھی۔ اس حوالے سے بات کرتے ہوئے مؤرخ گبن لکھتے ہیں:

> ایک عظیم جامع مسجد اور اس مسجد کے سامنے پہلی عثمانی یونیورسٹی قائم کی اور اس میں جملہ علوم و فنون کے شعبے قائم کیے۔[2]

1: عبد الصبور طارق، سید، مسلمانوں کے بحری کارنامے، مکتبہ تعمیرات انسانیت، لاہور، ص 151، 1990ء

2: Edward Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire, Vol.4, P381, London, 1776

سلطان اُورخان کا عظیم ترین کارنامہ باقاعدہ فوج کی بھرتی اور تربیت کا نظام تھا اور اس فوج کا نام ینی چری ہے، جس کے معانی ہیں "نئی فوج" یونان والوں کی فوجی مدد کی بدولت ان کو فتح حاصل ہوئی اور زنپ (Zynp) قلعہ عثمانی سپاہ کو بطور انعام دے دیا گیا اور یہاں سے عثمانی ترکوں کے قدم یورپ کی سرزمین میں داخل ہوگئے، چنانچہ رشید اختر ندوی لکھتے ہیں جس طرح موسیٰ بن نصیر کا احسان ملت کبھی فراموش نہیں کرسکتی اسی طرح اُورخان کی اس مہربانی کو کبھی بھول نہیں سکے گی کہ وہ اسلام کا پہلا مجاہد، علمبردار بن کر یورپ کے ساحل پر اترا۔

سلطان مراد اوّل ایک نامور مجاہد، مسلم حکمران تھا، جس نے یورپ میں داخل ہو کر اس کے ایک بڑے حصے کو اپنی اسلامی ریاست میں شامل کیا۔ اس حوالے سے رشید اختر ندوی لکھتے ہیں:

> اس نے یورپ کی متحدہ افواج، جس میں ہنگری، پولینڈ، بوسنیا، سربیا، اور ملاشیا کے بادشاہ شامل تھے، انہیں زبردست شکست دی اس نے جنگ میں کبھی شکست نہ کھائی۔ اس نے بلغاریہ، یونان، بلقان[1]، سرویا، اور کرمان پر اپنا تسلط قائم کر کے اپنی سلطنت کو یورپ کی سب سے بڑی اور ایک لحاظ سے یورپین بادشاہوں کی نگران سلطنت بنا دیا۔ ہنگری، بلغاریہ، یونان، اور البانیہ کی ریاستیں سب کی سب اسے خراج دیتیں اور اس کو اپنا آقا و مالک سمجھتیں۔[2]

سلطان مراد اوّل کی سلطنت کتنی بڑی تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے صرف تیس سال کی مدّت میں سلطنت کو پانچ گنا بڑھا دیا۔ سلطان مراد اوّل نے جہاد فی سبیل اللہ کی اصل روح اور مقصد کو ہمیشہ اپنا نصب العین بنایا۔ اس نے اپنے باپ کی وصیت کو ہمیشہ یاد رکھا جسے رشید اختر ندوی یوں بیان کرتے ہیں:

> بیٹے خواہ کچھ بھی ہو جائے، یہ بات فراموش نہ کرنا کہ تم یورپ میں اسلام کے نقیب ہو، اور تمہارے باپ (اُورخان) اور تمہارے دادا (سلطان عثمان) کے سامنے دین اسلام کی برتری کے سوا کوئی دوسرا مقصد نہ تھا۔[3]

---

1 : بلقان (Balkans) جنوب مشرقی یورپ کے خطے کا تاریخی وجغرافائی نام ہے۔ اس علاقے کا رقبہ 5 لاکھ 50 ہزار مربع کلومٹر اور آبادی تقریبا 55 ملین ہے۔ اس خطے کا یہ نام کوہ بلقان کے پہاڑی سلسلے کی وجہ سے دیا گیا، جو بلغاریہ کے وسط سے مشرقی سربا تک جاتا ہے۔ اسے اکثر جزیرہ نما بلقان بھی کہتے ہیں کیونکہ اس کے تین جانب سمندر رہے۔

2: ندوی، رشید اختر، مسلمان حکمران، ص 644

3: ایضاً

عثمانی ترکوں کی بحری طاقت کا آغاز اور بحری بیڑا

عثمانیوں کی بحری طاقت کی ابتداء اس وقت ہوئی جب سلطان بایزید یلدرم نے بحیرۂ ایجین کے ساحل پر واقع ترکی امیروں کی ریاستوں ایدین، انتشا اور صاروخان کو فتح کر لیا۔ ان ریاستوں کو فتح کر کے عثمانی ترک بحیرۂ ایجین (جو ترکی اور یونان کے درمیان واقع ہے) کے ساحل تک واقع ہے۔ عثمانی ترک یورپ میں داخل ہو چکے تھے، اور ان کی برّی فتوحات اپنی وسعت کے اعتبار سے قابل تعریف تھیں۔ ان فتوحات میں اگرچہ بحری جہاز اور کشتیاں ضرورت کے وقت استعمال کی جاتی رہیں لیکن بحری طاقت کا باقاعدہ آغاز سلطان بایزید یلدرم کے عہد سے ہوا، چنانچہ ڈاکٹر محمد عزیز لکھتے ہیں:

(ایشیائے کوچک کی ریاستیں) ایدن، امنشا اور صاروخان سلطنت عثمانیہ میں شامل کر لی گئیں۔ ان کی فتوحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانی ترک بحر ایجین کے ساحل تک پہنچ گئے۔ یہاں سے عثمانی بحری طاقت کی ابتداء ہوتی ہے، گو بایزید کے عہد میں اس کو ترقی نہ مل سکی (لیکن باقاعدہ آغاز ہو گیا) ساٹھ بحری جہازوں کا پہلا عثمانی بیڑہ 792 ہجری میں روانہ ہو کر جزیرہ کیوس پر حملہ آور ہوا۔[1]

قسطنطنیہ کی فتح اور مسلم بحریہ

قسطنطنیہ پر مسلمانوں کے حکمرانوں نے مختلف ادوار میں کئی حملے کیے ہیں۔ سب سے پہلے سیّدنا امیر معاویہ نے 48 ہجری میں یلغار کی، پھر امیر معاویہ کے دور میں دوسرا حملہ یزید بن معاویہ اور سفیان بن عوف کی سپہ سالاری میں ہوا، جبکہ تیسرا حملہ 98 ہجری سلیمان بن عبد الملک کے عہد سن 121 میں، چوتھا حملہ خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد 121 ہجری میں، پانچواں حملہ مہدی عباسی کے زمانے میں 164 ہجری میں ہارون الرشید کی سپہ سالاری میں، چھٹا حملہ ہارون الرشید کے عہد میں سپہ سالار عبد الملک نے 182ھ میں، ساتواں حملہ ملک شاہ سلجوقی نے، آٹھواں حملہ سلطان بایزید یلدرم نے، نواں حملہ سلطان مراد الثانی 825ء میں اور دسواں حملہ محمد فاتح نے 557ھ بمطابق 1453ء بحری جہازوں کو خشکی پر چلا کر کیا اور شہر فتح کر لیا۔

سلطان محمد فاتح کے حملہ کی تیاریوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد عزیز لکھتے ہیں:

سلطان محمد الثانی کو قسطنطنیہ کے محاصرے کے دوران کسی دوسری جانب متوجہ نہیں ہونا پڑا، اس نے پہلے ایشیائے کوچک کی شورشوں کو فرو کیا اور امیر کرمانیہ سے صلح کر کے اُس سے عہد کر لیا۔ اُس کے بعد تین سال کے لئے سونیاڈے سے بھی صلح کر لی جس کی وجہ سے شمالی یورپ کی طرف سے بھی کوئی خطرہ باقی نہ رہا، پھر اُس نے ایک فوج موریہ بھیج دی تا کہ بادشاہ کے بھائی جو وہاں حکومت

1: عزیز، محمد، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، ج 1، ص 55

کرتے ہیں وہ قسطنطنیہ کی مدد کرنے سے روک دیئے جائیں۔ اِن تدبیروں سے فارغ ہو کر اُس نے آبنائے باسفورس[1] کے یورپی ساحل اور قسطنطنیہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ایک زبردست قلعہ بنانا شروع کر دیا، یہ قلعہ بایزید یلدرم کے بنائے ہوئے قلعے کے جو آبنائے باسفورس کے ایشیائی ساحل پر واقع تھا بالکل مقابل تھا۔ قسطنطنیہ نے اس قلعہ کی تعمیر کے خلاف احتجاج کیا لیکن بے سود، جدید قلعہ سن 1252ء کے موسمِ سرما سے قبل تیار ہو گیا تھا، آبنائے باسفورس اب تمام ترکوں کے قبضہ میں تھی، کوئی جہاز اُن کی اجازت کے بغیر اسے عبور نہیں کر سکتا تھا۔ سلطان محمد فاتح نے ڈیڑھ لاکھ فوج تیار کی اور بھرپور جنگی تیاریاں شروع کر دیں۔[2]

یہی مصنّف آگے مزید لکھتے ہیں:

قسطنطنیہ کا شہر مثلث نما ہے جس کے دو حصے پانی میں گھرے ہوئے ہیں، شمال میں شاخ زریں Golden Horn اور جنوب میں بحر مار مورا ہے۔ بری فوج صرف تیسرے حصے سے حملہ آور ہو سکتی تھی جو مغرب کی جانب واقع ہے لیکن اس کی حفاظت یکے بعد دیگرے تین زبردست دیواریں کر رہی تھیں جو توپوں کی ایجاد سے پہلے ہر طرح کے حملوں سے محفوظ تصوّر کی جاتی تھیں، اندر کی دو دیواریں بہت موٹی تھیں اور ان پر ایک سو ستر فٹ فاصلے پر مضبوط برج تھے۔ دوسری اور تیسری دیوار کے درمیان ساٹھ فٹ چوڑی خندق تھی جو سو فٹ گہری تھی، یہ دیواریں تھیوڈوسس (Theodosus) ثانی نے تعمیر کرائیں تھیں، قسطنطنیہ کو فتح کرنے کے لئے ان دیواروں پر کامیاب گولہ باری ضروری تھی۔ سلطان محمد الثانی نے مروّجہ توپوں کو ناکافی خیال کرتے ہوئے عظیم الشّان نئی توپیں بنوائیں۔ اربان نامی ایک عیسائی انجینئر جو ہنگری کا رہنے والا تھا اور بازنطینیوں کی ملازمت سے الگ ہو کر سلطان کی خدمت میں چلا آیا تھا ایک نہایت ہی زبردست توپ ڈھالی جس کے گولوں کا قطر ڈھائی فٹ تھا، اس کے علاوہ اَور بھی توپیں بنائیں جو نسبتاً چھوٹی تھیں لیکن زیادہ تیزی کے ساتھ گولے برسا سکتی تھیں۔ سلطان محمد نے قسطنطنیہ کے محاصرے کے لئے ایک سو اسّی جہازوں کا ایک مسلم بحری بیڑہ بھی تیار کرایا، وہ محاصرہ کی تیاریوں میں حد درجہ منہمک تھا اور اس کے لئے تمام تر سامان اپنی نگرانی میں فراہم کر رہا تھا۔[3]

---

1 : باسفورس (انگریزی: Bosphorus،Bosporus, ترک: İstanbul Boğazı) ایک آبنائے ہے جو ترکی کے یورپی حصے (رومیلیہ) اور ایشیائی حصے (اناطولیہ) کو جدا کر کے یورپ اور ایشیا کے درمیان سرحد قائم کرتی ہے۔ اس آبنائے کو آبنائے استنبول بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بین الاقوامی جہازرانی کے لئے استعمال ہونے والی دنیا کی سب سے تنگ آبنائے ہے جو بحیرہ اسود کو بحیرہ مرمرہ سے ملاتی ہے۔

2: محمد عزیز، ڈاکٹر، دولتِ عثمانیہ، ج1، ص106 تا108

3: ایضاً

سلطان محمد فاتح کو جدید اور بہتر چیز کی تلاش تھی اِس لئے اس نے جدید طرز کی توپیں بنائیں۔ علامہ سیّد ابوالحسن ندویؒ لکھتے ہیں:

> توپیں اُس وقت نئی نئی ایجاد ہوئیں تھیں، اس (سلطان محمد فاتح) نے کوشش کی کہ جتنی زبردست اور بڑی توپ اُس زمانے میں بن سکتی ہے بنائی جائے، اس نے اس کے لئے ہنگری کے ایک انجینئر کی خدمات حاصل کیں جس نے اس کے لئے ایک ایسی توپ بنائی جو تین سو کلوگرام کا گولہ پھینکتی تھی اور اس کی مار ایک میل سے زیادہ تھی۔ کہتے ہیں کہ اس توپ کو کھینچنے کے لئے سات سو آدمیوں کی ضرورت ہوتی تھی اور اُس کو بھرنے کے لئے دو گھنٹے درکار ہوتے تھے۔[1]

قسطنطنیہ کو مسلمانوں سے محفوظ رکھنے کے لئے بہت سخت انتظامات کیے جارہے تھے۔ رسد اور غلہ ضرورت سے زیادہ جمع کیا جارہا تھا۔ یورپ کے مختلف ممالک سے جنگجو، سامان جنگ اور خورد و نوش بھرپور طریقے سے اکٹھا کیا جا رہا تھا، اٹلی اور دوسرے ممالک سے انجینئر، معمار، تجربہ کار، جنگی سپہ سالاروں کی خدمات حاصل کی جارہی تھیں۔

جب تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں تو 16 اپریل 1453 (ربیع الاوّل 857ھ) کو عثمانی لشکر بقول امریکی مؤرّخ ولڈ یوردان ایک لاکھ چالیس ہزار[2] اور ڈاکٹر مصطفیٰ کے بقول تقریباً ڈھائی لاکھ تھی[3]۔ جب سلطان محمد فاتح نے شہر کا محاصرہ کر لیا تو اپنے ہیڈ کوارٹرز پر پرچم لہرانے سے پہلے سجدے میں گر کر فتح کی دعا مانگی اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے مجاہدین نے بھی ایسا ہی کیا۔ چنانچہ علامہ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں:

> سلطان محمد فاتح نے مصلے پر بیٹھ کر مکہ مکرمہ کی طرف رخ کیا اور تین دفعہ جھک کر اپنی پیشانی کو زمین پر رکھا اور سجدہ کیا، جس وقت وہ ایسا کر رہا تھا اسی وقت اس کے پیچھے اس کے آدمی ہزاروں کی تعداد میں اپنے آقا کی پیروی کر کے یہی عمل دہرا رہے تھے اور ایک ہی جیسے الفاظ ادا کر رہے تھے۔ یہ ایک دعا تھی جو طاقت و قوت اور فتح حاصل کرنے کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے مانگی جارہی تھی۔[4]

قسطنطنیہ کا محاصرہ ڈیڑھ ماہ تک جاری رہا، شہری فصیل اس قدر مضبوط تھی کہ وہ ترکوں کی بھاری بھاری توپوں کے زبردست گولہ باری کے باوجود ٹوٹ نہیں رہی تھیں۔ مگر سلطان محمد فاتح استقامت اور استقلال کا پہاڑ تھے۔ انہوں نے اس موقعہ پر خاص طور پر مضبوط توپوں کا انتظام کیا ہوا تھا۔ یورپ کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ کسی مضبوط قلعہ بند شہر کی فصیل کو توڑنے کے لئے توپوں کا استعمال کیا جارہا تھا۔ چنانچہ ولیم، ایل، لینگر (William, L. Langer) لکھتے ہیں:

1: ندوی، سید ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص215، مجلس نشریات اسلام، 1979ء

2: Will Durant, The Story of Civilization, vol.6, P: 182. USA, 1935

3: محمد مصطفیٰ صفوت، ڈاکٹر، سلطان محمد الفاتح، ص53، 1973ء

4: جیراجپوری، محمد اسلم علامہ، تاریخ الامت، ص43، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور۔ 1993

کسی مضبوط قلعہ بند شہر کے خلاف محاصرہ میں کام آنے والی توپوں کے استعمال کی یہ اول ترین مثال ترکوں کے قسطنطنیہ فتح کرنے کی ہے۔[1]

خشکی پر بحری جہاز چلانے کا انوکھا کارنامہ

سلطان محمد فاتحؒ نے قسطنطنیہ کو فتح کرنے سے پہلے خشکی پر جہاز چلانے کا ایک ایسا دلچسپ، عجیب و غریب اور انوکھا کارنامہ سر انجام دیا جس پر لوگ آج بھی انگشت بدنداں ہیں۔ سلطان محمدؒ کی فراست و ذہانت اور عزم و ہمت کی داستان کے بارے میں مسلم و غیر مسلم مؤرخین آج تک رطب اللساں ہیں۔ جرمن مؤرخ اسٹیفن زویگ (Stefan Zweig) لکھتا ہے:

> تجربہ یہ بتاتا ہے کہ بحری جہاز پانی میں چلنے کے لئے بنائے جاتے ہیں اور وہ کبھی بھی پہاڑوں پر نہیں چل سکتے لیکن ایک ناقابل تسخیر قوتِ ارادی کی ہمیشہ یہ خصوصیت رہی ہے کہ وہ ناممکنات کے نام تک سے واقف نہیں ہوتی ایک فوجی ذہانت وہی ہوتی ہے جو زمانہ جنگ میں قوانین کا خیال نہیں کرتی بلکہ جب وقت آتا ہے اور ضرورت پڑتی ہے تو وہ پرانے طریقوں پر انحصار کرنے کی بجائے اپنے تخلیقی سوچ پر بھروسہ کرتی ہے۔[2]

خشکی پر جہاز اور کشتیاں چلانے کا واقعہ یہ ہے کہ جب ابتدائی محاصروں اور بھرپور کوششوں کے باوجود سلطان محمد فاتح کی برّی اور بحری فوج قسطنطنیہ کو فتح نہ کر سکی تو اس نے تمام حالات کا بغور جائزہ لیا۔ سلطان بہت ہی سمجھدار اور عقل مند امیر البحر تھا اس نے اندازہ لگا لیا کہ جب تک خلیج گولڈن ہارن میں واقع بندرگاہ کی طرف سے بھی قسطنطنیہ پر حملہ نہیں ہوگا شہر فتح نہیں ہو سکے گا۔ اس واقعہ کو ایک مشہور مغربی مؤرخ ایڈورڈ گبن نے یوں بیان کیا ہے:

> قسطنطنیہ شہر کی فتح کی کوئی امید ظاہری طور پر نظر نہیں آ رہی تھی۔ جب تک خشکی اور سمندر دونوں اطراف سے بھرپور حملہ نہ کیا جائے۔ لیکن بندرگاہ میں یونانیوں کی حائل رکاوٹوں کے باعث وہاں پہنچنا سخت مشکل تھا۔ لوہے کی موٹی موٹی زنجیریں جو پہلے ہی ناقابلِ تسخیر تھیں اب اس کی حفاظت آٹھ بڑے بڑے اور بیس سے زیادہ چھوٹے جہاز اور کشتیاں کر رہی تھیں۔ اس رکاوٹ کا مقابلہ کرنے کے بجائے امکان تھا کہ ترک یونانیوں سے کھلے سمندر میں بحری مقابلہ کرنے کی تیاری کریں۔ لیکن سلطان محمد فاتح کی ذہانت نے ایک ناقابلِ یقین اور حیرت انگیز تجویز سوچی، سلطان کا منصوبہ یہ تھا کہ وہ اپنے ہلکے جہاز اور فوجی گوداموں کو خشکی کے راستے باسفورس سے بندرگاہ کے بالائی حصے میں منتقل کر

1: William L.Langer, Encylopedia of World History, Vol.2, P:287-288, London, 1940

2: Stefan Zweig , The Tide of Fortune, P:53-29, Macmilan Educational Ltd. 1928

دے گا۔ یہ راستہ تقریباً دس میل کا تھا اس کی زمین ناہموار اور جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے درختوں کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے۔[1]

سلطان محمد فاتح نے اس ناہموار راستے کو ہموار کیا اور اپنے ستر چھوٹے بحری جہاز آبنائے باسفورس سے خلیج گولڈن ہارن میں منتقل کر دیے۔ اور بازنطینی بحری بیڑہ سے تصادم بھی نہ ہوا چنانچہ ڈاکٹر محمد مصطفیٰ صفوت لکھتے ہیں:

سلطان محمد فاتح نے یہ تدبیر سوچی کہ بیڑے کے ایک حصے کو خشکی کی راہ سے گزار کر آبنائے باسفورس سے گولڈن ہارن میں پہنچایا جائے۔ چنانچہ جنگل سے درخت کاٹ کر تختے بنائے گئے پھر ان پر چربی اور تیل لگایا گیا اور اپنی کشتیاں گولڈن ہارن میں ڈال دیں۔[2]

خلیج گولڈن ہارن میں سلطان محمد فاتح اپنے جہاز بندرگاہ کے بالائی حصہ میں جہاں پانی تنگ تھا وہاں تک لے جانا چاہتے تھے، کیونکہ یونانی اور جنوی جہاز اپنے بڑے قد و قامت کی بنا پر وہاں نہیں جا سکتے تھے۔ سلطان کو اپنا جہاز وہاں پہنچانا ایک بڑا مسئلہ تھا لیکن انہوں نے بڑی ہی ذہانت اور آہنی عزم کی بدولت یہ کام کیا اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد عزیز نے لکھا ہے:

باسفورس اور بندرگاہ قسطنطنیہ کے درمیان پانچ میل کا ایک فاصلہ ہے اس نے اس درمیان پہاڑی زمین پر لکڑی کے تختوں کی ایک سڑک بنوائی اور ان تختوں کو چربی سے خوب چکنا کرا دیا اور ایک رات کے اندر کشتیاں بیلوں سے کھینچوا کر بندرگاہ کے اس حصہ میں پہنچادیں، قسطنطنیہ کا یہ حصہ اب تک بالکل محفوظ تھا ترکی، کشتیوں کے پہنچ جانے سے اب یہ بھی حملہ کی زد میں آگیا اور قسطنطنیہ کو مجبوراً سپاہیوں کا ایک دستہ شہر کے دوسرے حصہ سے ہٹا کر اس حصہ میں متعین کرنا پڑا۔[3]

ترکوں کی یہ کثیر التعداد افواج راتوں رات گولڈن ہارن کے عین وسط میں پہنچ گئیں اور یونانیوں کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا کہ بھاری جنگی بحری جہازوں اور زنجیروں کے مضبوط سلسلے کی موجودگی میں ترکوں کے یہ چھوٹے جہاز یہاں کیسے پہنچے اور وہ بار بار یہ سوچ کر اپنی آنکھیں مل رہے تھے کہ وہ کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے۔ یہ کام واقعتاً ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے وسیلہ سے سلطان محمد فاتح کے لئے کامیابی کا باعث بنا اور انہوں نے ایک ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا چنانچہ اسی ضمن میں جرمن مؤرخ اسٹیفن لکھتے ہیں:

1: Edward Gibbon, Decline and fall of the Roman Empire, Vol.4, P:412. 1776, London

2: محمد مصطفیٰ صفوت، ڈاکٹر، سلطان محمد الفاتح، مکتبہ میری لائبریری، لاہور، ص69

3: محمد عزیز، ڈاکٹر، دولتِ عثمانیہ۔ دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، ج1، ص211، 2008ء

یہ سلطان محمد فاتح کا عظیم الشان کارنامہ تھا اور یہ معجزوں کا معجزہ (The Miracle of Miracles) تھا اور تاریخ میں یہ کام بے مثال ہے اور یہ نپولین کے انتہائی بہادرانہ کارناموں کے ہم پلہ ہے۔[1]

قسطنطنیہ پر حملے سے پہلے سلطان محمد فاتح کی آخری تقریر

قسطنطنیہ پر حملے سے پہلے سلطان نے جو شاندار خطاب اپنے بحری مجاہدین اور سپاہیوں سے کیا تھا، ڈاکٹر محمد صفوت نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے:

> میرے بہادر جوانو! میں نے تمہیں اس لئے جمع نہیں کیا کہ کوئی پر جوش تقریر کر کے تم میں شجاعت اور بہادری کی روح پیدا کرنے کی کوشش کروں وہ تو تم میں پہلے سے ہی موجود ہے اور تم اپنی جوانمردی کے مظاہرے متعدد بار دشمنوں کے سامنے کر چکے ہو۔ میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے جمع کیا ہے کی تم اس وقت اس شہر کے سامنے کھڑے ہو جو (عیسائیت کا دل ہے) جس کے محلات اور قصر و ایوان خزانوں اور قیمتی اشیاء سے بھرے پڑے ہیں۔ مال و دولت اور جوہرات کی شہر میں کمی نہیں ہے اور مزید تھوڑی سی کوشش کے باعث یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہو۔ بازنطینیوں کا یہ قدیم دار السلطنت جو اپنی شان و شوکت، خوبصورتی اور دلکشی میں جواب نہیں رکھتا ایک طویل عرصے سے مسلمانوں کی نظروں کے سامنے ہے اور اس شہر کی فتح عثمانی سلطنت کے لئے دائمی اطمینان کا باعث ہو گی اور دوسرے یونانی علاقوں کی راہ فتح کرنے کے لئے ہموار ہو جائے گی۔ اس سلطنت پر تسلط کرنا اب ہمارے لئے مشکل کام نہیں رہا۔ بازنطینی فوجیں ہمارے پر زور حملوں کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ شہر کی خندقیں توڑ دی گئیں ہیں۔ مدافعین کی تعداد بھی قلیل ہے اور رسد و خوراک اور اسلحہ بھی ان کے پاس کم رہ گیا ہے۔ لہٰذا فتح ان شاء اللہ ہماری ہی ہو گی۔ ضرورت صرف عزم صادق اور کامل اطاعت کی ہے۔ اگر یہ خوبیاں تمہیں حاصل ہو گئیں تو دنیا کی کوئی طاقت تمہاری فتح کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکے گی۔[2]

حملے کی آخری رات مسلم مجاہدین نے عبادت و ریاضت میں گزاری چنانچہ اس ضمن میں علامہ عبد اللہ عنان المصری لکھتے ہیں:

1: Stafan Zweig , The Tide of Fortune, P.52.53

2: محمد مصطفیٰ صفوت، ڈاکٹر، سلطان محمد الفاتح، ص86-85

شب بھر عثمانی فوج کے خیموں میں روشنی رہی۔ ذکر کے حلقے قائم رہے اور مجاہدین اسلام لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے ذکر میں مشغول تھے۔ تمام فوجیوں میں جوش وولولہ اور قریبی فتح کی امید کی ایک عظیم لہر دوڑی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ [1]

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے جو جرمن مؤرخ نے لکھی ہے کہ:

سلطان محمد فاتح خود اپنے بارہ ہزار ینی چریوں (نئی فوج) کے ساتھ حملہ آوروں میں شریک تھا اس کی یہ بارہ ہزار فوج جو پندرھویں صدی کی بہترین فوج شمار ہوتی تھی وہ بنفس نفیس خود اس کی قیادت کر رہے تھے۔ [2]

فاتح قسطنطنیہ کی عظیم رواداری

دوپہر کے وقت سلطان محمد فاتح اپنے وزراء، سپہ سالاروں اور فوج کے جلو میں باب سینٹ رومانس سے شہر میں داخل ہوا اور بازاروں سے گزرتا ہوا مرکزی گرجاگھر صوفیاء پہنچا اور اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالایا۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد رواداری اور حسن سلوک کی جو مثال سلطان محمد فاتح نے پیش کی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ چنانچہ اس سلسلے میں شام کے ممتاز ادیب اور عالم ڈاکٹر مصطفٰی السباعی لکھتے ہیں:

سلطان محمد فاتح قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد جس فراخدلی اور رواداری کا مظاہرہ کیا اس کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو اس وقت اس شہر میں تمام آبادی عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ یہ شہر پورے مشرقی کیتھولک عیسائیوں کے لئے پیٹر بارک کا دارالخلافہ تھا۔ سلطان نے پوری آبادی کو امن دیا اور ضمانت دی کہ ان کی جانیں، ان کے اموال، ان کے عقائد، ان کے گرجے اور ان کی صلیبیں سب محفوظ ہونگے۔ [3]

سلطان کی رواداری کا احوال ڈاکٹر محمد عزیز نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

یکم جون سن 1453ء سلطان نے عام اعلان کیا اور تمام عیسائیوں کو جو قسطنطنیہ سے بھاگ گئے تھے واپس آنے کی دعوت دی اس نے ان کی جان ومال کی حفاظت کا ذمہ لیا اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ واپس آکر اپنے

1: M. Abdullah Enan, Decisive Movements in the History of Islam, P: 203, Lahore, Pakistan. 1940

2: Ibid, P 64.

3: مصطفٰی السباعی، ڈاکٹر، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو (مترجم) ص70۔ اسلامی پبلشنز، لاہور۔ 1979ء

روز مرہ معمولات اور کاروبار میں پھر بدستور مشغول ہو جائیں۔ اس کے بعد اس نے یونانی کلیسا کے بطریق کو از سر نو اس کے عہدے پر مامور کیا۔[1]

اسی طرح غیر مسلم مؤرخین نے بھی اپنی کتابوں میں سلطان کی رواداری اور حسن سلوک کا ذکر کیا ہے چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر آرنلڈ لکھتے ہیں:

حامی اور سرپرست بناتا کہ عیسائی اس کی اطاعت قبول کریں۔ نئے شاہی فرمان کے مطابق بطریق اور اس کے جانشینوں کو تمام قدیم اختیار دے دیے گئے۔[2]

ان تمام حالات وواقعات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قسطنطنیہ کی فتح میں مسلم بحریہ کا کردار عظیم الشان رہا ہے، اور اس پر یلغار خلافت راشدہ ہی کے عہد سے شروع ہو چکی تھی جو اموی عہدِ حکومت کے بعد بنو عباس کے اختتام تک جاری وساری نظر آتی ہے۔ ان برّی اور بحری یلغاروں کا نتیجہ مدوجزر کی مانند تاریخ میں دکھائی دیتا ہے۔ سلجوقوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد ان کی جگہ نئی حکومت عثمانی ترکوں کی تھی اور انہوں نے نہ صرف اسلام کو ایشیائے کوچک میں ہی غالب نہیں کیا بلکہ یورپ کے اکثر حصوں میں بھی فتوحات حاصل کیں اور وہاں پر بھی اسلامی پرچم آزاد فضاؤں میں لہرانے لگا۔

سلطان بایزید یلدرم کا محاصرہ قسطنطنیہ

سلطان بایزید یلدرم بڑا جنگجو اور دلیر حکمران تھا، اگر امیر تیمور اس پر حملہ کر کے اس کی حکومت کا خاتمہ نہ کر دیتا تو عثمانی بحری بیڑہ اس کی زندگی ہی میں بہت ترقی کر جاتا لیکن قدرت کو ایسا منظور نہیں تھا۔ بایزید کے بعد سلطان محمد اوّل نے جو بھائیوں کی خانہ جنگی میں سرخرو ہو کر نکلا تھا، بکھری ہوئی سلطنت کو پھر اکٹھا کیا۔ بایزید یلدرم کے پوتے اور سلطان محمد اول کے بیٹے سلطان مراد دوئم نے سلطنت عثمانیہ کو پہلے سے بھی زیادہ شان وشوکت اور عروج سے ہمکنار کیا، لیکن اس کے بحری بیڑے نے کوئی نمایاں ترقی نہیں کی، اس کا اندازہ صرف اس بات سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ جب وہ دارنا کی جنگ کے لئے اپنے چالیس ہزار جنگ آزمودہ سپاہیوں کے ساتھ ایشیائے کوچک سے روانہ ہوا تو اسے ان کو ساحل یورپ پر منتقل کرنے کے لئے جنوا کے جہازوں کو فی سپاہی ایک دو کات کی شرح سے محصول ادا کرنا پڑا۔[3]

1: محمد عزیز، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، ص115

2: Prof. T.W.Arnold, The Preaching of Islam, P:91, London, 1913

3: تاریخ الدولۃ العثمانیہ، ص103

سلطان بایزید یلدرم کے عہد میں عثمانی ترکوں کی فتوحات جاری رہیں، جان پلیو گولس، شاہ قسطنطنیہ نے تین گرجا گھروں کو مسمار کرکے ان کے سامان سے نئے قلعے بنانے کا پروگرام بنایا تو سلطان بایزید نے اسے جبراً روک دیا۔ چند دن کے بعد بادشاہ کا انتقال ہوگیا اسی کا لڑکا مینوئل جو کہ بایزید کے دربار میں مامور تھا وہ چپکے سے بھاگ کر قسطنطنیہ پہنچا اور اپنے باپ کا جانشین ہوگیا۔ سلطان کو یہ بات ناگوار گزری تو اس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کرلیا جو سات ماہ تک جاری رہا، پھر دس سال کے لئے صلح نامہ ہوگیا، جس کی شرائط بہت سخت تھیں۔ صلح کا حال اور شرائط گبن نے کچھ اس طرح بیان کی ہیں:

سلطان بایزید نے دس سال کے لئے صلح کر کے محاصرہ اُٹھالیا، شرائطِ صلح یہ تھیں: سالانہ خراج کی رقم میں تیس ہزار طلائی کراؤن مقرر کی گئی، نیز مسلمانوں کے لئے قسطنطنیہ میں ایک اسلامی شرعی عدالت قائم کر دی گئی اور اس میں سلطان بایزید نے ایک ترکی قاضی کو مقرر کر دیا اور کلیسائے مشرق کے اس مرکز میں ایک عالیشان مسجد بھی تعمیر کروائی، جس کے میناروں سے توحید خالص کا اعلان شروع ہوگیا۔[1]

نیا بادشاہ مینوئل سلطان بایزید سے بہت گھبراتا تھا، اور اس پر سلطان کی ہیبت چھائی ہوئی تھی، اسی لئے اس نے محاصرہ اُٹھائے جانے پر بہت سخت شرائط کو بھی قبول کر لیا، ڈاکٹر محمد عزیز نے شرائط میں چند اور چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے:

مینوئل نے شہر کے ساتھ سات سو مکانات مسلمانوں کو دے دیے اور غلطہ کا نصف حصہ بایزید کو دے دیا جس میں اس نے چھ ہزار عثمانی فوج متعین کر دی۔ شہر کے باہر جو انگور کے باغ اور ترکاریوں کے کھیت تھے ان کی پیداوار کا عشر بھی صلح نامہ کی رو سے عثمانی خزانہ کو دے دیا گیا، اسی وقت سے عثمانی ترکوں نے قسطنطنیہ کو استنبول کہنا شروع کر دیا۔[2]

سلطان کے معرکہ نکوپولس کا حال مؤرخ اسلام اکبر خان نجیب آبادی نے یوں بیان کیا ہے:

سلطان بایزید کا عظیم ترین معرکہ نکوپولس ہے جو 24 ستمبر 1396 عیسوی کو ہوا۔ عیسائیوں کی نہایت تربیت یافتہ فوج تھی۔ فرانسیسی اپنے آپ کو بہت اچھا جنگجو سمجھتے تھے۔ قیصر قسطنطنیہ بھی بہت خوش تھا۔ اتحادیوں کو زبردست شکست ہوئی۔ نکوپولس کے اس معرکہ میں ڈیڑھ لاکھ کے قریب عیسائی مقتول ہوئے اور دس ہزار کو گرفتار کیا گیا۔[3]

1: Edward Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire, vol.4, P392

2: تاریخ الدولۃ العثمانیۃ، ص104

3: نجیب آبادی، اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، مرکز القادسیہ، چوبرجی، لاہور ج2، ص343

الغرض! عثمانی فوج اپنے زمانے کی دنیا کی جدید ترین فوج تھی، جس نے بارودی اسلحے کا استعمال شروع کیا اس کے علاوہ وہ تلواریں، نیزے، تیر اور دیگر روایتی اسلحے بھی استعمال کرتے۔1396 عیسوی میں جنگ کوسوو اور جنگ نکوپولس میں فتوحات کے بعد عثمانی افواج تیزی سے وسطی یورپ کو اپنے پیروں تلے روندتی چلی گئیں، اور 1526 عیسوی میں جنگ موہاکس میں فتح کے ذریعے ہنگری پر بھی قابض ہو گئیں اور دو مرتبہ 1529 عیسوی اور 1683 عیسوی میں ویانا کا محاصرہ بھی کیا علاوہ ازیں یہ پہلی فوج تھی جو غیر ملکی ماہرین کی خدمت حاصل کرتی اور ان کے افسران کو تربیت کے لئے مغربی یورپ کے ممالک میں بھیجا جاتا۔

فصل سوئم:

باربروسہ اوران کے بحری کارنامے

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- امیر البحر باربروسہ
- مذہبی رہنما پوپ کا بحری بیڑہ
- اسپین کی بحری قوت اور عروج باربروسہ کا مقابلہ
- بوجیہ نامی بستی پر اسپین کا قبضہ اور امیر البحر عروج کا اقدام
- امیر البحر عروج کی شہادت
- امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسہ
- اتحادی بحری بیڑے کو شکست
- امیر البحر پاشا کے اہم کارنامے
- امیر البحر کا انتقال

باربروسہ اوران کے بحری کارنامے

مسلمانوں میں دو مشہور بھائی امیر البحر باربروسہ کے نام سے مشہور ہیں۔(1) امیر البحر عروج باربروسہ (2) خیر الدین پاشاباربروسہ عربی اور ترکی زبان میں باربروسہ کے معنی سرخ داڑھی والے ملاح یا امیر البحر کے ہیں۔[1] عالمی سطح پر آج دنیا کی کسی بھی فوجی طاقت کے لئے بری افواج کے ساتھ ساتھ مؤثر فضائیہ اور وسیع بحریہ کا وجود بھی لازمی ہے۔ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے دور دراز کے علاقوں میں کاروائی کے لئے بحری بیڑے کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ جس کو مسلمان امیر البحر عروج باربروسہ اور خیر الدین باربروسہ نے بلندیوں تک پہنچایا۔ سب سے پہلے امیر البحر عروج باربروسہ کا ذکر کیا جائے گا اس کے بعد خیر الدین پاشاباربروسہ کا ذکر ہوگا۔

امیر البحر عروج باربروسہ

والد کا نام یعقوب تھا۔ جس کے چار بیٹے تھے۔ تین بیٹوں نے بحری فوج میں ملازمت اختیار کی جن میں عروج اور خیر الدین باربروسہ زیادہ مشہور ہوئے۔ جنہوں نے بے حد ترقی کی اور امیر البحر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوئے۔ عروج باربروسہ نے جنوبی یورپ کی عیسائی حکومتوں کے جنگی بیڑوں کو عبرت ناک شکست دی اور ان کی بحری طاقت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔[2]

عروج نے اپنی خدمات کا جو بھی معاوضہ حاصل کیا وہ جہازوں کی خریداری پر صرف کیا۔ مختلف بحری جنگوں میں عروج اپنے جہاز لے کر شرکت کرتا اور منہ مانگا معاوضہ وصول کرتا۔ یہ ایک نجی بیڑہ تھا لیکن سلطنت عثمانیہ کی ماتحتی میں تھا۔ کئی مرتبہ اس نے اہم معرکوں میں عثمانی بیڑوں کے شانہ بشانہ دشمن کا مقابلہ کیا تھا۔[3]

مذہبی رہنما پوپ کا بحری بیڑہ

عیسائی دنیا کا سب سے بڑا مذہبی رہنما پوپ کہلاتا تھا۔ اس کا اپنا بہت مضبوط بحری بیڑہ تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ ہر عیسائی حکومت کچھ مسلح جہاز پوپ کے بیڑے کی نذر کرتی تھی اور سپاہیوں کی تنخواہ اور دیگر اخراجات بھی خراج یا نذرانے کے طور پر ادا کرتی تھی۔ یہ بیڑا اتنا مضبوط تھا کہ اب تک کسی مسلمان سلطنت نے اس سے ٹکر لینے کی جرأت نہ کی تھی لیکن ایک بار جب اچانک امیر البحر عروج کو پوپ کا بیڑہ بحیرۂ روم میں نظر آگیا تو ان سے رہانہ گیا اور اسی وقت حملہ کر کے سارے جہاز گرفتار کر لئے پوپ کے سارے ملاحوں اور سپاہیوں کی گرفتاری سے پورے یورپ میں ہلچل مچ گئی۔ ادھر امیر البحر عروج نے

1: العسیلی، بسام، خیرالدین بربروس و الجھاد فی البحر، دار النفائس، بیروت، لبنان، ص19، 1980ء

2: ایضاً، ص22

3: ایضاً، ص25

ان ملاحوں کو تونس کی بحریہ میں ملازمت کی پیشکش کی جو اُنہوں نے قبول کرلی۔ یہ پوری عیسائی دنیا کے چنے ہوئے لوگ تھے جن کے آجانے کی وجہ سے تونس کی بحری طاقت میں گراں قدر اضافہ ہوگیا۔[1]

تونس کی بندرگاہ آج بھی دنیا کی بہترین بندرگاہوں میں سے ایک ہے اسی لئے عروج نے اس کو اپنا مستقر بنایا تھا۔ بندرگاہ کے قریب ایک چھوٹا سا قلعہ سلطان تونس نے ان کے حوالے کردیا تھا اسی میں وہ رہتے تھے اور سپین سے لٹے ہوئے مسلمانون کے قافلے یہیں پہنچتے تھے۔ چند روز یہاں رکھنے کے بعد ان کی آبادکاری کا کوئی مستقل انتظام کرکے انہیں اندرون ملک بھیج دیا جاتا تھا۔

اسپین کی بحری قوت اور عروج باربروسہ کا مقابلہ

امیر البحر عروج کے تونس پہنچنے کے بعد ساحل محفوظ ہوگیا اور تاجر پورے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ اپنا مال لاتے اور لے جاتے تھے جس سے ملک کی معاشی حالت تیزی سے سدھر رہی تھی۔ آخر سلطان تونس نے عثمانی سلطان سے اجازت لے کر امیر البحر عروج کو تونس کا امیر البحر مقرر کردیا۔ یہ عہدہ سنبھالتے ہی وہ تونس کے بحری بیڑے کی تنظیم میں مصروف ہوگئے ۔ جہاز سازی کے کارخانے کھولے ، بحری علوم کی درسگاہیں قائم کرائیں ، بندرگاہوں کی مرمت اور توسیع کا کام کیا اوراسکے بعد عیسائی حملہ آوروں کے خلاف دفاعی جنگ کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اس جنگ کی تیاریاں خاموشی سے کرنے کی بجائے علی الاعلان کیں اور اس کا موقع دیا کہ اس کی خبریں اسپین پہنچ جائیں ۔ اس کے بعد جب وہ اپنا بحری بیڑہ لے کر نکلے تو اسپین کی عیسائی حکومت کا پورا جنگی بیڑہ ایک جگہ موجود تھا۔ امیر البحر عروج کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسپین کی پوری بحری طاقت ایک جگہ اکھٹی ہوجائے ۔ جبرالٹر کے قریب دونوں بیڑوں میں بڑی خوفناک تاریخی جنگ ہوئی جس میں مسلمان فتحیاب ہوئے اور اسپین کی سمندری طاقت کی کمر ٹوٹ گئی ۔[2]

اس فتح نے ساری دنیامیں امیر البحر عروج کو عروج بخشا اور سلطان تونس نے خوش ہوکر جربہ نامی ایک جزیرہ انہیں بخش دیا تاکہ وہ مطلق العنانی کے ساتھ حکومت کرسکیں۔ امیر البحر عروج نے اپنے ذاتی جہازوں کو جربہ میں رکھا جبکہ حلق الوید کی بندرگاہ میں تونس کے آٹھ سو جنگی جہاز ہر وقت ان کے حکم کے منتظر رہا کرتے تھے۔[3]

1: العسیلی، ص27

2: عبداللہ حمادی، سیرۃ المجاھد خیرالدین بربروس، دار القصبہ للنشر، ص61، 2009ء

3: ایضاً، ص63

اسپین حکومت کا بوجیہ نامی بستی پر قبضہ اور امیر البحر عروج کا اقدام

اسپین کے ساحل پر بوجیہ نامی ایک چھوٹی سی عیسائی ریاست تھی۔ جس پر اسپین کی حکومت نے قبضہ کر لیا تھا۔ وہاں کے حاکم نے عروج سے مدد کی درخوست کی۔ عروج نے سلطان تونس سے اجازت لے کر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ اسپین کی بحری طاقت تو پہلے ہی ختم ہو چکی تھی اس لئے بحری لڑائی کی نوبت نہ آئی اور اسلامی لشکر بوجیہ کے ساحل پر اتر گیا۔ عیسائیوں نے پسپا ہونے کے بعد ایک قلعہ میں پناہ لے لی۔ مسلمانوں کی فوجیں دس روز تک مسلسل گولہ باری کرتی رہیں لیکن قلعہ کی فصیل بہت زیادہ مضبوط ہونے کی وجہ سے خاطر خواہ کامیابی نہ ہو سکی۔ اس دوران میں امیر البحر عروج شدید طور پر زخمی ہو گیا اور اسے علاج کے لئے افریقہ بھیج دیا گیا۔ اسلامی فوج ناکامی کے ساتھ تونس سے واپس چلی آئی۔ عروج کی بیماری کے دوران میں اس کا بھائی خیر الدین باربروسہ اس پورے بیڑے کا انچارج بنا اس نے جزیرہ جربہ پہنچ کر بحری بیڑہ درست کیا اس عرصہ میں عروج صحت یاب ہو کر آ گیا اور دوبارہ اسپین کے ساحل کا رخ کیا۔ اس مرتبہ مسلمان قلعہ سر کرنے کی تیاریاں کر کے آئے تھے اور چندروز کی لڑائی کے بعد فتح کے آثار نظر آنے لگے لیکن عین وقت اسپین کی تازہ کمک پہنچنے سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا اور مسلمان لشکر کو پسپا ہونا پڑا۔ عروج نے حکم دے کر اپنے زائد جہازوں کو آگ لگوادی تا کہ دشمن کے قبضہ میں نہ جائیں۔ [1]

امیر البحر عروج کی شہادت

1516 عیسوی میں امیر البحر عروج نے الجزائر کے دار الحکومت الجزیرہ کے قریب پڑاؤ ڈالا اسی عرصہ میں مسلمانوں کی فوج میں ایک بغاوت اُٹھ کھڑی ہوئی جسے فرو کرنے میں کئی دن لگ گئے اور قلعے کے عیسائی حاکم نے اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر حاکم اسپین سے مدد منگوالی، جو سات ہزار فوجوں پر مشتمل تھی لیکن عروج نے اپنی حکمت عملی سے عیسائی بیڑے کو چار گھنٹے کے اندر اندر تباہ و برباد کر کے عیسائیوں کو عبرتناک شکست دی۔ [2]

اسی فتح کے بعد عروج کی مقبولیت میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا اس نے ایک برّی فوج بھی تیار کی جس کی مدد سے سلطان سلیم کو شکست دے کر الجزائر پر قبضہ کر لیا اور اسپین والوں کے قبضے سے وہ تمام قلعے بھی لے لئے جن پر انہوں نے سلطان سلیم کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر قبضہ کر لیا تھا۔

الجزائر پر قبضہ سے اسپین کے تجارتی بیڑوں کا کام بند ہو کر رہ گیا وہاں کے تاجر اپنی حکومت پر دباؤ ڈالتے رہے کہ وہ عروج کا زور توڑنے کے لئے کاروائی کرے مگر ان میں ہمت ہی باقی نہ تھی بالآخر جب چارلس پنجم نے اسپین کی حکومت

1: سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، ج1، ص332

2: ایضاً

سنبھالی تو اس نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور اچانک جبکہ عروج پندرہ سو سپاہی لے کر دار الحکومت سے دور شکار کے لئے گیا ہوا تھا، پندرہ ہزار بحری اور دس ہزار بری فوج کے ساتھ الجزائر پر حملہ کر دیا۔ عروج اپنی مختصر سی جمعیت کے باوجود مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔[1]

یورپین مؤرخین نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ مسلمانوں کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

پندرہ سو آدمیوں میں سے ایک نے بھی پیٹھ نہیں دکھائی سب کے سب شہید ہو گئے اور ان ہی میں خود سلطان عروج یا امیر البحر عروج باربروسہ بھی شامل تھے ان کی شہادت ایک عظیم باب کا خاتمہ تھی ایک ایسا زریں باب جس پر نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ بحریہ کی عالمی تاریخ ہمیشہ فخر کرتی رہے گی شہادت کے وقت ان کی عمر صرف پینتالیس سال تھی۔[2]

امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسہ

دنیا کی بحری عسکری تاریخ میں آج تک سب سے معروف نام امیر البحر خیر الدین باربروسہ کا نام ہے جس کے پائے کا ماہر جہاز راں جنگجو، نہ اس کے زمانے میں تھا اور نہ ہی اس کے بعد ایسی کوئی مثال ملتی ہے۔

امیر البحر خیر الدین پاشا بھی سرخ داڑھی کی بنا پر بابروسہ ہی کہلاتے تھے وہ امیر البحر عروج کے نہ صرف چھوٹے بھائی بلکہ شاگرد بھی تھے لیکن انہوں نے اپنے بھائی سے زیادہ شہرت پائی۔ لفظ "باربروسہ" حالانکہ دونوں کے نام کا جزو تھا مگر تاریخ میں جہاں صرف باربروسہ لکھا ہو وہاں امیر البحر خیر الدین پاشا ہی مراد ہوتے ہیں۔[3]

امیر البحر خیر الدین پاشا شروع میں ذاتی جہاز لے کر بحیرہ روم میں عیسائی تجارتی جہازوں پر چھاپے مارا کرتے تھے بعد میں جب ان کی طاقت بڑھ گئی تو انہوں نے افریقہ کے ساحلوں پر حملے شروع کیے اور الجزیرہ شہر اور اس کے آس پاس کے علاقے پر قبضہ کر لیا لیکن یہ دیکھ کر کہ وہ اپنی حکومت نہیں چلا سکیں گے انہوں نے یہ علاقے ترکی کے عثمان سلطان سلیم کے حوالے کر دیے سلطان سلیم مشہور عثمانی سلطان محمد فاتح کا بیٹا تھا اس کے بعد جب اس کا بیٹا سلیمان اعظم قانونی تخت پر بیٹھا تو اس نے خیر الدین پاشا کو پورے عثمانی بیڑے کا امیر البحر مقرر کیا۔[4]

عثمانی ملازمت کے دوران میں انہیں سب سے پہلے شہنشاہ چارلس کے بیڑے پر حملے کا حکم دیا گیا خیر الدین پاشا باربروسہ نے عیسائیوں کے اس زبردست بیڑے کو تباہ کر کے کورن پڑاس اور دوسرے ساحلی شہروں پر قبضہ کر لیا اس کے بعد

1: سعید رضا، مسلمان امیر البحر ص:50، فیروز سنز، لاہور

2: ایضاً

3: عبد اللہ حمادی، سیرۃ المجاہد خیر الدین بربروس، دار القصبہ للنشر، ص5، 2009ء

4: ایضاً، ص195

انہوں نے اٹلی کے ساحلوں پر کئی حملے کیے اور بہت سا علاقہ فتح کر کے عثمانی سلطنت میں شامل کر دیا چارلس کے مشہور امیر البحر انڈریاڈوریا کو انہوں نے متعدد بار شرمناک شکستیں دیں۔[1]

سلطان محمد کے پوتے سلیمان اعظم قانونی کے عہد میں عثمانی جنگی بیڑے کی نئے سرے سے تنظیم کی گئی۔ خیر الدین پاشا باربروسہ ان ہی کے عہد میں امیر البحر تھے پرتگالی ملاح جہاز رانی کے بہت ماہر سمجھے جاتے تھے ان کی زبان میں "باربوزا" سرخ داڑھی والے کو کہتے تھے خیر الدین پاشا اپنی داڑھی کو مہندی لگا کر سرخ رنگ دیا کرتے تھے یہ رواج عربوں سے ترکوں میں آیا تھا امیر البحر خیر الدین پاشا کی اس قدر شہرت تھی کہ دشمن کے جہاز ران انہیں دور سے دیکھ کر محتاط ہو جاتے تھے اور کہتے تھے "باربوزا" لال داڑھی والا باربروسہ آ گیا لفظ "باربوزا" ترکی اور عربی زبان میں باربروسہ بن گیا جو امیر البحر خیر الدین پاشا کے نام کا بھی لازمی جزو بن کر رہ گیا۔[2]

امیر البحر خیر الدین پاشا نے سلیمان اعظم کی ہدایت پر تونس پر حملہ کیا اور سلطان حسن کی بحری اور بری طاقت کو شکست دے کر اسے الجزائر میں شامل کر دیا تونس کے حکمران سلطان حسن اور عیسائی شہنشاہ چارلس کے درمیان مشترکہ دفاع کا معاہدہ موجود تھا اس کے تحت سلطان حسن نے اس سے مدد کی درخواست کی۔ عیسائی شہنشاہ چارلس پانچ سو جہازوں کا زبردست جنگی بیڑہ اور تیس ہزار فوج لے کر تونس پر حملہ آور ہوا عیسائی فوجوں کی تعداد بہت زیادہ تھی چنانچہ خیر الدین پاشا کو شکست کھا کر تونس سے نکلنا پڑا۔ چارلس نے تونس میں تیس ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرایا اور ہزاروں خاندان جان بچانے کے لئے عیسائی بن گئے۔[3]

اتحادی بحری بیڑے کو شکست

عثمانی بیڑے کے انچارج امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسہ تھے، جزیرہ پرویسیا کے قریب یہ مشہور تاریخی جنگ ہوئی جس میں اتحادی بیڑے کو شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا، اور ان کے سارے بحری مقبوضات ترکی کے زیر نگین آ گئے اسپین کے شہنشاہ چارلس کو اس شکست کا انتقام لینے کی فکر پڑ گئی پھر الجزائر کی طرف سے اسے نہ صرف اسپین بلکہ اطالوی ساحلی مقبوضات کے لئے بھی خطرہ نظر آ رہا تھا اس لئے 946ہجری میں اس نے ایک بڑا بحری بیڑہ الجزائر پر حملے کے لئے روانہ کیا لیکن خیر الدین پاشا نے اسے بری طرح شکست دے کر بھگا دیا۔[4]

1: عبداللہ حمادی، سیرۃ المجاھد خیرالدین بربروس، دار القصبہ للنشر، ص220، 2009ء

2: پراچہ، نذیر احمد، ڈاکٹر، مسلمان فاتحین، ص488، الحمد پبلیکیشنز، لاہور، 2007ء

3: محمد عزیز، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، ج1، ص55

4: سعید رضا، مسلمان امیر البحر، ص53-54، فیروز سنز لاہور

اس اہم ترین واقعہ کے بعد اگلے سال فرانس نے مینس کا معاہدہ ختم کر کے چارلس کے خلاف دوبارہ اعلان جنگ کر دیا اس جنگ میں بھی ترکی نے معاہدے کے مطابق فرانس کا ساتھ دیا اور خیر الدین پاشا نے شہر مینس فتح کر لیا ترک بیڑے کی ان خدمات کے اعتراف کے طور پر شہنشاہ فرانس نے از خود اپنی طولون کی بندر گاہ ترکی کے حوالے کر دی۔[1]

امیر البحر خیر الدین پاشا کا ایک اہم واقعہ

ہسپانیوں نے الجزائر کے ساحلی علاقوں پر قبضہ کر رکھا تھا، ہسپانوی توپ خانے کا سالار جب کبھی اذان کی آواز سنتا تو اذان کی جگہ پر توپوں سے گولہ باری کرتا، اس قلعہ کی فتح سے قبل توپ خانے کے اس سالار کو لایا گیا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے بہت سی مسجدوں اور مؤذنوں کو شہید کیا ہے، جب اسے خیر الدین باربروسہ کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے کہا تم بڑے ماہر توپچی ہو ایک گولے سے اذان کی جگہ کو نشانہ بناتے تھے اب دیکھنا حقیقی گولہ باری کس طرح ہوتی ہے پھر اسے توپ کے دہانے پر رکھنے کا حکم دیا اور سمندر میں داغ دیا گیا۔[2]

951 ہجری سے 953 ہجری تک خیر الدین پاشا نے بحیرۂ روم میں متعدد لڑائیوں میں حصہ لیا اور سب میں کامیابی حاصل کی۔ یورپ والے انہیں ناقابل شکست سمجھنے لگے اور پھر تو یہ عالم ہو گیا کہ عیسائی ملاح اور سپاہی بحری فوج میں بھرتی کے وقت پہلے سے یہ شرط رکھنے لگے کہ انہیں "باربروسہ" سے لڑنے کو نہیں کہا جائے گا۔[3]

اہم کارنامے

امیر البحر خیر الدین پاشا نے ترکی کو دنیا کی سب سے بڑی بحری طاقت بنا دیا تھا۔ بحیرۂ روم، بحیرۂ احمر، بحیرۂ عرب میں ان کے نام کے ڈنکے بجتے تھے، اور جبل الطارق سے لے کر ہندوستان کے مغربی ساحل تک ان کا نام انتہائی عزت واحترام کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ ایک زمانے میں وہ عیسائی تجارتی جہاز لوٹنے کا کام کیا کرتے تھے اس طرح انہوں نے بے شمار دولت اکھٹی کی تھی پھر سلطنت عثمانیہ کی ملازمت کے دوران بھی انہوں نے تنخواہ کے علاوہ انعام واکرام میں بڑی دولت حاصل کی۔ شہنشاہ فرانس نے بھی بہت کچھ دیا یہ ساری دولت انہوں نے اپنے ساتھیوں میں بانٹ دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے سپاہی اور عملے کے لوگ ان پر جان چھڑکتے تھے۔[4]

1: عبد اللہ حمادی، سیرۃ المجاہد خیر الدین بربروس، دار القصبہ للنشر، ص127، 2009ء

2: محمد دراج ڈاکٹر، مذکرات خیر الدین بربروس، شرکۃ الاصالہ للنشر، ص136، 2010ء

3: ایضاً

4: حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، ص219۔ فیروز سنز، لاہور۔ 1987ء

انتقال

953 ہجری کے آخر میں امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسہ کا انتقال ہوگیا۔ ان کا انتقال استنبول میں آبنائے باسفورس کے کنارے واقع اپنے محل میں ہوا۔ مرتے وقت ان کی عمر نوے سال تھی۔ اس عمر میں بھی وہ بے حد چاق و چوبند تھے اور سخت سے سخت عملی محنت سے نہیں گھبراتے تھے۔ انتقال کے بعد سلطان نے ان کا مزار سمندر کے کنارے اس طرح سے بنوایا کی اس کی لہریں ہر وقت مزار کی دیوار چومتی رہیں۔ درہ دانیال میں شاح زریں کے سرے پر بکشطاش میں ان کا مزار آج بھی موجود ہے اور ترکی کا بحری بیڑہ جب بھی درّہ دانیال سے گزرتا ہے دنیا کے اس عظیم امیر البحر کو سلامی پیش کرتا ہے۔[1]

عالم اسلام اور عرب دنیا جہاد کے پرچموں میں سے ایک پرچم، اسلام کی تلواروں میں سے ایک تلوار کھودینے پر غم و یاس کی لہر میں ڈوب گئی جبکہ مغرب میں صورتحال اس کے برعکس تھی یورپ کے تمام ممالک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس عظیم شخص کی وفات پر شادیانے بجائے گئے جس سے یورپ کے تمام بادشاہ اور امراء زخم خوردہ تھے جو ان کے بحری بیڑوں اور تجارت کے لئے سب سے بڑا خطرہ تھا جس کے حملوں سے ان کے محاذ، ساحلی شہر اور بستیاں کبھی بھی محفوظ نہ رہیں۔

1: بسام العسیلی، خیرالدین بربروس والجہاد فی البحر، دار النفائس، بیروت، ص186

باب پنجم

عصر حاضر میں مسلم بحریہ کا کردار

یہ باب درج ذیل فصول پر مشتمل ہے:

- فصل اوّل : عصر حاضر اور بحری قوت کی اہمیت
- فصل دوئم: اسلامی ممالک کی بحری قوت پر طائرانہ نظر
- فصل سوئم: مسلم بحری قوت اور عصر حاضر کے تقاضے

فصل اوّل :

عصر حاضر اور بحری قوت کی اہمیت

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مشتمل ہے:

- سمندروں کا علم اور اس کی اہمیت
- بحری سرحدوں کی حفاظت اور بحریہ کا کردار
- مستحکم بحریہ، مستحکم دفاع کی ضامن
- مسلمانوں کی شاندار بحری تاریخ پر ایک نظر
- عصر حاضر میں مضبوط بحریہ ،مضبوط معیشت کا سبب

اسلام دین فطرت ہی نہیں بلکہ ایک عالمگیر تحریک ہے۔ قدرت نے اس کے اندر یہ خاصیت اور لچک رکھی ہے کہ اس کے اندر وسعت اور عالمگیریت ہے یہ خود جذب نہیں ہوتا لیکن مذاہب و ملل کو اپنے اندر جذب کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ اس عالمگیر تحریک کا آغاز تو حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا جو سب سے پہلے انسان اور نبی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمام آنے والی چیزوں کے نام سکھا دیے اور ان کو علوم کے وہ خزانے عطا کر دیئے جو فرشتوں اور دیگر مخلوقات کو بھی نہیں دیئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾[1]

ترجمہ: اس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو ساری چیزوں کے نام سکھائے، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا اگر تمہارا خیال صحیح ہے (کہ کسی خلیفہ کے تقرر سے انتظام بگڑ جائے گا) تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ۔

اس آیہ مبارکہ میں آدم علیہ السلام کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی گئی اور وجہ فضیلت علم کو قرار دیا۔ یہ علم زمین کے اوپر رہنے والی مخلوق کے بارے میں ہو یا سات زمینوں کے اندر رہنے والی مخلوق کے بارے میں، سطح آب کے اوپر کے علوم و معارف ہوں، یا زیر آب علوم و معرفت کے خزانے، بہر صورت علم ہی وجہ فضیلت قرار دیا گیا۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، جبیر وغیرہ مفسرین قرآن کا قول ہے کہ علم اسماء سے مراد ہر چھوٹی بڑی چیز کا علم ہے۔[2]

تحریک اسلام چونکہ ایک عالمگیر تحریک تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہر امت میں راہبر و رہنما بھیجے تاکہ اس کا پیغام بحر و بر میں رہنے والے بندوں تک پہنچ سکے۔ کرۂ ارض کا کوئی خطہ خواہ (بر) خشکی پر مشتمل ہو یا (بحر) تری پر، اسلام کا عالمگیر پیغام بندگان خدا تک ہر زمانے میں پہنچتا رہا ہے۔ زمین کا چونکہ تین چوتھائی حصہ پانی پر مشتمل ہے۔ اس لئے سمندروں اور جزیروں میں رہنے والے انسانوں تک بھی اللہ کا پیغام جو بندوں کے نام تھا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی شکل میں لازماً پہنچا ہے۔

رسول اکرم ﷺ آخری نبی ہیں اور عالمگیر نبی و رسول ہیں اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن حکیم بھی عالمگیر ہے اور اس کا پیغام بھی عالمگیر ہے۔ قرآن مجید میں سمندروں اور کشتیوں کا بڑی کثرت سے ذکر ہے۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو یہ باور کرایا گیا کہ سمندر اور کشتیاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہیں۔ جن قوموں نے ان نعمتوں کی قدر کی، ان کی اہمیت کو پہنچانا اور فرمان خداوندی میں مضمر ترقی کے راز کی تہہ تک پہنچے،

1: سورۃ البقرۃ 31/2

2: قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1964، ج 1، ص 279

وہ دنیا پر حکمران رہیں اور آج بھی عملاً ان کی حکمرانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو نہ صرف اپنی عظیم نشانی قرار دیا ہے بلکہ اپنے ارضی خلیفہ (انسان) کے لئے مسخر اور اس کے تابع کر دیا ہے۔ جیسا کہ سورہ نحل کی آیۃ نمبر 14 اور سورہ انعام کی آیۃ نمبر 97 میں مذکور ہے۔ (تفصیل گذشتہ صفحات میں گزر چکی ہے)۔

سورہ نحل کی آیۃ مبارکہ:

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ [1]

ترجمہ: اس نے زمین میں راستہ بتانے والی علامتیں رکھ دیں، اور تاروں سے بھی لوگ ہدایت پاتے ہیں۔

میں اس نکتہ کی جانب اشارہ کیا گیا کہ بحری علوم کا دار و مدار علوم فلکیہ پر موقوف ہے۔ اگر آپ سمندری علوم میں مہارت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو ستاروں کی مدد لینا پڑے گی۔

عربوں نے بحری اور فلکی علوم پر اتنی دسترس حاصل کی کہ دنیا کو پیچھے چھوڑ دیا۔ بیرونی اور ابوالفداء نے اس وقت بحریات میں اپنا لوہا منوایا جب یورپ میں بحری علوم کو ''محرمات'' میں شامل سمجھا جاتا تھا۔

ابتدائے آفرینش میں لوگ سمندر کو دنیا کا آخری کنارہ سمجھتے تھے اور اس میں قدم رکھنے سے ڈرتے تھے۔ بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی تک لوگوں کا یہی خیال تھا اور یہ قرینِ قیاس بات ہے کہ شروع میں انسان نے پہلی کشتی کسی جھیل میں چلائی ہو گی اور بھاری لکڑیوں اور گھاس کے گٹھوں کو دریا پار کرنے کیلئے استعمال کیا ہو گا۔ اس کے بعد بڑے بڑے تنوں کو کھوکھلا کر کے کشتی بنانے لگے اور سات سو قبل مسیح فنیقی (فونیقی بھی آیا ہے) قوم نے ایسی کشتیاں تیار کیں جن کے ذریعے وہ نہ صرف بحر روم کے ساحلی شہروں سے تجارت کرتے تھے بلکہ جنوب میں افریقہ اور شمال میں دور دور تک چلے جاتے تھے۔

قرآن پاک میں جہازوں اور سمندروں کا ذکر کثرت سے کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں کشتی کی تاریخ کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کے طوفان کے سلسلہ میں ہوتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم ہوتا ہے۔

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ [2]

ترجمہ: اور ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنانی شروع کر دو۔

قرآن کریم نے جابجا انسانوں پر اپنا یہ احسان جتایا ہے کہ اس نے انہیں کشتیوں کی سواری بخشی جو انکو اور ان کے سامان تجارت کو ہر جگہ آسانی سے لئے پھرتی ہیں۔

---

1 : سورۃ النحل 16/16

2: سورۃ ھود 37/11

بحریہ کی اہمیت وافادیت سے متعلق ایک اور ارشاد الٰہی ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [1]

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اُس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔

سوداگری اور تجارت کے مال واسباب کو دوسرے ملکوں میں لے جانا اور فائدہ اٹھانا اور وہ بھی ناپید اکنار سمندروں میں لکڑی کے چند تختوں پر، تیز ہواؤں اور طلاطم خیز موجوں کے رحم وکرم پر، ضعیف وناتواں انسان کا یہ سفر کس قدر خطرات سے بھرپور تھا۔ ایسی حالت میں کبھی ان جہازوں کا مقابلہ جب مخالف ہواؤں اور طوفانوں سے ہوتا ہوگا تو ہر طرف سے پانی کی موجوں کا مقابلہ کس قدر پر جوش اور مہم جو منظر پیش کرتا ہوگا۔ ان ناسازگار حالات میں اگر نقرئی کرن اور امید کی بجلی کسی طرف سے چمکتی ہوگی تو وہ صرف اور صرف ذات باری تعالیٰ ہی ہو سکتی ہے۔ جہازوں کو ہوا کے تھپیڑوں اور طوفانوں سے بچانے اور مختلف منازل تک مناسب ہواؤں کے ذریعہ صحیح و سلامت پہنچانے کیلئے جس علم کی ضرورت ہوتی ہے وہ طوفانوں کی خاص علامتوں کا علم اور مختلف موسموں میں ہواؤں کی مختلف سمتوں اور رفتار کا علم و ادراک ہونا ہے۔ اہل عرب کو ان باتوں میں خاصا کمال حاصل تھا۔ ریگستانی، کوہستانی اور ساحلی علاقوں کے باشندے ان طوفانوں کو علامات سے پہچاننے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔ وہ ان ہواؤں کی مختلف سمتوں، خاصیتوں، رفتار اور اثرات سے بڑی حد تک واقفیت رکھتے تھے۔ اہل عرب کو کثرت سے بحری سفر نے بحری علوم کا ماہر بنا دیا تھا۔ جیسا کہ احمد ابن ماجد عمانی جو کہ مشہور جہاز راں گذرا ہے [2]۔ جس کی تحقیق سے نہ صرف مسلمانوں بلکہ اہل یورپ نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

1: سورۃ الجاثیہ 45/12

2: احمد ابن ماجد جسے عرب "اسد البحار" یعنی سمندروں کے شیر سے یاد کرتے ہیں، ایک عمانی جغرافیہ دان اور بحری علوم پر کامل دسترس رکھنے والا مسلمان جہاز راں گزرا ہے۔ آپ کا پورا نام "شہاب الدین احمد ابن ماجد" ہے۔ بحریات پر "الفوائد فی اصول علم البحر والقواعد" کے نام سے ان کی مشہور تصنیف ہے جس میں بحر ہند، بحر قلزم، خلیج فارس، بحیرہ چین کے مغربی حصے اور مجمع الجزائر میں جہاز رانی کی ہدایات درج ہیں۔ ابن ماجد کو مورخین نے اڑتیس کتابوں کا مصنف بتایا ہے جن میں سے اکثر فلکیات، بحریات اور جہاز رانی کے موضوعات کا احاطہ کرتی ہیں، جن میں "حاوية الاختصار في أصول علم البحار"، "تحفة الفحول في تمهيد الأصول"، "المنهاج الفاخر في علم البحر الزاخر" اور "الأرجوزة السبعية" زیادہ مشہور ہیں۔ نیز اس نے واسکوڈے گاما کو ہندوستان کا راستہ بتانے میں بھی مدد کی تھی۔ اہل یورپ اس کے بحری علوم کے معترف ہیں۔ اور اسے عربوں کا "جان ہملٹن" کہتے تھے۔ فرانسیسی مستشرق فیراں لکھتا ہے کہ جہاز رانی اور بحری علوم پر جدید انداز میں لکھنے والا پہلا مصنف ابن ماجد ہے۔ اگر عرض بلد کی ناگزیر غلطیوں کو نظر انداز کیا جائے تو آج بھی بادبانی جہاز رانی کے لیے اُس کی کتب بے مثال ہیں۔ (منی خلف بن علوان الکتبی، اسهامات احمد بن ماجد فی علم الجغرافیا الملاحیة، زید یونیورسٹی، کویت 1982ء)

آنحضرت ﷺ کے زمانہ نبوت تک تو اسلام عرب کی چار دیواری میں محدود رہا۔ خلیفہ اوّل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں عراق اور شام کی سرحدوں میں داخل ہو گیا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں وہ ایک طرف فارس و خلیج فارس اور دوسری طرف شام و فلسطین سے گزر کر مصر و اسکندریہ تک پہنچ گیا۔ یہ دونوں دنیا کی دو عظیم الشان قوموں کے دریائی مرکز تھے۔ خلیج فارس یا خلیج عربی، کسریٰ ایران کا اور بحیرہ روم قیصر روم کی بحری لشکر گاہ تھیں۔

سمندروں کا علم اور اس کی اہمیت

علم ایک بہت بڑی دولت ہے جو کسی کی میراث نہیں۔ تمدن اور علم کی متلاشی مہم جو قومیں اپنے آس پاس کے سمندروں میں جب قدم رکھتی تھیں تو یہ خیال کرتی تھیں کہ ہر سمندر دوسرے سے الگ اور مستقل ہے۔[1]

اس سلسلہ میں سب سے اہم انکشاف یہ ہوا ہے کہ سمندر باہم ایک مشترک بحری دنیا ہے جو ہندوستان، چین، فارس اور شام میں منقسم نہیں بلکہ پانی کا ایک ہی عظیم الشان دائرہ ہے جو ان سب ملکوں کو محیط کئے ہوئے ہے۔ یاقوت الحموی نے ابوریحان البیرونی کے بقول سمندروں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

آباد دنیا کے مغرب میں اور طنجہ بالمقابل جبل الطارق اور اسپین کے سواحل پر جو بحر ہے اسی کا نام بحر محیط ہے جس کو یونانی بحر اوقیانوس کہتے ہیں، جس کا مرکز مطلاطم اور غیر مسخر سمجھا جاتا تھا، تجارتی جہاز اس کے کنارے کنارے ہی چلنے میں عافیت سمجھتے تھے۔ بحر اوقیانوس افریقہ کے شمال کی طرف چلتا ہے، اور اس کے شمال میں ایک بڑی کھاڑی (Creek) نکلتی ہے اور وہ بلغاریہ کے قریب تک جاتی ہے اور اس کا نام دریائے بیرنگ (Bering) ہے اور اسی بیرنگ کے نام سے ایک قوم اس کے ساحل پر آباد ہے۔ پھر اس سمندر کے پیچھے مشرق سے لے کر اس کے ساحل اور اقصائے ملک اتراک کے درمیان کچھ زمین اور ویران پہاڑ ہیں اور جن پر چلنے کا راستہ تک نہیں۔[2]

سمندروں کی وحدت کو بیان کرتے ہوئے ابو حامد اندلسی نامی مشہور سیاح بیان کرتے ہیں:

> وہ سیاہ سمندر جس کا نام بحر محیط (ظلمات) ہے جس میں جہاز نہیں جاتے اور بحر ہند اس کی ایک کھاڑی ہے۔ بحر چین اس کی ایک شاخ ہے۔ بحر احمر اس کی ایک خلیج ہے۔ بحر فارس اس کا ایک حصہ ہے، یہ وہی سمندر ہے جو بصرہ، (خلیج عرب) کے کنارے، عبدان، سیراف (دوحہ)، کرمان (ایران)، بحرین، جزیرہ قیس (ایران)، دیبل (پاکستان)، حبشہ (افریقہ / ابی سینا)، زنج، سراندیپ (سری لنکا)

1: مسعودی، مروج الذہب، ج1، ص372

2: یاقوت الحموی، مقدمہ معجم البلدان، ج1، ص191، دار صادر، بیروت، 1993ء

تک پھیلا ہوا ہے، یہ تمام سمندر جن کا اوپر ذکر ہوا ہے یا جن کا نہیں ہوا، ان سب کی اصل وہی سیاہ سمندر ہے جس کو بحر محیط کہتے ہیں[1]

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں سمندروں کے حالات پر تفصیلی مضمون لکھا ہے وہ لکھتے ہیں:

اِنَّ هذا البحر المحيط يخرج من جهة المغرب فی الإقليم الرابع البحر الرومی المعروف يبدأ فی خليج متضائق فی عرض اثني عشر ميلاً او نحو ما بين طنجة و طريف ويسمی الزقاق ، ثم يذهب مشرقاً و ينسفسح الی عرض ستمائة ميل[2]

بحر محیط سے مغرب کی سمت، چوتھی اقلیم میں بحر روم نکلتا ہے یہ ایک تنگ خلیج ہے جو بارہ میل کے قریب چوڑی ہے۔ طنجہ (مراکش) اور طریف کے بیچ سے نکلتی ہے اور اس تنگ خلیج کا نام زقاق ہے۔ پھر یہ بحر روم مشرق کی طرف جاتا ہے اور چھ سو میل چوڑا ہو جاتا ہے۔

ابن خلدون کا سفر اندلس سے مصر اور حجاز تک محدود ہے۔ ان بیانات میں ایک بات قابل ذکر ہے کہ اس میں سمندروں کا طول و عرض جابجا مذکور ہے۔ اس قسم کی پیمائش کا ذکر بطلیموس کے جغرافیہ میں بھی ہے مگر اس میں کافی غلطیاں ہیں۔ عربوں کے بیانات موجودہ زمانے کی تحقیقات سے بہت کم فرق رکھتے ہیں۔

جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت اور بحریہ کا کردار

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ عصر حاضر میں کوئی ملک ایسا نہیں جو جغرافیائی سرحدیں نہ رکھتا ہو، ہر ملک کا دوسرے ملک کے ساتھ کسی نہ کسی سطح پر رابطہ اور تعلق ہوتا ہے۔ کسی دور میں ان سرحدوں کے فاصلے بہت زیادہ ہوتے تھے لیکن موجودہ زمانے میں یہ فاصلے سمٹ گئے ہیں اور دنیا ایک گلوبل ویلج (Global Village) کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ ان جغرافیائی سرحدوں کا تعلق زمینی، فضائی، بحری یا کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے۔ ان تمام اقسام کو جغرافیائی سرحدیں ہی کہیں گے۔ ان کا تحفظ ہر ملک کا اہم قومی فریضہ ہوا کرتا ہے مگر مسلم ممالک کا اپنی نظریاتی حدود کے ساتھ ساتھ جغرافیائی حدود کا دفاع ایک عظیم قومی اور دینی ذمہ داری ہے۔ نیز جن لوگوں کو سمندری حدود کی حفاظت کا مقدس فریضہ سونپا گیا ہے وہ سمندری ساحلوں کے ملاح و محافظ ہیں، جنہیں سیلر بھی کہا جاتا ہے۔

1: ابو حامد الاندلسی، تحفہ الالباب، ص92-91، مکتبہ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، مصر، 2003ء

2: ابن خلدون، علامہ، مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی، لاہور

سمندر اور دریا کسی بھی ملک کی خوشحالی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ساری دُنیا کو معلوم ہے کہ جو بھی ملک سمندر پر حکمرانی کرے گا وہی دُنیا پر حکمرانی گا۔ چونکہ زمین کا تین چوتھائی حصہ پانی اور ایک چوتھائی حصہ خشکی پر مشتمل ہے۔ اس لئے سمندری حدود کی نگرانی اور حفاظت کیلئے بحریہ کا قیام ضروری ہے جو ملکی سرحدات کے ساتھ ساتھ پانی اور دیگر آبی وسائل اور بحری تجارت کی حفاظت کر سکے اور دشمن کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ ساحلوں کی حفاظت کو یقینی بنائے۔

مستحکم بحریہ، مستحکم دفاع کی ضامن ہے

کسی بھی ملک کی بحریہ جس قدر مستحکم ہو گی اس کا دفاع اتنا ہی مضبوط اور ناقابلِ تسخیر سمجھا جائے گا اور سمندروں پر حکمرانی، خشکی پر حکمرانی کو استحکام و دوام بخشنے کا باعث ہو گی۔ اسلامی بحریہ کے استحکام کی بدولت ایک طویل عرصہ تک اُمّتِ مسلمہ کی سمندروں پر اجارہ داری قائم رہی اور زمانہ ماضی میں بحیرہ روم ایک لمبی مدت تک اسلامی بحریہ کے عظیم کارناموں کا گواہ رہا ہے اور بحیرہ روم کے ارد گرد کے جزائر پر اسلامی پرچم کئی صدیوں تک لہراتا رہا ہے۔

مسلمانوں کی شاندار بحری تاریخ پر ایک نظر

اگر مسلمانوں کی شاندار کامیابیوں اور کارناموں پر نظر ڈالی جائے تو عصر حاضر میں ان واقعات سے بہت سی راہنمائی لی جا سکتی ہے۔ ان واقعات کا ذکر کرنے کا مقصد صرف بحری تاریخ کو دہرانا نہیں بلکہ ان کی حکمت عملی، نتائج، فوائد اور نقصانات کو مد نظر رکھتے ہوئے عصر حاضر میں بہتری کے لئے پالیسیاں مرتب کرنا ہے۔

اگر ہم ماضی کے مختلف ادوار پر نظر دوڑائیں تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی بحریہ کی قوت کو ہر دور میں مسلم و غیر مسلم ماہرین حرب اور مؤرخین نے خراج تحسین پیش کیا ہے۔ اسلامی بحریہ کے بانی جناب امیر معاویہ اور عبد اللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہما تھے۔ جنہوں نے سب سے پہلے اس کے قیام کا منصوبہ بنایا اور اس اہم ضرورت کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ خلیفہ وقت سے بار بار اصرار کیا کہ رومیوں اور بازنطینیوں کا کھلے سمندر میں مقابلہ کرنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے اور اسلامی ریاست کی ساحلی حدود کو اسی شکل میں محفوظ رکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ہماری اپنی بحری فوج ہو اور ہماری اپنی مضبوط اسلامی بحریہ ہو۔ اسلامی بحریہ کے قیام کے بعد اس کی تعمیر و ترقی اور جہاز رانی کے ساتھ ساتھ جہاز سازی پر بھی خصوصی توجہ دی گئی اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بحری جہاز بنانے کے کارخانوں (Shipyard) اور (Dockyard) کے قیام کا آغاز کر دیا تھا اور پھر اپنے دور حکومت میں مسلم بحریہ کو مضبوط سے مضبوط تر بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی بحریہ کے استحکام کی بدولت مسلمانوں نے جزیرہ قبرص (مشرقی بحیرہ روم)،

اندلس، جزیرہ کریٹ، جزیرہ صقلیہ، قسطنطنیہ اور ہنگری کو فتح کیا اور طارق بن زیاد[1] نے جبل الطارق (Jibralter) پر پہنچ کر اپنی تمام کشتیاں اور بحری جہاز جلا دیئے تھے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کتنا کامل بھروسہ تھا اور اپنی بحریہ کی قوت پر کتنا اعتماد تھا۔ ان تمام واقعات گزشتہ کو دہرانے کا مقصد یہ ہے کہ آج موجودہ دور کی بحریہ انہی جذبوں اور خطوط پر چلتے ہوئے اپنے آپ کو ترقی اور کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔

باب الاِسلام سندھ کے احوال کسی سے مخفی نہیں۔ سب سے پہلا قدم محمد بن قاسم نے اس سرزمین پر رکھا جن کو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا گیا ہے انہوں نے سندھ کو فتح کرنے کیلئے خشکی کے علاوہ بحری راستوں کو بھی استعمال کیا۔ ان کا کچھ فوجی سازوسامان، جنگی کشتیوں اور بحری جہازوں کے ذریعے سندھ لایا گیا۔

مسلمانوں کی شاندار بحری تاریخ میں ایسے مسلم امیر البحر بھی گزرے ہیں جن کے حقیقی کارنامے منفرد، مثالی اور ناقابلِ یقین ہیں۔ انہوں نے اپنی ذہانت کی بدولت اور جنگی حکمت عملی کے اعتبار سے ایسے ایسے تکنیکی حربے استعمال کئے کہ دشمن حیران رہ گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ امیر البحر خیر الدین پاشا باربروسہ کا بحری طاقت کا استعمال کرتے ہوئے یورپ کے متحدہ سات پرچموں کو شکست دینا کوئی آسان کام نہ تھا جن کے بارے ہیر الڈلیم کہتا ہے:

اس کے خلاف سات متحدہ اقوام اکٹھی ہو گئی تھیں، اس سے پہلے اس نے کبھی سمندر میں اتنی بڑی بحری قوت کا اجتماع نہیں دیکھا تھا[2]۔ اس نے ساتوں متحدہ یورپی ممالک کی افواج کو سمندر میں عبرتناک شکست دی کہ مغرب والے اسے اب تک نہیں بُھلا سکے۔ اس جنگ میں باربروسہ تن تنہا یورپ کے سات پرچموں کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ان تمام واقعات کو جو اب ماضی کا حصہ بن چکے ہیں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ عصر حاضر میں ان واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے مضبوط پالیسی مرتب کی جائے تاکہ دشمن جو آج پانی بند کرنے کی دھمکیاں دے رہا ہے اس کا راستہ بند کیا جائے۔

بحری فتوحات کا آغاز فتح قبرص سے ہوا جبکہ بحری جہاز کے کارخانوں کا آغاز بھی اسی دور میں ہوا۔ اس سے قبل بنو امیہ کے عہد حکومت میں جو چیز عروج پر دکھائی دیتی ہے وہ بحری فتوحات اور بحری تجارت تھی۔ اموی حکومت میں جہاز سازی کا نظام بہت وسیع اور کارکردگی کے لحاظ سے بہت اعلیٰ درجے کا تھا۔ عہد بنو اغلب میں مسلمانوں کا بحری بیڑہ اتنا مضبوط تھا کہ تمام بحیرہ روم اس کی واحد ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ فاطمین مصر نے اپنے تقریباً تین سو سالہ دور میں کئی ایسے شاندار کارنامے سرانجام دیئے جو ان کا نام ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔ ان کارہائے نمایاں میں ایک عظیم کارنامہ ان کا مضبوط مستحکم بحری جنگی نظام تھا۔ فاطمیوں نے بری فوج کے استحکام کے ساتھ ساتھ اپنی بحریہ کو جس طرح منظم کیا وہ ان کا

---

1 : طارق بن زیاد بن عبداللہ بن رفہو بن رفجوم، بربر نسل سے تعلق تھا، عہد بنو امیہ کے سپہ سالار 711ء میں ہسپانیہ میں مسلم اقتدار کی بنیاد رکھی۔ 720ء میں وفات پائی۔ (معجم البلدان، ج 1، ص 347)

:2 سلیمان عالی شان، ہیر الڈلیم (Heraldleam) (ترجمہ ڈاکٹر محمد طاہر جگڑول، حصہ اول، مقبول اکیڈمی، لاہور۔ 1988ء

لازوال کارنامہ ہے اور امر واقع یہ ہے کہ اس کارنامے کو انجام دیئے بغیر وہ رومیوں کی بحری تاخت و تاراج سے محفوظ نہیں رہ سکتے تھے، نہ اپنی فتوحات کا سلسلہ جاری رکھ سکتے تھے اور نہ داخلی تحفظ سے بہرہ ور ہو سکتے تھے۔

عصر حاضر میں مضبوط بحریہ مضبوط معیشت کی ضامن

آج کے موجودہ دور میں ترقی یافتہ قوموں میں شامل ہونے کیلیئے مضبوط معیشت کا ہونا بہت ضروری ہے کسی دور میں معیشت کا حصول چند گنے چنے ذرائع تک محدود تھا جبکہ آج کے دور میں بحر و بر میں جدید وسائل تلاش کر لئے گئے ہیں اور آئندہ دور میں مزید ترقی کے امکانات روشن ہیں۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مضبوط بحریہ ہی کسی ملک کیلیئے مضبوط معیشت کا سہارا ہوتی ہے۔ جو ممالک ساحل سمندر پر واقع ہیں ان کی بحریہ جس قدر مستحکم ہو گی ان کے بحری راستے اسی قدر محفوظ و مامون ہوں گے۔ مسلم بحری بیڑہ جب اپنے عروج پر تھا تو اس وقت مسلمانوں کی بحری جنگی صلاحیت ہی قابل تعریف نہ تھی بلکہ بحیرہ روم سے لیکر بحر ہند تک کی بحری تجارت پر بھی ان کا مکمل تسلط تھا اور مسلمان تاجر بحری جہازوں پر دنیا کے کونے کونے میں اپنا سامان لے کر پہنچتے تھے۔ ان کے بحری راستے اتنے محفوظ تھے کہ ان کی طرف کوئی میلی آنکھ سے دیکھنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔

آج کے حالات کو دیکھتے ہوئے اور دشمنوں کے پروپیگنڈہ کے پیش نظر کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ کسی زمانہ میں فرزندانِ اسلام بھی ایک عظیم الشان اور اپنے زمانہ کے طاقتور ترین بحری بیڑے کے مالک تھے اور کبھی اسلامی بحری بیڑا بھی دنیا کے بڑے بڑے سمندروں پر حکمرانی کرتا تھا اور کسی کو اس سے آنکھ ملانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سمندروں پر مسلمانوں کی یہ حکمرانی دس بیس سال نہیں بلکہ صدیوں تک قائم رہی۔ اس زمانہ میں بحیرہ روم پر مسلمانوں کے مکمل اقتدار کے باعث اہل یورپ ساری دنیا سے کٹ کر صرف اپنے ہی براعظم تک محدود ہو گئے تھے۔ اور ان کی تجارت تو تقریباً بالکل ہی ختم ہو گئی تھی۔ آج کل اہل یورپ فن جہاز رانی میں بڑے ماہر سمجھے جاتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ فن انہوں نے مسلمانوں ہی سے سیکھا تھا۔ عصر حاضر میں مسلمانوں کی کمزوری اور ناکامی کے اسباب پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکالنے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہو گی کہ ماضی میں مسلمانوں کی بحری طاقت و قوت اور بحری بیڑے کی شان و شوکت کا راز ان کی اجتماعیت اور مرکزیت میں مضمر تھا جب تک کسی بھی خطہ میں مرکزیت قائم رہی مسلمان غالب و فائق رہے اور جب یہ مرکزیت ختم ہو کر چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں میں بٹ گئی تو ان کی شان و شوکت اور عظمت و ہیبت کی ہوا ایسے اکھڑ گئی جیسے موسم خزاں میں درختوں کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔

فصل دوئم:

اسلامی ممالک کی بحری قوت پر طائرانہ نظر

- پاکستان بحریہ
- پاکستان بحریہ کے تربیتی ادارے
- قیام امن میں بحریہ کا کردار
- پاک چین اقتصادی راہداری اور پاک بحریہ
- اسلامی ممالک کی بحری افواج

دنیا میں تقریباً ایک سو چھیانوے (196) ممالک میں سے ستاون (57) اسلامی ملکوں میں سے انچاس (49) خالصتاً اسلامی، جبکہ آٹھ (8) ایسے ملک بھی ہیں جو اسلامی تو نہیں لیکن وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، جو او آئی سی (OIC) کے ممبرز بھی ہیں۔ ان میں سے چھ (6) ایشین ری پبلک کنٹریز (Asian Republic Countries) بھی ہیں جو سمندری سرحدیں نہیں رکھتے، ان کے علاوہ تمام مسلم ممالک کا سمندر کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور سمندری سرحدات سے اتصال کی وجہ سے ان کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ ان تمام ممالک نے (بحری سرحدوں کی ضروریات ک مطابق) اپنی عسکری اور بحری افواج تیار کر رکھی ہیں۔ عالم اسلام کی بحری قوت پر ایک طائرانہ نظر دوڑائی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کچھ ممالک بحری قوت میں خود کفیل ہیں اور کچھ اپنے آپ کو اس سطح پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اسلامی ممالک میں سے چند ایسے بھی ہیں جو اپنے قومی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اپنی دفاعی اور تجارتی ضروریات کے پیشِ نظر تیاری میں رہتے ہیں جس میں عددی، حربی اور خاص طور پر بحری جہازوں، آبدوزوں، بحری حدود کی نگرانی اور تعیّن، بحری تجارتی راستوں اور ماحولیاتی تحفّظ اور بین الاقوامی تجارت جیسے اہم امور ان کی توجہ کا مرکز رہتے ہیں۔

یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ کرۂ ارض کا دو تہائی حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے جس میں بنی نوع انسان کے لئے بے شمار فوائد اور خزانے پوشیدہ ہیں۔ یہ پانی سمندروں، نہروں اور دریاؤں کی شکل میں بہہ رہا ہے، ان خزانوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل و دانائی کی نعمت سے نوازا ہے۔ دیگر فوائد کے حصول کے لئے سمندر کی گہرائی، زیر آب چٹانوں کی ساخت، لہروں کے مدوجزر اور دیگر طبعی حقائق کا علم حاصل کرنا بھی بہت ضروری ہے جو کہ ماہرانہ بحرپیائی اور بحری علوم (Oceanography) کے بغیر ممکن نہیں۔

سمندری وسائل کسی بھی ملک کی معاشی اور اقتصادی ترقی میں اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، ان وسائل کی حفاظت میں بحریہ ایک کلیدی کردار ادا کرتی ہے۔ موجودہ دور میں اقتصادی ترقی اور دفاعی نظام کے ساتھ ساتھ دنیا بحری دہشت گردی اور قزاقی کے خطرے سے بھی دوچار ہے۔ دہشت گردوں اور بحری قزاقوں کا کوئی ملک، دین، مذہب یا خطہ نہیں ہوتا وہ کہیں سے بھی سمندری علاقوں کو زیر استعمال لا کر حملہ آور ہو سکتے ہیں اس لئے تمام اسلامی ممالک کو اس مسئلے کی طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہر وقت رہتی ہے۔

ماہرین بحریات کا خیال ہے کہ آنے والے دور میں پانیوں پر جنگیں ہوں گی، دنیا کی ہر ریاست کو اپنی زمین کی حدود کے ساتھ ساتھ سمندری حدود کی حفاظت کرنے کا مکمل حق حاصل ہے اس لئے جن ممالک کی سمندری حدود موجود ہیں انھوں نے کسی نہ کسی شکل اور اپنی طاقت و استطاعت کے مطابق بحری بیڑہ تشکیل دے رکھا ہے۔ پاکستان نیوی نے بھی اپنے محدود وسائل کے ہوتے ہوئے اپنے بحری بیڑے کی ترقی کے لئے کئی اقدامات کیے ہیں تاکہ بحیرہ عرب میں اسلامی ممالک کے باہمی تعاون یا بلا شرکت غیرے اپنی برتری قائم کر سکے جس سے نہ صرف یہ کہ دشمن کے عزائم کو ناکام بنایا جا سکے بلکہ ملک کی معاشی، اقتصادی ترقی اور سمندری گزرگاہوں کو بھی محفوظ رکھا جا سکے۔

آج دنیا کی ایک ناگزیر حقیقت اس کی انتہائی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ہے جسے بہت سے دفاعی تجزیہ نگار قومی، علاقائی اور عالمی سلامتی کے لئے سنگین خطرہ سمجھتے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زمینی وسائل میں تیزی سے کمی واقع ہو رہی ہے اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام اسلامی ممالک کو عمومی طور پر اور وہ اسلامی ممالک جن کے ساتھ سمندری حدود لگتی ہیں خصوصی طور پر سمندروں میں موجود وسائل کو حاصل کرنا اور محفوظ کرنا نہایت ضروری ہو گیا ہے اس فصل میں اسلامی ممالک کی بحری طاقت (Sea Power) پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے پاکستان بحریہ کی خدمات اور وسائل کا ذکر کیا جائے گا تاکہ اس حقیقت کا ادراک کیا جاسکے کہ اسلامی ممالک کہاں کھڑے ہیں اور کن امور اور منصوبوں کو بروئے کار لا کر وہ اپنے آپ کو ترقی یافتہ قوموں کی صف میں شامل کر سکتے ہیں؟

سب سے پہلے وطن عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کی بحریہ کا ذکر کیا جائے گا۔ بعد ازاں قابل ذکر بحری قوت کے حامل دیگر اسلامی ممالک کی بحریہ پر اختصار کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

پاکستان بحریہ: (Pakistan Navy)

پاکستان دنیا کا واحد نظریاتی ملک ہے جو اسلام کے نام پر سرزمین برصغیر پہ قائم ہوا اور 14/اگست 1947 کو تحریک آزادی کی ایک طویل جدوجہد کے بعد معرض وجود میں آیا۔ اس کے دو اہم حصے، مشرقی پاکستان جس کے شمال مشرق اور مغرب میں بھارت جنوب مشرق میں برما اور جنوب میں خلیج بنگال اور جزائر انڈیمان واقع تھے۔ جبکہ مغربی پاکستان جس کے شمال میں چین، مشرق میں بھارت، جنوب میں بحیرہ عرب، جنوب مغرب میں عمان، مغرب میں ایران اور شمال مغرب میں افغانستان اور متحدہ روس کی چھ آزاد مسلم ریاستیں (آذربائیجان، قزاقستان، تاجکستان، ترکمانستان، ازبکستان، قرغیزستان)[1] آباد ہیں۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے پاکستان تمام عالم اسلام کی امیدوں کا محور و مرکز ہے اور یہ بری، بحری اور فضائی راستوں کے ذریعے تمام برادر اسلامی ممالک سے ملا ہوا ہے۔

ارض پاکستان کی تقریباً ایک ہزار کلو میٹر سے زائد علاقے پر پھیلی ہوئی ساحلی پٹی اور پاکستان کی سمندری حدود کی حفاظت اور دفاع کی ذمہ داری پاک بحریہ اعلیٰ پیشہ ورانہ افرادی قوت اور جدید آلات کے ساتھ انجام دے رہی ہے۔ سطح آب، زیر آب، فضائی اور خشکی کی فورس (پاک میرینز اور سپیشل سروسز گروپ) پر مشتمل ہے۔ قیام پاکستان کے وقت ہی بانیان پاک بحریہ کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ تقسیم کے وقت ملنے والے چند جہازوں اور مختصر ترین افرادی قوت کی حامل پاک بحریہ کو اہم ترین جغرافیائی وقوع پذیری کے حامل ملک پاکستان کی حفاظت و دفاع کے لئے اہلیت، قابلیت اور جدت کا ثمر بار سفر طے کرنا ہو گا۔ بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناحؒ کی HMPS DILAWAR کراچی میں اپنے اولین دورے کی پہلی تقریر اس بات کی واضح عکاسی و ترجمانی کرتی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

1: ترکمانستان (انگریزی: Turkmenistan) براعظم ایشیاء میں واقع ہے۔ اس کے دارالحکومت کا نام اشک آباد ہے۔ اقوام متحدہ کے شعبہ شماریات کے مطابق 2012 میں ترکمانستان کی آبادی 5,172,931 تھی۔

آپ میں سے ہر فرد کو دفاع وطن کو مضبوط بنانے میں اہم کردار ادا کرنا ہے اور آپ کے رہنما اصول ایمان، نظم و ضبط اور ذاتی قربانی ہونے چاہییں ۔ آپ کو طاقت اور قوت میں کمی کو اپنی ہمت اور بے لوث فرض شناسی سے پورا کرنا ہو گا کیونکہ زندگی ہمت ، حوصلہ اور پختہ عزم کے بغیر بے معنی ہے۔[1]

بانیان پاک بحریہ کی مدبرانہ سوچ، کامیاب حکمت عملی اور دور اندیشی سے ایسے منصوبے تشکیل پائے جن پر عمل پیرا ہو کر آج کی پاک بحریہ ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت بن چکی ہے جو دشمن کی کسی بھی جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی بھرپور صلاحیت کے ساتھ ہمہ وقت تیار ہے۔

پاک بحریہ کے فضائی بیڑے نیول ایوی ایشن کا آغاز 1974 میں سی کنگ ہیلی کاپٹر کی شمولیت سے ہوا۔ آج کی نیول ایوی ایشن پی تھری سی اٹلانٹک، ائیر کرافٹ اور جدید مہلک ہتھیاروں کے ساتھ باصلاحیت ایوی ایشن کے طور پر مانی جاتی ہے۔ سیکیورٹی اور پاک بحریہ کی آپریشنل قوت کے لئے مکران کوسٹ پر 1987 میں بحریہ کی اسٹیبلشمنٹ پی این ایس اکرم کا قیام عمل میں لایا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بحری جنگی جہازوں کے لئے مددگار جہازوں، آئل ٹینکرز، آبدوزوں، ائیر کرافٹ ہیلی کاپٹرز، میزائل بوٹس، مائن سویپر جہازوں، فاسٹ اٹیک کرافٹ وغیرہ کی شمولیت اور زمینی یونٹس اور تعلیم و تربیت کے اداروں کے قیام پر بھرپور توجہ دی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ خود انحصاری کے سفر کو بھی جاری رکھا گیا 1988 اور 1999 تک پی این ایس بابر، سیف، معاون اور پی این ایس طارق کے نام سے بحری جنگی جہازوں کو پاک بحریہ میں شامل کیا گیا۔[2] بروک اور گارشیا کلاس بحری جہاز، امریکہ سے، ٹائپ ٹونٹی ون (Type -21) برطانیہ سے اور چین کی مدد سے F-22P بحری جہاز پاک بحریہ میں شامل کئے گئے۔ جن میں سے اول الذکر تین جہاز چین میں اور ایک (پی این ایس اصلت) پاکستان میں بنا۔

پاک بحریہ اور جہازی سازی

پاکستان کیلئے بحری جہاز سازی کی صنعت ایک دیرینہ خواب تھا، جو جولائی/2017 میں پورا ہوا۔ کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس کا تعمیر کردہ فاسٹ اٹیک (میزائل) کرافٹ پی این ایس ہمت پاک بحریہ میں شامل کر دیا گیا۔ یہ جہاز 63 میٹر لمبا فاسٹ اٹیک کرافٹ ہے جو اسٹیٹ آف دی آرٹ ہتھیاروں اور سینسرز سے لیس ہے۔ یہ جہاز اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ اس میں مقامی طور پر تیار کردہ میزائل سسٹم بھی نصب ہے۔ اس کرافٹ میں دیگر ہتھیار اور سینسرز

1: روداد پاکستان بحریہ (1972-1947)، شعبہ تاریخ، ایجوکیشن ڈائریکٹریٹ، نیول ہیڈ کوارٹرز، اسلام آباد۔ 2017ء

2: مجلہ، نیوی نیوز، ستمبر 2016، شعبہ تعلقات عامہ، نیول ہیڈ کوارٹرز، اسلام آباد

بھی نصب کیے گئے ہیں جن کی بدولت اس کرافٹ کا کسی بھی جدید بحری جہاز سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ مذکورہ جہاز اسٹیٹ آف دی آرٹ چائنا شپ بلڈنگ اینڈ آف شور کمپنی اور ژیانگ شپ یارڈ کے تعاون سے تیار کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ بھی کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس نے پاک بحریہ کے لیے کئی منصوبے کامیابی سے مکمل کر لئے اور کئی منصوبوں مثلاً 17000 ٹن فلیٹ ٹینکر، 3000 ٹن سروے شپ، 1900 ٹن او پی ویز، میری ٹائم پٹرول ویسلز، فاسٹ اٹیک (میزائل) کرافٹ، 32 ٹن بلرڈ پل ٹگ اور کثیر المقاصد بارج پر کام جاری ہے۔

فرانس اور چین کے ساتھ ٹیکنالوجی کی منتقلی کے ساتھ آگسٹا کلاس آبدوزیں اور بحری جنگی جہاز فریگیٹ تیار کیے گئے ہیں۔ جہاز سازی اور ٹیکنالوجی میں دسترس حاصل کر کے پاکستانی انجینئرز نے مقامی وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے پی این ڈاکیارڈ میں آبدوز سازی اور کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس نے جہاز سازی کو ممکن بنایا دیا ہے۔ یہاں نئے فریگیٹ، میزائلوں اور گن شپ سے آراستہ جہازوں، ایندھن پہنچانے یا میڈیکل سہولتیں فراہم کرنے والے جہازوں، میری ٹائم سیکورٹی اسلحہ سے لیس گشتی جہازوں کی تیاری کا مرحلہ شروع ہو چکا ہے۔ نہ صرف بحری جہاز بلکہ مقامی طور میزائل سازی پر بھی کام جاری ہے۔ حال ہی میں پاک بحریہ نے مقامی طور پر تیار کردہ میزائل ''حربہ'' کا کامیاب تجربہ کیا ہے۔[1]

بد قسمتی سے پاکستان میں بحریہ کی اہمیت کو سی پیک سے پہلے نہیں سمجھا گیا کیونکہ غیر منقسم ہندوستان میں جتنے فاتحین آئے تھے وہ زمین بند علاقوں سے آئے تھے اور بحریہ کی اہمیت سے نا آشنا تھے، اسی وجہ سے انگریز جو بحری قوت تھا، غیر منقسم ہندوستان کو اس نے اپنے قابو میں کر لیا۔ سلطنت عثمانیہ کے حکمران البتہ بحریہ کی بطور طاقت استعمال کرتے رہے اور اپنا سکہ کئی صدیوں تک منوائے رکھا، اور آج امریکہ اس طاقت کو اپنی بالادستی کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ کیونکہ جو بھی سمندر پر حکمرانی کرے گا، زمین پر حکمرانی اُس کی جھولی میں آگرے گی۔

الحمد للہ! اپنے وسائل کا بھرپور اور بروقت استعمال کرتے ہوئے پاک بحریہ عالمی افق پر مؤثر بحری قوت بن کر ابھری ہے جو اپنی بنیادی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ کئی دیگر شعبوں میں بھی اپنی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔

1965 کی جنگ میں پاک بحریہ کا کردار

پاک بحریہ ایک خاموش دفاعی قوت ہے کیونکہ ہمارے بحری محافظ ساحلوں سے دور سمندروں کی سطح اور گہرائی میں اپنا مشن جاری رکھتے ہیں۔ ایک آبدوز جب پانی کی سینکڑوں میٹر گہرائی میں آپریشن کرتی ہے تو وہ نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے جس بنیاد پر اسے ایک خاموش اور مضبوط دفاعی قوت قرار دیا جاتا ہے۔ وطنِ عزیز کے دفاع، آبی سرحدوں کی نگرانی اور اب سی پیک کے تناظر میں پاک بحریہ کی اہمیت دوچند ہو گئی ہے۔

1: روزنامہ سماء، اشاعت 3 جنوری 2018ء

ماضی میں بھی پاک بحریہ کا کردار نمایاں اور بے مثال رہا خصوصاً چھ ستمبر 1965 کے واقعات اس بات کے شاہد ہیں۔ کیونکہ اس مشن میں نہ صرف بھارتی بحریہ کو شکست دینا مقصود تھا بلکہ حسب ذیل امور بھی پیش نظر تھے:

- پاکستان کی بندرگاہوں کا سمندری دفاع
- سمندری تجارتی راستے کھلے رکھنا
- تجارتی جہازوں کی دوران سفر حفاظت
- دشمن کی جہاز رانی میں مداخلت
- مشرقی پاکستان میں دریائی کاروائیوں میں بری فوج کی مدد [1]

اس جنگ کے آغاز میں ہی پاکستان نیوی کے بحری جنگی جہاز، کروزر، سرنگوں کو تباہ کرنے والے 5 جنگی جہاز اور ٹینکر معمول کی مشقوں کے لیے روانہ ہونے والے تھے لیکن جنگ کی خبروں کے باعث روانگی میں کسی حد تک جلدی کی گئی۔ ایک ماہ قبل رن آف کچھ میں ہونے والی جھڑپ کی وجہ سے جنگی جہاز انتہائی تیاری کی حالت میں تھے اور صرف ان پر گولہ بارود اور عملے کی خوراک بار کی گئی۔ حکمت عملی اور عملی تربیت کے باعث ہی جلد تیاری اور روانگی ممکن ہوئی۔

جنگ کے دوسرے دن 7 ستمبر کو اپنے ساحل کے دفاع کیلئے جنگی جہاز حفاظتی گشت پر مامور تھے کہ اس دوران نیول ہیڈ کوارٹرز کی جانب سے ایک پیغام موصول ہوا جس میں ہدایت کی گئی کہ جتنی تیزی سے ممکن ہو جنوبی دوارکا سے مغرب میں 120 میل کی طرف بڑھیں اور شام 6 بجے تک پوزیشن سنبھال لیں۔ بحری جنگی جہازوں نے دوارکا کی طرف جاتے ہوئے ہدایت کے مطابق اپنا ایندھن ذخیرہ کر لیا، جہاں اس کے ریڈار سٹیشن کو ابتدائی طور پر بمباری کا ہدف دیا گیا۔ ٹکٹیکل کمانڈ کے آفیسر پی این ایس بابر پر سوار ہوئے اور فوری فائرنگ کی ہدایت کو حتمی شکل دی اور انہوں نے جاتے ہوئے دوسرے جہازوں کو بھی ہدایت فراہم کیں۔

شیڈول کے مطابق پاکستان نیوی کے 7 جہازوں کے گروپ نے فائرنگ پوزیشن پر نصف شب کو پہنچ کر پوزیشنز سنبھال لیں۔ ان کے ساتھ 27 گنز تھیں۔ ایک کروزر بابر کے پاس 5.25" ٹورٹس، دو جنگی کلاس ڈسٹرائرز، پی این ایس خیبر اور بدر کے پاس 4.5" ٹورٹس تھے۔ تین چوکر کلاس 4.5" ڈسٹرائرز پر نصب تھیں۔ ایک فریگیٹ ٹیپو سلطان 4" پر نصب تھی۔ اندھیری رات اور مکمل بلیک آؤٹ کے سبب دوارکا شہر بے بس لگ رہا تھا، تاہم ریڈار کی مدد سے فائرنگ کی جانی تھی۔ جہازوں نے شمال مغرب کی جانب رخ کیا تاکہ تمام گنوں سے بیک وقت فائرنگ کو ممکن بنایا جاسکے۔ چند منٹوں میں انہوں نے 50،50 راؤنڈز فائر کئے اور دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ مل سکا۔

1: شعبہ تاریخ، نیول ہیڈ کوارٹرز، روداد پاکستان بحریہ، 1947 - 1972 نیول ہیڈ کوارٹرز، اسلام آباد، ص 260

پاک بحریہ کے حملے کے نتائج

پاک بحریہ کی مستعدی کے باعث یہ آپریشن کامیابی سے ہمکنار ہوا، نتیجے میں مالی و جانی نقصان کے ساتھ ساتھ بھارت کا کراچی پر حملے کا منصوبہ بھی ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ اس کے علاوہ دوارکا کے رن وے کو بھی مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا، نیز انفراسٹرکچر اور سیمنٹ فیکٹری کو بھی راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا۔ اس جنگ میں ویسے تو پورا پاکستانی بحری بیڑہ بھارتی بحریہ پر ہر لحاظ سے حاوی تھا، بطور خاص ہماری آبدوز غازی اس لحاظ سے منفرد تھی کہ پورے خطے میں اس کا ثانی تک نہ تھا۔

پاکستان بحریہ کے تربیتی ادارے

پاکستان نیول اکیڈمی (PNA) یہ نہ صرف پاکستان بحریہ کے افسران کی ابتدائی تربیت گاہ ہے بلکہ 20 سے زائد دوست ممالک کے اب تک 2000 سے زائد نیول افسران پاکستان نیول اکیڈمی کے تربیت یافتہ ہیں۔ یہ بات ہمارے لئے باعث فخر ہے کہ مشرق وسطیٰ کے کئی بحری سربراہان اسی اکیڈمی کے تربیت یافتہ ہیں۔ موجودہ سعودی شاہی بحریہ کے سربراہ رئیر ایڈمرل فہد الفضیلی، اور بحرین بحریہ کے سربراہ کموڈور محمد یوسف العصام بھی یہیں کے گریجویٹ ہیں۔ نیول اکیڈمی میں زیر تربیت افسران کو پیشہ ورانہ، اخلاقی، تعلیمی، ذہنی اور جسمانی تربیت کے ساتھ ساتھ ملک و ملت سے وفاداری، حب الوطنی، ہمت اور لگن جیسے اعلیٰ ترین نظریات سے مزین کیا جاتا ہے۔

دسمبر 1970 میں، پاکستان نیول اکیڈمی کو منوڑہ آئی لینڈ، کراچی، سندھ میں پی این ایس رہبر کے نام سے کمیشنڈ کیا گیا۔ اس میں پاکستان بحریہ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بحرین، قطر، فلسطین، ترکمانستان، لبنان، ایران، گھانا، اردن، کویت، لیبیا، آذربائیجان، سوڈان، قزاقستان، نائجیریا، عمان، بنگلہ دیش اور یمن کے علاوہ کئی غیر مسلم ممالک کے افسران کی بنیادی تربیت کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔ نیول اکیڈمی ISO 9001, 2000 سے سرٹیفائیڈ ہونے والی مسلح افواج کی پہلی اکیڈمی ہے۔

اکیڈمی سے فارغ التحصیل افسران کو جامعہ کراچی سے بی ایس سی (آنرز) کی ڈگری عطا کی جاتی ہے۔ اکیڈمی میں ہیومینٹیز، پروفیشنل اور انجینئرنگ کے مضامین پڑھائے جاتے ہیں۔

پی این ایس بہادر (PNS BAHADUR) بلاشبہ پاکستان نیوی کا ایک اہم ادارہ ہے۔ اس کا بنیادی کردار آپریشن برانچ اور اس کے متعلقہ شعبوں میں ابتدائی، مڈ کیریئر (ترقی کے امتحانات) اور اعلیٰ درجے کے پیشہ ورانہ کورسز منعقد کرنا ہے۔ پی این ایس بہادر ابتدائی طور پر صرف چار Seaman برانچز کے اسکولز نیوی گیشن اینڈ آپریشنز، سرفیس ویپن، انڈر واٹر ویپن اور کمیونی کیشن پر محیط تھا۔ اس کے بعد درج ذیل School of Navel Operation بھی پی این ایس بہادر میں شامل کئے گئے۔

1. Navigation & Operations School

2. Surface Weapons School
3. Underwater Warfare School
4. PN Communication School
5. PN Hydrography School
6. Electronic Warfare Training Centre (EWTC)
7. PN School of Music
8. Regulating and Provost School
9. Information Warfare School

پی این ایس کارساز (PNS KARSAZ) پاکستان نیوی کے ملاحوں کا اہم تربیتی ادارہ ہے .اس کا بنیادی کردار Technical Branches اوراس کی متعلقہ شاخوں کے بنیادی، مڈ کیریئر اور اعلی درجے کے پیشہ ورانہ کورسز کو منظم کرنا ہے۔

پی این ایس کارساز میں انجینئرنگ برانچ، الیکٹرانک اور الیکٹریکل برانچز،اور سپلائی، سیکریٹریٹ اور مینجمنٹ سے متعلق کورسز منعقد کرائے جاتے ہیں۔ 145ایکٹر رقبے پر پھیلی ہوئی پاکستان نیوی کی یہ یونٹ بیک وقت 3000ملاحوں کو تربیت دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس میں نہ صرف ملکی بلکہ سعودی عرب، عمان، مالدیپ، سری لنکا، بنگلہ دیش اور اردن کے ملاحوں کو مختلف برانچوں میں تربیت دی جاتی ہے۔

پی این ایس قاسم (PNS QASIM) پاکستان میرین فورس کی تربیت کا ادارہ، جزیرہ نما منوڑہ میں واقع ہے۔ اس جگہ کو "باب سندھ" بھی کہتے ہیں۔ دفاعی مقاصد کے تحت یہاں پر مضبوط توپ خانہ بھی ہر وقت مستعد و تیار رہتا ہے۔ یہاں بھی نہ صرف ملکی بلکہ غیر ملکی میرینز کو بھی تربیت دی جاتی ہے۔

پی این ایس اقبال (PNS IQBAL) یہ کمانڈر ایس ایس جی (نیوی) (N) Special Servises Group کا ہیڈ کوارٹر ہے۔ 1965 کی جنگ کے دوران پاکستان میں کمانڈو فورس کے باقاعدہ قیام کی ضرورت محسوس کی گئی جو دشمن کے حملوں کے سدباب کی صلاحیت رکھتی ہو۔ یہ ادارہ درج ذیل فرائض سرانجام دے رہا ہے:

1. Frogman Operations through X-Craft
2. Air borne Operations
3. Commando Operations
4. Salvage Operations

5. Search and Rescue Missions

6. Training of SSG(N)

پی این ایس ہمالیہ (PNS HIMALAYA) منوڑہ آئی لینڈ سے دو کلومیٹر کے فاصلے پر سمندر کے کنارے واقع نیوانٹری سلیرز (رنگروٹس) کی تربیت گاہ ہے، جو منوڑہ آئی لینڈ کے ساتھ متصل ہے۔ اسے 27 نومبر 1943 کو کمیشنڈ کیا گیا۔ ابتدائی طور یہاں گنری سکول اور ڈائیونگ سکول بنائے گئے تھے۔ 1980 سے یہاں پر سیلرز کی ٹریننگ شروع کر دی گئی۔ 1982 میں ڈائیونگ سیکشن کو پاکستان نیوی ڈائیونگ سکول میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس وقت پی این ایس ہمالیہ بوٹ کیمپ ٹریننگ کیلئے مخصوص ہے۔ یہاں پر سارک ممالک کے علاوہ عمان، ایران، سعودی عرب، کے ملاحوں اور غوطہ خوروں کو بھی تربیت دی جاتی ہے۔[1]

ان معروف اداروں کے ساتھ ساتھ پی این ایس راحت، پی این ایس شفااور پی این ایس درماں میں حالت جنگ اور زمانہ امن میں نہ صرف حاضر سروس زخمیوں، مریضوں کا علاج ہوتا ہے بلکہ ان کے والدین اور اہل خانہ کو بھی طبی سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں۔

جناح نیول بیس (Jinnah Naval Base)

اورماڑہ صوبہ بلوچستان میں واقع ہے۔ اس کا نام بانی پاکستان محمد علی جناحؒ کی نسبت سے جناح نیول بیس رکھا گیا ہے۔ یہ پاکستان کا دوسرا بڑا نیول بیس ہے جو 1990 میں کمیشنڈ ہوا۔ بعد ازاں دسمبر 1992 میں ترکش کمپنی STFA اور جان ڈی نیل بیلجیم کے تعاون سے مکمل ہوا۔ تاحال اس کی تعمیر و ترقی جاری ہے۔ 4.5 بلین کی خطیر رقم سے تعمیر ہونے والا یہ نیول بیس بحری جنگی جہازوں اور آبدوزوں کو لنگر اندازی کی سہولیات فراہم کر رہا ہے۔ یہ ادارہ حالت جنگ اور امن، دونوں صورتوں میں پاکستان بحریہ کیلئے دفاعی کمک پہنچانے میں بڑا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

پاکستان بحریہ کے معاون ادارے

پاکستان کوسٹ گارڈ (Pakistan Coast Guard)

1973 میں قائم ہونے والا ادارہ، جسے عرف عام میں پاک ساحلی محافظ فوج یعنی پاکستان کوسٹ گارڈ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ بھی ایک قانون نافذ کرنے والا قومی ادارہ ہے جو وزارتِ داخلہ کے زیر انتظام بڑے فعال انداز میں پاک فوج کی معاونت کر رہا ہے۔ اس کا ہیڈ کوارٹرز کراچی میں واقع ہے۔ اس کی اہم ذمہ داریوں میں بلوچستان اور سندھ میں ساحلوں پر غیر قانونی تجارت اور منشیات کی روک تھام کرنا ہے۔

1: پاکستان نیوی آفیشل ویب سائیٹ۔ Visited on 1-12-2017

پاکستان میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی (Pakistan Maritime Security Agency)

بحری اثاثوں کی حفاظت کا ادارہ، جسے پاکستان میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی کا نام دیا گیا ہے۔ یہ بھی قانون نافذ کرنے والا نیم فوجی ادارہ ہے۔ یہ ایسے چھ (6) اداروں میں سے ایک ہے جو پاکستان کی مسلح افواج کے شانہ بشانہ زمانہ جنگ اور امن میں معاون دستوں کے طور پر کام کرتا ہے۔ پی ایم ایس اے (PMSA) کا قیام 1987 میں عمل میں آیا۔ یہ ادارہ اپنی ذمہ داریوں میں بڑی اہمیت کا حامل ہے جو سمندروں میں فعال رہ کر بحری امور، عسکری ذمہ داریاں اور ہمہ جہت قسم کے معاملات پر نظر رکھتا ہے۔ نیز اس کی ذمہ داریوں کا میدان عمل قومی اور بین الاقوامی ہے۔ یہ ادارہ براہ راست وزارت دفاع کے ماتحت کام کرتا ہے۔ اس کی کمانڈ اور افرادی قوت پاکستان بحریہ مہیا کرتی ہے۔

عالمی اور علاقائی سمندروں پر قیام امن کے لئے پاک بحریہ کا کردار

پاکستان ایک امن پسند ملک ہے اور ہمیشہ سے امن کے قیام کا خواہاں رہا ہے۔ امن کی حکومتی پالیسیوں اور عزم کو اپناتے ہوئے پاک بحریہ علاقائی سمندروں اور بین الاقوامی حدود میں امن کے قیام کے لئے کلیدی کردار ادا کرتی ہے، قیام امن کے لئے مشترکہ آپریشنز کرنے کی صلاحیتوں کو بڑھانے اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کے لئے پاک بحریہ بین الاقوامی سطح کی بحری مشقوں کا انعقاد کرتی ہے جس میں دنیا بھر سے بحری افواج حصہ لیتی ہیں۔ اس کی تازہ مثال فروری 2018 میں پاکستان بحریہ کی 37 ملکوں کے ساتھ ہونے والی امن مشقیں ہیں۔ جن میں برادر اسلامی ممالک کے علاوہ روس نے بھی پہلی مرتبہ شرکت کی ہے۔ ان پانچ روزہ مشقوں میں چین، امریکہ، سعودی عرب اور ایران سمیت 37 ممالک نے شرکت کی۔

مشقوں کے اختتام پر وائس ایڈمرل عارف اللہ حسینی نے کہا کہ بحری امن مشقیں کسی ملک کیخلاف نہیں بلکہ اس کا مقصد ضرورت پڑنے پر ایک دوسرے کی مدد کرنا ہے، انہوں نے کہا کہ بھارت کا رویہ ہمیشہ سے پاکستان کے خلاف جارحانہ رہا ہے لیکن ہماری بحریہ مضبوط اور سمندر پر حاوی ہے۔ اگر بھارت ہماری سمندری حدود میں جارحانہ عزائم لے کر آئیگا تو بچ کر نہیں جاسکتا۔ میری ٹائم سیکیورٹی کو درپیش خطرات جیسا کہ بحری قذاقی، اسلحے، انسانوں اور منشیات کی سمگلنگ وغیرہ نے سیکیورٹی کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے، اس بدلتی ہوئی صورتحال میں میری ٹائم سیکیورٹی چیلنجز بھی کثیر القومی توجہ کا تقاضا کرتے ہیں۔ پاکستان کو اسکے محل وقوع کے باعث کئی میری ٹائم چیلنجز کا سامنا ہے۔ دنیا کے تین اہم خطوں مشرق وسطی، سینٹرل ایشیا اور جنوبی ایشیا کے سنگم پر واقع اور انرجی گلوبل ہائی وے خلیج عمان اور آبنائے ہرمز کی قربت کی وجہ سے پاکستان خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ جبکہ اسکے ساتھ ساتھ پاک چین اقتصادی راہداری اور گوادر بندرگاہ کے آپریشنل ہونے کے بعد شمالی بحیرہ عرب میں سمندری سرگرمیوں کا کئی گنا بڑھنے کا امکان ہے۔ علاقائی میری ٹائم تحفظ کیلئے پاک بحریہ نے اپنے اتحادیوں کے ساتھ روابط کو مضبوط کیا اور بین الاقوامی سطح پر اپنی کاوشوں سے سمندری تجارت کے تحفظ کو

یقینی بھی بنایا ہے اور پاک بحریہ کے جہاز شمالی بحیرہ عرب کے ساتھ ساتھ خلیج عدن کے پانیوں میں بھی عالمی سمندری تجارت کو یقینی بنا رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ان مشقوں کا بنیادی مقصد ایک ایسے پلیٹ فارم کا حصول ہے جو باہمی مفاہمت اور مفادات کو فروغ دینے کے ساتھ ساتھ روایتی اور غیر روایتی خطرات کے خلاف ٹیکنیکس اینڈ پروسیجرز کو تعمیر کرنے میں مدد دے۔ ان مشقوں میں آسٹریلیا، آذربائیجان، بحرین، بنگلہ دیش، برازیل، چین، ڈنمارک، مصر، فرانس، انڈونیشیا، ایران، اٹلی، جاپان، قازقستان، کویت، ملائشیا، مالدیپ، مراکش، میانمار، نائجیریا، شمالی سوڈان، اومان، فلپائن، پولینڈ، قطر، روس، سعودی عرب، جنوبی افریقہ، شمالی کوریا، سری لنکا، تنزانیہ، ترکی، ترکمانستان اور متحدہ عرب امارات کے جہازوں نے حصہ لیا اور یہ ثابت کیا کہ بحر ہند میں امن واستحکام کو قائم رکھنے کیلئے بین الاقوامی برادری پاکستان کے ساتھ ہے۔

عالمی سطح پر فوجی مشقیں ایک معمول ہے' تاہم یہ دشمن ممالک کے مابین نہیں ہوتیں۔ کسی بھی ملک میں اسکے دوست اور تعلق والے ممالک ہی مشقوں میں حصہ لینے کیلئے آتے ہیں۔ بھارت کو کئی ممالک کے ساتھ دوستی پر بڑا فخر اور وہ پاکستان کے بارے میں انکی رائے بدلنے تک کا دعویدار بھی ہے مگر اب عالمی منظر نامہ بدل رہا ہے۔ ہر ملک اپنے مفاد کو اولیت دیتا ہے۔ راہداری کے باعث پاکستان کی اہمیت پہلے سے بھارت کے مقابلے میں بڑھ گئی ہے۔ بھارت نے گزشتہ سال روس کو پاکستان کے ساتھ فوجی مشقوں میں حصہ لینے سے روکنے کی بڑی کوشش کی مگر روس نے بھارت کی بات کو وزن نہیں دیا۔ گزشتہ سال روس نے مشقوں میں حصہ لیا اور اب ایک بار پھر کثیر الملکی مشقوں کا حصہ بنا ہے۔

بھارت پاکستان کیخلاف ہمیشہ سے زہریلا پراپیگنڈا کرتا رہا ہے۔ اس نے حالیہ دنوں میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ پاکستان تنہائی کا شکار ہے۔ اس تاثر کو قوی بنانے کیلئے بھارتی وزیراعظم مودی نے سعودی عرب' امارات اور ایران سمیت دیگر مسلم ممالک کے دورے کئے۔ ان ممالک میں مودی کو ایک مہمان اور بڑے ملک کے وزیراعظم کے طور پر بجا پروٹوکول دیا گیا۔ اس کا یہ مطلب کہاں سے نکلتا ہے کہ پاکستان کے ساتھ ان ممالک کے تعلقات متاثر ہوئے ہیں۔ اگر بھارت کو کوئی ایسا زعم تھا تو 37 ممالک کی پاکستان میں فوجی مشقوں کے انعقاد سے ٹوٹ گیا۔[1]

اس کے علاوہ "امن" کے نام سے منعقد ہونے والی بحری مشق ہر دو سال بعد منعقد کی جاتی ہے۔ 2007ء سے شروع ہونے والی "امن" مشق اب تک چھ بار منعقد ہو چکی ہے۔

عالمی سمندروں میں قیام امن کے لئے کی جانے والی عالمی کوششوں میں بھی پاک بحریہ کافی متحرک نظر آتی ہے بحری قزاقی اور دہشت گردی کی روک تھام کے لئے بننے والی کثیر الملکی ٹاسک فورس میں پاک بحریہ کا کردار عالمی سطح پر سراہا جاتا ہے، پاک بحریہ نے سال 2004 میں کمبائنڈ ٹاسک فورس 150 اور سال 2009 میں کمبائنڈ ٹاسک فورس 151 میں شمولیت اختیار کی۔ بحری قزاقی اور دہشت گردی کے خاتمے کے سلسلے میں کی جانے والی کوششوں کے عالمی

1: روزنامہ نوائے وقت، اشاعت 10/ فروری 2018ء

اعتراف کے طور پر نو مرتبہ کمبائنڈ ٹاسک فورس 151 کی کمانڈ بھی کر چکی ہے، پاک بحریہ خطے کی واحد نان نیٹو اتحادی فورس ہے۔ جس کو یہ منفرد اعزاز حاصل ہوا ہے۔[1]

حال ہی میں یمن میں محصور پاکستانیوں اور غیر ملکیوں کی ایک بڑی تعداد کو بحفاظت نکالنے میں پاکستانی بحریہ نے جو کارنامہ سرانجام دیا اسے نہ صرف ایک قومی فریضے کے طور پر بلکہ انسانیت کی خدمت کے لئے ایک شاندار کارنامہ کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔[2]

---

1 : روزنامہ جنگ کراچی (اگست 2018) کے مطابق امریکا، برطانیہ پر مشتمل کمبائنڈ فورس سے علیحدگی، پاک بحریہ نے آزادانہ سمندری پٹرولنگ شروع کردی اور پاک بحریہ نے خود مختارانہ علاقائی سمندری سکیورٹی پٹرولنگ (Regional Maritime Security Patrol) کا آغاز کر دیا ہے۔ اس مقصد کیلئے گزشتہ 14 سالوں سے پاکستان نیوی کے امریکا برطانیہ آسٹریلیا یورپ وغیرہ کے بحری یونٹوں پر مشتمل کمبائنڈ ٹاسک فورس۔ 151 /150 سے منسلک ہوا کرتے تھے۔ ان کو وہاں سے شفٹ کر کے اپنی آزادانہ خود مختارانہ علاقائی سمندری سکیورٹی پٹرولنگ پر مختص کر دیا ہے۔ میری ٹائم ذرائع کے مطابق بین الاقوامی قانون اور یو این کنونشن لاء آف دی سی پاکستان کو ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ سی پیک اور گوادر پورٹ کی حفاظت پاک بحریہ کھلے سمندر میں کرنے کی صلاحیتوں میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ رپورٹ کے مطابق کمبائنڈ ٹاسک فورس۔ 151 /150 بحری قزاقی اور بین الاقوامی دہشت گردی کی روک تھام کیلئے 14 سال پہلے عالمی سطح پر بنائی گئی تھی، پاک بحریہ بھی اس کے ساتھ منسلک رہی، لیکن اب پاک بحریہ نے آزادانہ اور خود مختارانہ آپریشن کرنے کی صلاحیت حاصل کر لی ہے۔ پاک بحریہ نے حال ہی میں سٹریٹجک شفٹ کیا ہے اس نے پاکستان کی تجارتی جہاز رانی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی جہاز رانی کے تحفظ کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ پاکستان کے ساحل اور وہاں سے کھلے سمندر تک دو لاکھ 90 ہزار مربع کلو میٹر اور اس سے بھی آگے بحری قزاقی انسداد دہشت گردی کیلئے پاک بحریہ تمام ضروری ذمہ داریاں نبھایا کرے گی۔

پاک بحریہ نے اپنے ایریا میں بین الاقوامی جہاز رانی کی حفاظت کی ذمہ داری سنبھالی ہے کہ نہ صرف پاکستانی ساحلوں سے دو سو سمندری میل پر محیط ای ای زیڈ (Exclusive Economic Zone) بلکہ ساڑھے تین سو ناٹیکل میل پر محیط کانٹیننٹل شیلف Continental Shelf کوسٹ لائن Coast Line کی حفاظت کیا کرے گی۔ پاک بحریہ گہرے سمندر Deep Sea تک بحری قزاقوں اور بحری دہشت گردوں کے خلاف بھرپور ایکشن لیا کرے گی تاکہ نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر کے تیل بردار جہاز بلاخوف وخطر گزرتے رہیں۔ اس مقصد کیلئے پاک بحریہ بین الاقوامی پانیوں تک بحری قزاقوں اور دہشت گرد تنظیموں کے خلاف کامیابی سے کارروائی کو یقینی بنائے گی۔ میری ٹائم ذرائع کے مطابق بحیرہ عرب خلیج عدن باب المندب مالدیپ اور سری لنکا کے سمندروں میں بہت سے چوک پوائنٹ Choke Point ہیں وہاں جہاز رانی کیلئے جو تنگ راستے ہیں پاک بحریہ وہاں بھی بحری قزاقی اور دہشت گردی کی وارداتوں کو روکے گی۔ جنوبی بحرہ چین سے یورپ جانے والے سمندری راستوں میں ملاکا سٹریٹس Malaka Straits جو جہاز رانی کیلئے صرف ڈیڑھ دو ناٹیکل میل چوڑی بحری گزرگاہ ہے، اسی طرح بحری جہازوں کی تنگ گزارگاہیں مالدیپ اور سری لنکا کے ایریاز حتیٰ کہ یمن کے پاس باب المندب کی شکل میں موجود ہیں، خلیج عمان اور سٹریٹ آف ہرمز Strait of Hormuz سے ہمارے ایریا میں ہیں پاک بحریہ اپنے ایریاز کی ان تنگ سمندری گزرگاہوں سے پاکستانی تجارتی جہازوں کے ساتھ ساتھ انٹرنیشنل شپنگ کو تحفظ فراہم کیا کرے گی جس کی صلاحیت اب پاک بحریہ کے پاس موجود ہے۔ پاک بحریہ نے پاکستان کے دوست ممالک کے ساتھ ملکر اپنے بحری یونٹ (جنگی جہاز) بحر ہند کے حساس اہم ایریا میں رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔

:2 مجلہ، نیوی نیوز، یمن سے محصورین کا انخلاء اور پاک نیوی کا کردار۔ اپریل 2015۔، شعبہ تعلقات عامہ، نیول ہیڈ کوارٹر، اسلام آباد

پاکستان نیول اکیڈمی میں منعقدہ 109 ویں کمیشننگ پریڈ سے خطاب کرتے ہوئے پاک بحریہ کے سربراہ ایڈمرل ظفر محمود عباسی نے خوشخبری دی کہ پاکستان اور ہمسایہ مسلم ممالک کے باہمی بحری مفادات کے تحفظ اور علاقائی سلامتی اور بین الاقوامی آزادانہ تجارت کے تحفظ کیلئے اقوام متحدہ کے منشور[1] کے عین مطابق پاکستان بحریہ کی زیر نگرانی "ریجنل میری ٹائم سیکیورٹی پٹرول (RMSP)" کا قیام عمل میں لایا جاچکا ہے۔ اس کے ذیلی اہداف میں، غیر قانونی اسلحہ کی تجارت، انسانی سمگلنگ، غیر قانونی تجارت، بحری قذاقی، بحری دہشت گردی، بحری جہازوں کے اغوا، ساحلی دراندازی کو روکنا بھی شامل ہیں۔ اس سلسلے میں پاکستان بحریہ نے پہل کرتے ہوئے اپنا ایک تباہ کن بحری جہاز اس مشن پر روانہ کر دیا ہے۔[2]

ان اقدامات سے پاک بحریہ نے خطے میں محفوظ بحری ماحول کو یقینی بنانے کے علاوہ عالمی برادری میں پاکستان کے تشخص کو اجاگر کرنے اور مسلم امہ کی ایک بروقت اور فوری ضرورت کو پورا کرنے اور اسے شاہراہ ترقی پر گامزن کرنے کیلئے ایک اہم قدم اٹھایا ہے۔

پاکستان بحریہ آج ایک چہار جہتی (Four Dimensional) فورس ہے اور اپنے سامان حرب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے بہت سارے اقدامات کیے جارہے ہیں حالیہ تقاضوں کے پیش نظر ہر میدان میں نئی جہتیں تلاش کی جارہی ہیں خود کفالت کا حصول پاک بحریہ کو آنے والے وقت میں منفرد مقام دلانے میں مدو معاون ثابت ہوگا۔

پاک چین اقتصادی راہداری منصوبہ

پاکستان اور چین نظریاتی طور پر دو مختلف ملک ہیں لیکن ان کی دوستی لازوال اور بے مثال ہے۔ سات دہائیوں پر محیط اس کی جڑیں گہری اور مضبوط ہیں۔ دکھ سکھ کے ساتھی اور ہر وقت محبت کا دم بھرنے والے ملک سے متعلق ہر خاص وعام کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے ہیں کہ "پاک چین دوستی سمندر سے گہری، ہمالیہ سے اونچی اور شہد سے میٹھی ہے"۔ یہی وجہ ہے کہ چینی پاکستانیوں کے بارے میں پاتھیے، پاتھیے کہتے ہیں۔ جس کا مطلب لوہے جیسا مضبوط یا سٹیل سے بھی زیادہ مضبوط دوست ملک، جس کے ساتھ سیاسی، معاشی اور ثقافتی رشتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اس سلسلے کی اہم کڑی پاک چین اقتصادی راہداری منصوبہ بھی ہے۔

پاک چین اقتصادی راہداری کا منصوبہ بڑی اہمیت وافادیت کا حامل ہے۔ یہ راہداری جہاں سے بھی گزرے گی وہاں مختلف سہولیات مہیا ہوتی جائیں گی۔ مثلاً صنعتی زونز کا قیام، شاہراتی نیٹ ورک اور بنیادی ڈھانچے کی ترقی جیسی

---

1 : بحری قوانین (Law of Sea) سیکشن 2 اور 3، (Convention on the Law of the Sea 1982) طباعت UNO

2 : (الف) اے پی پی، 7 جولائی 2018، (ب) ٹائمز آف اسلام آباد۔ 7 جولائی 2018ء

سہولیات وغیرہ۔ اقتصادی راہداری دونوں ملکوں کے درمیان اہم شعبوں میں اربوں ڈالر مالیت پر مبنی اقدامات اور منصوبوں کا جامع پیکج ہے جس میں اطلاعات نیٹ ورک، بنیادی ڈھانچہ، توانائی، صنعتیں، زراعت، سیاحت اور متعدد دوسرے شعبے شامل ہیں۔

یہ محض ایک شاہراہ ہی نہیں بلکہ ہمہ جہت منصوبہ ہے۔ دنیا بھر کی نظریں چین کی پاکستان میں سرمایہ کاری پر لگی ہوئی ہیں۔ ایسے حالات میں بلاجواز تحفظات اور اختلافات کو ہوا دینا حب الوطنی کے منافی ہے۔ اس منصوبہ سے نہ صرف خیبر پختونخوا، بلوچستان بلکہ پورے ملک میں توانائی کی ضروریات پوری کرنے میں مدد ملے گی اور پورا ملک خوشحالی و ترقی کی جانب گامزن ہوگا۔

پاک چین اقتصادی راہداری کے تحت اہم منصوبوں میں گوادر پورٹ[1] کی اپ گریڈیشن، گوادر پورٹ ایکسپریس وے، گوادر انٹرنیشل ایئرپورٹ اور لاہور، کراچی اور سکھر موٹرویز شامل ہیں تاکہ اس کی تکمیل سے ملک کی اقتصادی اور معاشی ترقی اور خوشحالی کے اہداف میں مدد حاصل کی جاسکے۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری معاشی ترقی کی ایک پٹی ہے جسے چین اور پاکستان پائیدار ترقی کو یقینی بنانے کیلئے سائنسی منصوبہ بندی کے مطابق تعمیر کرینگے۔

پاک چین اقتصادی راہداری اور پاک بحریہ

پاک چین اقتصادی راہداری کی تکمیل اور گوادر بندرگاہ کے مکمل فعال ہونے کے بعد سمندر اور خطے میں تجارتی نقل وحمل میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا بحری تجارتی راستوں میں آزادانہ نقل و حمل کو یقینی بنانے اور قیام امن کی ذمہ داریاں پاک بحریہ سرانجام دے رہی ہے۔ بحیرۂ عرب میں پاک بحریہ کے جہازوں کی مسلسل نگرانی اور گشت سے بحری امن کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ گوادر کی بندرگاہ کی سیکیورٹی کے لئے بھی پاک بحریہ گوادر میں موجود ہے جو پاکستان میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی، پاکستان کوسٹ گارڈ اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کے ساتھ مل کر تسلسل سے گوادر بندرگاہ کی سیکیورٹی کی مشقوں کا انعقاد کرتی ہے، (ان اداروں کا مختصر تعارف گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے) ان مشقوں کے دوران مختلف اداروں کے درمیان تیز ترین باہمی رابطوں، مشترکہ آپریشنز اور پیشہ ورانہ مہارتوں کے تبادلے پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔[2]

---

1 : گوادر پاکستان کے انتہائی جنوب مغرب میں اور دنیا کے سب سے بڑے بحری تجارتی راستے پر واقع صوبہ بلوچستان کا شہر جو اپنے شاندار محل وقوع اور زیر تعمیر جدید ترین بندرگاہ کے باعث عالمی سطح پر معروف ہے۔ (نام گوادر اصل بلوچی زبان کے دو الفاظ سے بنا ہے گوات یعنی "کھلی ہوا" اور در کا مطلب" دروازہ" ہے۔ یعنی (ہوا کا دروازہ) گواتدر سے بگڑ کر گوادر بن گیا ہے)۔

2 : ماہنامہ نیوی نیوز، شمارہ ماہ ستمبر 2016، شعبہ تعلقات عامہ، نیول ہیڈکوارٹرز، اسلام آباد

ترکی بحریہ: (Turkish Naval Force)

خوبصورت اور سر سبز وادیوں پر مشتمل 7200 کلو میٹر کے ساحل کے ساتھ ایشیاء اور یورپ کے سنگم میں واقع ہے۔ اس کا 95 فیصد رقبہ ایشیاء اور 5 فیصد یورپ میں ہے۔ ترک قوم کا ذکر سب سے پہلے چھٹی صدی عیسوی میں ایک خانہ بدوش کی حیثیت سے آتا ہے۔ اس قوم نے چھٹی صدی عیسوی میں منگولیا اور چین کے شمالی سرحد سے بحیرہ اسود تک ایک بدوی سلطنت قائم کی اس کا بانی یاتومن تھا، اس کے بھائی اسیتمی نے مغرب میں فتوحات حاصل کیں۔ ان دونوں سلطنتوں کو شمالی ترکی اور مغربی ترکی کی سلطنتوں میں اس خاندان کے زیر اثر بُعد پیدا ہو گیا۔ 630 عیسوی میں شمالی ترک سلطنت اور 659 میں مغربی ترک سلطنت کو ایک بار پھر آزادی نصیب ہوگئی اور ترکوں نے اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر لیا۔

جزیرہ نما بلقان اور بحیرہ اسود کے شمالی ساحل سے لے کر چینی سرحد تک تمام ممالک سولہویں صدی کے نصف اول میں مسلم ترکوں کے زیر اثر تھے۔ سترہویں صدی میں روس نے یہ تجویز بنائی تھی کہ شمالی ایشیا کے سب ممالک روس اور چین کے درمیان تقسیم ہونے چاہیں، چنانچہ ترکی نے ایک زبان کی حیثیت سے روسی حکومت کے تحت نئی ترقی کی۔

گیارہویں صدی کے آخر میں ترک بحریہ کا خاتمہ ہو گیا۔ بعد ازاں مصطفیٰ کمال اتاترک کی قیادت میں 1920 سے 1949 کے درمیانی عرصہ میں خوب ترقی کی۔

جنگ آزادی کے بعد ترکی بحریہ ایک مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر قائم موجودہ دور میں مسلم ممالک کی ایک مضبوط بحریہ سمجھی جاتی ہے۔ ترکی نیول وار فیئر سروس برانچ ترکش آرمڈ فورسز کا حصہ جانی جاتی ہے۔ جس میں 50000 عددی قوت کے علاوہ مختلف اسپیشل فورسز اور کمانڈوز اور 112 جنگی جہاز شامل ہیں اور اس میں 50 کے قریب نیول ہوائی جہازوں کی موجودگی اس بات کی غماز ہے کہ دشمن کی جارحیت کا منہ توڑ جواب دینے کی طاقت وصلاحیت رکھتی ہے۔ الغرض ترکی بحریہ اسلامی ممالک کی بحریہ میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔[1]

پاکستان اور ترکی میں 4 بحری جہازوں کی تیاری کا معاہدہ

پاک بحریہ نے حال ہی میں ترکی کی اسفات اے ایس کمپنی سے 4 ملجم کلاس بحری جنگی جہازوں کی تیاری کا معاہدہ کیا ہے۔ اسفات اے ایس ملٹری فیکٹری اور جہاز ساز کمپنی ہے جو ترک وزارتِ قومی دفاع کے ماتحت ہے۔ معاہدے پر دستخط کرنے کی تقریب وزارتِ دفاعی پیداوار پاکستان میں ہوئی۔ معاہدے کے تحت ملجم کلاس جہاز سازی کی ٹیکنالوجی کے ساتھ تیار ہونے والے جہازوں کے ڈیزائن کے ملکیتی حقوق بھی پاکستان کو منتقل ہوں گے۔ پہلا اور دوسرا جہاز استنبول نیول شپ یارڈ جبکہ باقی 2 جہاز کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس میں تیار کئے جائیں گے۔

1: https://turkishnavy.net(Visited 22-5-2016)

معاہدے کا قابلِ ذکر پہلو یہ ہے کہ چوتھے جہاز کا ڈیزائن مشترکہ طور پر پاکستان میری ٹائم ٹیکنالوجیز کمپلیکس تیار کرے گا جو "مقامی سطح پر تیار ہونے والا بحری جنگی جہاز کا پہلا ڈیزائن ہو گا" جسے پاکستان میں تیار کیا جائے گا۔ کراچی شپ یارڈ اینڈ انجینئرنگ ورکس میں تیسرے اور چوتھے جہاز کی تیاری سے نہ صرف صنعتی پیداوار کے شعبے میں اعتماد سازی اور جہاز سازی کی استعداد میں اضافہ ہو گا بلکہ ملازمتوں کے نئے مواقع اور کراچی شپ یارڈ کے ہنر مند افراد کی صلاحیتوں میں نکھار سے قومی معیشت بھی مضبوط ہو گی۔ جہازوں کی شمولیت سے پاک بحریہ کی حربی صلاحیتوں میں نمایاں اضافہ ہو گا خطے میں پاک بحریہ کے میری ٹائم سکیورٹی آپریشنز میں مزید وسعت آئے گی۔ ملجم کلاس جہاز عصر حاضر کے جدید جنگی جہازوں کے ہم پلہ ہیں۔ یہ جہاز جدید اسٹیلتھ ٹیکنالوجی، پانچویں جنریشن کے جدید ہتھیاروں اور سنسرز سے لیس ہوں گے۔ ان جہازوں میں مقامی سطح پر تیار ہونے والا میزائل سسٹم بھی نصب کیا جائے گا۔ یہ جہاز بحری جنگ میں مختلف النوع آپریشنز انجام دینے کی صلاحیت سے رکھتے ہیں۔[1]

ملائیشین شاہی بحریہ: (Royal Malaysian Navy)

ملائی (ملایا) قوم کی مناسبت سے ملک کا نام ملائیشیا رکھا گیا ہے۔ مملکت ملائیشیا دو حصوں (مغربی اور مشرقی ملائیشیا) میں بٹی ہوئی ہے۔ جس کا ساحلی علاقہ 4675 کلو میٹر پر مشتمل ہے۔ موجودہ سنگاپور بھی ملائیشیا کا ایک حصہ شمار ہوتا تھا۔ بحری لحاظ سے ملائیشیا، انڈونیشیا اور سنگاپور کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ جاتی ہے کہ دنیا بھر کی بحری آمد ورفت بڑی کثرت کے ساتھ رودبار / آبنائے ملاکا(Strait of Malacca) سے ہوتی ہوئی مشرق بعید اور باقی دنیا سے ملاتی ہے۔ ملائیشین شاہی بحریہ کا باقاعدہ آغاز 1934 میں ہوا، 1939 کی جنگ عظیم دوئم میں اس کو تقویت ملی۔ 1947 میں اقتصادی وجوہات کی بدولت اس پر عارضی پابندیاں بھی لگیں، مگر 1957 میں ملائیشیا کی برطانوی سامراج سے علیحدگی کے بعد ملائیشین نیوی ایک آزاد بحریہ کے طور پر جانی جانے لگی۔

خاکنائے ملائیشیا(Continental Malysia) کے مقامات میں سے لمٹ(Lumut) جس میں ہیڈ کوارٹر، بحری کارخانے، تربیتی مراکز، بحری ہوابازی کے مراکز اور پنانگ(Penang) کی بندرگاہ اہم مقامات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مشرقی ملائیشیا میں لابون (Labuan)، سنگائی(Sungai)، آنتو سندکان(Antu Sandakan)، سٹیسن لیما (Stesen Lima)، لاینگ(Layang) شامل ہیں۔

ملائیشین نیوی کے اہم مقاصد میں ملائیشیا کے سمندری مفادات میں درج ذیل امور شامل ہیں:

1. سمندری حدود کا تحفظ
2. سمندری خود مختاری / حاکمیت کا قیام

1: روزنامہ پاکستان، اشاعت 6 جولائی 2018ء

3. زمانہ جنگ میں مقابل افواج کی سپلائی لائن منقطع کرنا

4. بحری گزر گاہوں کی نگرانی / دیکھ بھال

5. سمندری حدود میں جہاز رانی اور معدنیات کی ترسیل اور اس کا دفاع

6. بحری خطرات سے آگاہی اور ان خطرات کا سدباب

7. زمانہ امن میں بحری دستوں کی تربیت اور غیر ساحلی تنصیبات و وسائل کے ساتھ مکمل روابط

8. بحری مقیاس، بحری قزاقی کے خلاف عملی تعاون

9. EEZ کا دفاع

10. تلاش اور بچاؤ کی کاروائیوں میں معاونت

11. قدرتی آفات میں امداد و بحالی

12. بری اور فضائی افواج کے ساتھ تعاون اور دیگر قومی امور میں Aid to Civil Power کے ذریعے بھرپور شمولیت۔[1]

انڈونیشین بحریہ: (Indonesian Navy)

انڈونیشیا ایک آزاد اور سیکولر ملک ہے۔ یہ انڈین اوشین (بحر ہند) کی نسبت سے انڈونیشیا کہلاتا ہے۔ اس کا قدیم نام جزائر شرق الہند یا ایسٹ انڈیز ہے۔ آبادی کے لحاظ سے دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک جو ہزاروں جزیروں پر مشتمل ہے۔ انڈونیشیا، جس کا سب سے بڑا شہر اور دارالحکومت جکارتہ ہے۔ انڈونیشیا 13677 جزیروں پر مشتمل "مجمع الجزائر" (East Indies) ہے۔ اس کے ساحلوں کی لمبائی 54716 کلو میٹر ہے۔ ملک بھر میں جہاز سازی، پارچہ بافی، ربڑ، ٹائر، ٹیوب، سیمنٹ، کاغذ، دیا سلائی، شیشے اور بجلی کے سامان تیار کرنے کے کارخانے قائم ہیں، جن سے ملک کی دس فیصد آمدنی حاصل ہوتی ہے، ملک بھر میں ریلوں، سڑکوں، بحری اور ہوائی راستوں کا جال بچھا ہوا ہے بحری بیڑہ (بشمول تجارتی و جنگی) تین سو جہازوں پر مشتمل ہے، جو جکارتہ سے بین الاقوامی بندر گاہوں کے علاوہ اندرون ملک بین الجزائر بھی چلتے ہیں۔

انڈونیشین بحریہ کی ابتدا 1945 میں ہوئی، جو جنوبی مشرقی ایشیا کی ایک بڑی بحریہ کی حیثیت سے 74،963 کی عددی قوت کے ساتھ سمندری خطرات سے دفاع کے لئے فرائض انجام دے رہی ہے۔ انڈونیشین بحری قوت جنوب مشرقی ایشیا کی اُن چند بحری قوتوں میں سے ایک ہے جو سپر سانک میزائل اور اٹیک سب میرین کے ساتھ 150 جہازوں،

1: ملائیشین نیوی آفیشل ویب سائیٹ (http://www.navy.mil.my/) جسے مورخہ 10 دسمبر 2016 کو وزٹ کیا گیا۔

آبدوزوں اور کشتیوں پر مشتمل ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ ان میں سات جدید 248 ٹن وزنی پی سی 40 اور کے سی آر 40 میزائل اٹیک کرافٹ بھی شامل ہیں۔[1]

البانوی بحریہ: (Albanian Navy)

البانیہ کی تاریخ کافی پرانی ہے۔ البانیہ ایک آزاد اور خود مختار جمہوریہ ہے۔ جزیہ نما بلقان میں ایک ہزار سال قبل مسیح میں البیرین قوم آباد تھی۔ یہ لوگ ایڈریاٹک کے ساحلوں پر آباد تھے۔ البانیہ پر رومن ایمپائر اور عثمانی ترکوں کا کافی اثر رہا ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں یوگوسلاویہ، جنوب مشرق میں یونان جنوب میں بحیرہ روم اور مغرب میں آبنائے اوٹرنٹینو کے پار اٹلی واقع ہے اس کا صدر مقام تیرانہ ہے۔

البانوی نیول فورس، البانوی ملٹری فورس کی ایک برانچ ہے۔ 1910 میں اس کا نام البانوی نیول ڈیفنس فورس سے تبدیل کیا گیا تھا البانوی نیول ہیڈ کوارٹرز دڑیر DURRES میں واقع ہے۔

البانوی نیول بریگیڈ کے زیادہ تر جہاز پٹرول، کرافٹ اور سپورٹ کرافٹ ہیں جو کہ اٹلی اور یونائیٹڈ اسٹیٹ کے عطیہ کردہ ہیں۔ البانوی بحریہ عمومی طور پر ایک قوت، اور مشن کے طور پر کام کرتی ہے یورپی یونین اور نیٹو کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کے لئے قانونی فریم ورک کو اپ ڈیٹ کیا گیا ہے۔

البانوی حکومت نے روس اور چین کی پرانی کشتیاں سروس سے ریٹائر کر دی ہیں۔ صرف ایک روسی مائن سویپر اس وقت تک موجود ہے جب تک نیدر لینڈ سے چار بڑے ڈیمن سٹین کائپ نہیں پہنچ جاتے۔ اور موجودہ نیول اکیڈمی کو جدید بنانے اور مرمت کی سہولتوں کو بہتر کرنے کے لئے ترکی اور یونان مدد دے رہے ہیں نیوی لائٹ ہاؤس سمیت نیوی گیشن کو مدد فراہم کرنے کی ذمہ داری بھی ہے۔ 1966 تک البانیہ کے پاس 145 جہاز تھے ان میں سے 45 چھوٹی کشتیاں اور کچھ شنگھائی کوسٹل پیٹرول کرافٹ تھے۔ موجودہ دور میں البانیہ کی بحریہ ایک مضبوط بحریہ کے طور پر ابھر رہی ہے اور مستقبل میں بہتری کی طرف گامزن ہونے کی امید ہے۔[2]

بنگلہ دیشی بحریہ: (Bangladesh Navy)

عوامی جمہوریہ بنگلہ دیش (بنگالیوں کا وطن) 581 کلو میٹر کے سواحل کے ساتھ ساتھ گھنے جنگلات اور سنہری ریشے (پٹ سن) کی سرزمین بھی کہلاتا ہے۔ یہ 16 دسمبر 1971 کو بھارتی جارحیت کی وجہ سے پاکستان سے کٹ کر ایک

1: ماہنامہ ہلال، شمارہ ماہ دسمبر 2016 شعبہ تعلقات عامہ جنرل ہیڈ کوارٹرز، راولپنڈی

2: ویب سائیٹ برائے البانیہ نیوی (https://www.worldwarships.com/country/albania) مذکورہ صفحہ مورخہ 10 دسمبر 2016 کو وزٹ کیا گیا۔

آزاد ریاست کی حیثیت سے وجود میں آیا۔ یہ ریاست مشرقی بنگال اور ضلع سلہٹ پر مشتمل ہے اس کے شمال مشرق اور مغرب میں بھارت، جنوب مشرق میں برما اور جنوب میں خلیج بنگال ہے۔

ملک کا زیادہ تر حصہ آبی راستوں پر مشتمل ہے دریائے برہم پتر، دریائے پدما اور دریائے میگھنا میں جہاز رانی ہوتی ہے دوسرے چھوٹے چھوٹے دریاؤں میں کشتیاں چلتی ہیں کہیں کہیں پختہ سڑکیں اور ریلوے لائنیں بھی بچھائی گئی ہیں۔

بنگلہ دیش کی بحریہ ملک کی آرمڈ فورسز کی نیول جنگی برانچ ہے، جو اپنے علاقائی سمندروں کی حفاظت، معاشی مفاد بشمول تیل گیس اور معدنی ذخائر کی حفاظت کے لئے خلیج بنگال میں اپنی نیوی کو جدید خطوط پر استوار کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ 2011 میں بنگلہ دیش بحریہ نے دو ہیلی کاپٹروں کی شمولیت سے اپنی نیول ایوی ایشن کا باقاعدہ آغاز کیا۔ بنگلہ دیش بحریہ اپنی ہمہ جہتی قوت کے طور پر ابھر کر سامنے آرہی ہے، اور آبدوزوں کی خریداری کا پروگرام بھی رکھتی ہے۔[1]

شاہی برونائی بحریہ: (Royal Brunei Navy)

بورنیو اور فلپائن کے درمیان موجود ایک اسلامی سلطنت، یہ سنگاپور سے کوئی ساڑھے سات میل کے فاصلے پر واقع ہے آبادی تین لاکھ کے قریب ہے دارالحکومت کا نام برونئی ہے۔ جو دریائے برونئی کے دہانے سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ یکم جنوری 1984 کو برونئی کی سلطنت نے 95 سالہ برطانوی سامراج سے آزادی حاصل کی اور ایک آزاد اسلامی مملکت کی حیثیت سے جشن آزادی منایا۔ برونئی کی آب وہوا منطقہ حارہ سے تعلق رکھتی ہے یہ ملک تیل کی دولت سے مالا مال ہونے کی وجہ سے جنوب مشرقی ایشیا میں معیار زندگی کے اعتبار سے سب سے رئیس ملک ہے اندرونی علاقے میں زیادہ تر جنگلات ہیں زیادہ تر تجارت برطانیہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

شاہی برونائی نیوی برونائی دار السلام کی بحری قوت ہے جو ایک چھوٹی لیکن قدرے بہتر مسلح فورس ہے جس کے فرائض میں تلاش، بچاؤ اور امدادی کاموں کے علاوہ برونائی کے گرم پانیوں کی حفاظت وغیرہ شامل ہے۔ اس فورس (نیوی) کا قیام شاہی برونائی آرمڈ فورسز کے بعد دوسرے یونٹ کی حیثیت سے عمل میں لایا گیا۔ رائل برونائی نیوی کا قیام 14 جون 1965 کو رائل برونائی آرمڈ فورسز کے قیام کے بعد عمل میں لایا گیا شروع میں برونائی آرمڈ فورسز کا بوٹ سیکشن کہلاتا تھا عملے کی تعداد 18 تھی جس میں ایک آفیسر تھا بیڑے میں کچھ ایلومینیم کی کشتیاں شامل تھیں اس کے فرائض میں انفنٹری بٹالین کو اندرون ملک پہنچانا تھا ملکی ترقی کے ساتھ بوٹ سیکشن 1966 میں بوٹ کمپنی بن گئی۔ ابتداً ایک بوٹ سیکشن اور نہایت قلیل عملے کے ساتھ شروع ہونے والی بحریہ ایک بوٹ کمپنی میں تبدیل ہوگئی اور اب بہتر جہاز سازی کی طرف گامزن ہے۔ اس کے ساحلوں کی لمبائی 161 کلومیٹر ہے۔[2]

1: آفیشل ویب پیج (https://www.navy.mil.bd/index.php) وزٹ کرنے کی تاریخ: 2016-12-12

2: https://en.wikipedia.org/wiki/Royal_Brunei_Navy وزٹ کرنے کی تاریخ: 5 جنوری 2017

مصری بحریہ: (Egyptian Navy)

مصر کے لفظی معنی شہر کے ہیں۔ افریقہ کے شمال مشرقی گوشے میں ایک بڑا اسلامی، صحرائی ملک ہے۔ جس کے شمال میں بحیرہ روم پھیلا ہوا ہے جبکہ مغرب میں لیبیا، جنوب میں سوڈان، مشرق میں بحیرہ قلزم اور اسرائیل مصر کی سرحد بناتے ہیں، مصر کا رقبہ دس لاکھ ایک ہزار 450 مربع کلو میٹر ہے آبادی 6 کروڑ 75 لاکھ ہے مسلمانوں کی تعداد 94 فیصد ہے۔

مصری بحریہ مسلح افواج کی سمندری شاخ کی حیثیت سے دنیا کی ساتویں بڑی بحریہ کا درجہ رکھتی ہے اور مشرق وسطیٰ اور افریقہ میں سب سے بڑی بحریہ کے طور پر مانی جاتی ہے تقریباً دوہزار کلو میٹر کی کوسٹل لائن کے ساتھ نہر سویز میں جہاز رانی کے دفاع پر مامور رہتی ہے موجودہ مصری بحریہ سویت یونین اور چین کے تعاون سے بحری دفاعی و عسکری قوت میں اضافہ کے ساتھ اسرائیل تنازعہ میں سرگرم عمل بھی رہتی ہے۔ مصری میزائل بوٹ نے اسرائیل کا ایک جہاز بھی غرق آب کیا۔[1]

عراقی بحریہ: (Iraqi Navy)

عراق، جس کے معنی ہیں "دو دریاؤں کی درمیانی جگہ"۔ یہ دریائے دجلہ اور فرات کے درمیان واقع ہے۔ اس کا دار الحکومت بغداد ہے کل رقبہ 171600، مربع میل آبادی 2 کروڑ پچیس لاکھ ہے۔ اس کے جنوب میں کویت اور سعودی عرب مغرب میں اردن اور شام، شمال میں ترکی اور مشرق میں ایران ہے اس کے جنوب میں صحرائے شام ہے بحری آمدورفت خلیج فارس سے ہوتی ہے ملک کی اقتصادیت کا انحصار تیل اور زراعت پر ہے۔

عراقی بحریہ 1937 میں معرض وجود میں آنے والی عراقی ملٹری کا حصہ ہونے کی حیثیت سے نہایت مختصر عددی قوت کی حامل بحریہ ہے۔ بنیادی طور پر عراقی بحریہ ملک میں سمگلنگ کی روک تھام، معدنی تیل کے ذخائر اور بحری سرحدوں کی حفاظت جیسے اہم قومی فرائض پر مامور و متعین رہتی ہے۔ وہ پانچ فلوٹ اسکواڈرن اور دو میرین بٹالین نیز پانچ سو ملاحوں کی حامل بحریہ عراقی کوسٹل لائن اور آف شور اساسوں کی حفاظت جیسے فرائض انجام دے رہی ہے ایران عراق جنگ کے بعد برطانیہ اور امریکہ اس کی تعمیر نو میں معاونت کر رہے ہیں۔[2]

ایرانی بحریہ: (Islamic Republic of Iran Navy)

ایران کے لغوی معنی "آریالوگوں کی سرزمین" ہے۔ یہ مغربی ایشیا کا ایک اسلامی ملک جو 1935 تک

1: آفیشل ویب سائیٹ (http://www.mod.gov.eg/ModWebSite/CONL.aspx) وزٹ کرنے کی تاریخ: 7-1-2017

2: آفیشل ویب پیج: (http://www.usf-iraq.com/) وزٹ کرنے کی تاریخ: 7-1-2017

فارس کہلاتا تھا 25 اکتوبر 1935 کو حکومت تہران نے فیصلہ کیا کہ اس مملکت کا سرکاری نام ایران ہو گا اس کے شمال میں روس اور بحیرہ کیسپین، مشرق میں افغانستان اور پاکستان، جنوب میں خلیج فارس اور مغرب میں عراق اور ترکی واقع ہیں۔

1979 کے ایرانی انقلاب کے بعد ایرانی بحریہ کا نام اسلامی جمہوریہ ایران نیوی رکھا گیا ایرانی بحریہ ایرانی فوج کی ایک برانچ شمار ہوتی ہے، جس کا بنیادی مقصد و مشن خلیج فارس اور خلیج عمان میں بحری قذاقوں کا خاتمہ تھا ایران بحریہ کی تاریخ پانچ سو قبل مسیح ہے ایران اور عراق کی جنگ میں امریکی بحری بیڑے کے آنے کے بعد ایرانی بحریہ نے اپنے آپ کو مزید ہتھیاروں سے لیس کیا جو سودیت یونین، چائنا اور شمالی کوریا سے منگوائے گئے تھے ایران کے پاس اسلحہ ساز فیکٹریاں ہیں جن سے ایرانی بحریہ کو بھی ہر قسم کے آلات اور اسلحہ مہیا کیا جاتا ہے۔[1]

اس وقت ایرانی بحریہ نہ صرف اپنی سمندری حدود کی حفاظت کے میدان میں مضبوط پوزیشن کی حامل ہے بلکہ وہ بین الاقوامی سمندروں میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہے اور ایرانی بحری فوج کی مضبوط موجودگی سمندروں میں دہشتگردی کے خلاف جدوجہد کے سلسلے میں قابل اعتماد بحریہ کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہے۔

ایرانی بحریہ حالیہ برسوں میں باب المندب، نہر سوئیز، میڈیٹیرین سی، ہندوستان و پاکستان، سری لنکا، انڈونیشیا چین اور جنوبی افریقہ کے ساحلوں اور بندرگاہوں سمیت آزاد سمندروں میں اپنے پچاس سے زیادہ سکواڈرن (Squadron) روانہ کر چکی ہے۔ ایرانی بحریہ آج یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ خلیج فارس سے لے کر بحیرہ عمان اور بحر ہند تک اور بین الاقوامی سمندروں میں جہاں بھی سیکورٹی کی ضرورت ہو پوری طرح موجود رہے۔ ایرانی بحریہ نے اس مقصد کے لئے اسٹریٹیجک فوج کی سطح پر اپنا کردار بڑھایا ہے اور اپنی پوزیشن مضبوط بنائی ہے۔

اسلامک ری پبلک آف ایران نیوی، پاکستان کے ساتھ کئی معاہدوں میں منسلک ہے۔ اس کے بحری افسران، پاکستان نیول اکیڈمی، پی این ایس بہادر، پی این کارساز، پی این ایس قاسم، پی این ایس اقبال اور پی این ایس ہمالیہ سے تربیت یافتہ ہیں۔ اور دونوں ممالک کے جنگی بحری جہاز مشترکہ بحری جنگی مشقوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں پاک ایران باہمی تعاون کی فضا پروان چڑھی ہے۔

عمانی شاہی بحریہ (Royal Navy of Oman)

سلطنت عمان کی بحری حدود شمالی بحیرہ عرب اور خلیج العرب / فارس میں واقع ہیں۔ عمانی بحریہ کی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہے کہ شط العرب کے کنارے اس کو آ لگتے ہیں۔ جہاں سے اقوام عالم کے بحری جنگی اور تجارتی جہاز گذرتے ہیں۔ تاحال عمانی بحریہ میں معدودے چند فاسٹ اٹیک کرافٹ (FAC) کے علاوہ چند دوسرے چھوٹے پلیٹ فارم بھی ہیں

1: روزنامہ ہلال، شعبہ تعلقات عامہ، جنرل ہیڈ کوارٹرز، راولپنڈی۔ شمارہ اکتوبر 2013ء

۔ ان چھوٹے جہازوں سے مون سون کے موسم میں جنوب کے صوبے ظفار میں آپریشن کرنا انتہائی مہم جوئی بن جاتی ہے۔ اس لئے بحیرہ عرب سے کسی بھی خطرہ سے نمٹنے کے لئے عمانی بحریہ میں توسیع کی ضرورت ہے۔

تاریخی طور پر عمانی بحریہ برطانوی شاہی بحریہ سے حاصل کیے ہوئے چھوٹے بحری جہازوں کی مرہون منت ہے حتیٰ کہ تربیت کے لئے افسروں کی خدمات بھی وہیں سے حاصل کی جاتی ہیں۔ پاکستان بحریہ سے بھی چند افسر عمان کی شاہی بحریہ کی معاونت کرتے ہیں۔ عمان کی شاہی بحریہ، امریکہ، فرانس، برطانیہ، انڈیا اور پاکستان سے بحری مشقیں کرتی ہیں۔ عمان عربیین گلف کوآپریشن کونسل (AGCC) کا متحرک رکن بھی ہے۔ یاد ماضی میں بھی ملتا ہے کہ عمان اور ساحل مکران کی بندرگاہوں، گوادر اور پسنی میں بیش بہا آمدورفت تھی۔

عمانی بحریہ 4400 افراد بشمول افسران پر مشتمل ہے۔ کل سترہ جہاز جن میں سے چار میزائل بردار اور نو پیٹرول کرافٹ بھی شامل ہیں۔[1]

بحرینی شاہی بحریہ: (Bahrain Navy)

خلیج فارس کی ایک ریاست جو جزیرہ نمائے قطر اور سعودی عرب کے درمیان ایک مجموعہ الجزائر پر مشتمل ہے، اس کا کل رقبہ 240 مربع میل ہے، آبادی چھ لاکھ کے قریب اور دارالحکومت منامہ ہے۔

1948 کے بعد زمین سے تیل نکالنے کی صنعت نے بہت ترقی کی ہے، ماہی گیری بھی یہاں کے لوگوں کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے، یہاں کی چھوٹی صنعتوں میں کشتی سازی، کشتیوں کی مرمت، بادبان سازی اور جال بننا ہے۔ تجارت کو فروغ دینے کے لئے 1957 میں ایک آزاد بندرگاہ کھولی گئی۔ الحرق میں ایک ہوائی اڈہ ہے جہاں بین الاقوامی ہوائی کمپنیوں کے جہاز مقررہ وقت پر اترتے ہیں۔ 1958 میں شیخ سلیمان نے سعودی عرب سے ایک دوستانہ معاہدے کے تحت دونوں ملکوں کے درمیان سمندری حد متعین کر دی تھی۔ بحرین امریکا کے پانچویں بحری بیڑے کا مستقر ہے حکومت کا نظام ونسق مختلف عہدے دار مجلس مشاورت کی مدد سے چلاتے ہیں ملک میں وزارتی نظام رائج ہے۔

بحرینی بحریہ ڈیفنس فورسز کی سمندری برانچ ہے۔ گیارہ لڑاکا جہازوں بائیس (22) پٹرول کرافٹس اور نو سو (900) ملازمین پر مشتمل ہے۔ بحرین کا منامہ سلمان نیول بیس (Base) جو کہ جہازوں اور آبدوزوں کا مرکز ہے، امریکہ کے ساتھ مشترکہ آپریشنز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ کارگو کی سہولت کے لئے 1980 میں شروع کیا گیا بیس اب پوری طرح نیوی کی بندرگاہ / بیس کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔[2]

---

1 : Commodore Muhammad Anwar, Role of Smaller Navies , NES Dte, NHQ Islamabad -1999

2: Ibid

کویتی بحریہ: (Kuwaiti Navy)

خلیج فارس کے شمال مغربی کنارے پر واقع امیر ترین اسلامی ریاست ہے۔ جس کی بحریہ کی افرادی طاقت 2600 افراد پر مشتمل ہے جس میں 500 افراد کوسٹ گارڈ کے فرائض سر انجام دے رہے ہیں۔ راس القلایانیول بیس جہاں 31 گشتی اور ساحلی لڑاکا جہاز دیگر معاون جہازوں کے ساتھ مستعد رہتے ہیں۔ اس کے شمال مغرب میں عراق، جنوب میں سعودی عرب اور مشرق میں فارس کی کھاڑی ہے۔ شہر کویت دار الحکومت ہے۔ جس کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے۔ کویت میں جمہوریت اور آزادی تقریر و تحریر دوسرے عرب ملکوں کی نسبت قدرے زیادہ ہے۔ آئین کی رو سے انتظامی سربراہ "امیر" کہلاتا ہے۔ ملٹری آف کویت کے ذیلی شعبے کی حیثیت کی حامل واحد بحری اڈہ رکھنے والی بحریہ ہے۔ 1961 میں قائم ہونے والی بحریہ جو خلیجی جنگ میں مکمل طور پر تباہ اور ختم ہو گئی تھی۔[1]

متحدہ عرب امارات کی بحریہ: (United Arab Emirates Navy)

سات چھوٹی ریاستوں پر مشتمل ایک وفاق جو جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔ نقشے میں مغرب سے مشرق کی طرف دیکھیں تو ان کی ترتیب یوں نظر آئے گی۔ ابو ظہبی، دوبئی، شارجہ، عجمان، ام القوین[2]، راس الخیمہ[3] اور فجیرہ۔ آزادی سے پہلے یہ معاہداتی امارت کہلاتی تھیں اور برطانیہ کے زیر انتظام تھیں۔ ان امارات کا کل رقبہ 82 ہزار 800 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی 24 لاکھ کے قریب ہے، مسلمانوں کی تعداد 96 فیصد ہے۔ دارالحکومت دبئ ہے۔ جس کی آبادی ساڑھے تین لاکھ ہے۔ اس کی بڑی اور اہم بندرگاہ ابو ظہبی ہے۔

متحدہ عرب امارات کی بحریہ ابتدا میں مختلف مسلح پیٹرول اور میزائل بوٹس کے ساتھ کوسٹل ڈیفنس پر مامور رہی ہے۔ فرانس کے تعاون سے اگرچہ مختصر بحریہ ہے لیکن موجودہ حالات اور وقت کی ضروریات کے مطابق بڑی تیزی کے ساتھ اپنی عددی قوت اور بحری و ہوائی جہازوں سے مسلح ہو رہی ہے۔[4]

1: Commodore Muhammad Anwar, Role of Smaller Navies , NES Dte, NHQ Islamabad -1999

2: ام القوین (عربی: اُمّ القیوین) متحدہ عرب امارات کی سات ریاستوں میں سے ایک ریاست ہے۔

3: راس الخیمہ بھی متحدہ عرب امارات کی سات ریاستوں میں سے ایک ریاست ہے۔

4: آفیشل ویب سائیٹ (https://www.government.ae/en/information-and-services/justice-safety-and-the-law/armed-forces) ویب پیج وزٹ کرنے کی تاریخ: 10 جنوری 2017

یمنی بحریہ: (Yemen Navy)

ایشیا و عرب کے جنوب مغرب میں ایک قدیم ریاست ہے۔ اس کی قدیم تاریخ کے شواہد و آثار متانی تہذیب اور سبائی تہذیب سے متعلق ملتے ہیں۔ جمہوریہ یمن کا رقبہ پانچ لاکھ 27 ہزار 970 مربع کلو میٹر ہے۔ آبادی ایک کروڑ 70 لاکھ ہے۔ مسلمانوں کی تعداد 98 فیصد ہے۔ 1967 میں تحریک آزادی کے نتیجے میں برطانیہ نے جنوبی یمن کو آزادی دے کر اپنی فوجیں واپس بلالیں۔ 1972 میں شمالی یمن سے سرحدی جھڑپوں کے بعد ایک معاہدہ امن ہوا، جس میں دونوں ملکوں کے انضمام کا بھی اقرار کیا گیا۔ 1974 میں امریکا الزام لگاتا ہے کہ روس جنوبی یمن میں اپنے فوجی اڈے بنا رہا ہے۔ 1975 میں جزیرہ پیرم جسے بحیرہ قلزم کی طرف کھلنے والا جنوبی دروازہ کہا جاتا ہے۔ عرب لیگ کی فرمائش پر مصر کو ٹھیکے پر دیا جاتا ہے، جس کے صلے میں عرب لیگ کی جانب سے جنوبی یمن کو اقتصادی امداد دی جاتی ہے۔ یمن نیوی کا باقاعدہ آغاز اس وقت 1990 میں ہوا جب شمالی و جنوبی یمن کا خطہ سمگلنگ کے مسائل سے دوچار ہوا۔ موجودہ یمن بہت بڑے بڑے بحرانوں سے گزر تا رہا ہے، صومالی قذاقوں اور دیگر بے شمار مسائل سے بھی نبرد آزما ہو رہا ہے۔[1]

سعودی شاہی بحریہ: (Royal Saudi Arabian Navy)

سعودی عرب جزیرہ نمائے عرب کے بیشتر علاقے پر مشتمل ہے۔ اس کے مغرب میں بحیرہ قلزم اور خلیج عقبہ، مشرق میں خلیج عرب واقع ہے۔ اردن، عراق، کویت، قطر، متحدہ عرب امارات، سلطنت عمان، یمن اور بحرین پڑوسی ممالک ہیں اور ان سب کی سرحدیں سعودی عرب سے ملتی ہیں۔ سعودی عرب میں دنیا کا سب سے بڑا ریگستان "ربع الخالی" واقع ہے۔ سرکاری نام "المملكة العربية السعودية" ہے۔ موجودہ آبادی دو کروڑ سے زیادہ ہے مسلمانوں کی تعداد 100 فیصد ہے۔ شرح خواندگی 62 فیصد ہے۔ دار الحکومت ریاض کی آبادی 30 لاکھ کے قریب ہے۔

سعودی بحریہ نیول فورس کے نام سے موسوم 1960 میں قائم ہوئی۔ 1980 اور 1990 کی دہائی میں مختلف دفاعی معاہدوں میں بھی امریکہ کے فعال کردار کے ساتھ سعودی بحریہ جبیل، میں فیصل نیول بیس اور دمام میں اپنے مشن کو جاری رکھے ہوئے ہے، اس کا ساحلی سلسلہ 2510 کلومیٹر ہے، جو بحیرہ احمر اور خلیج فارس کے ساتھ ملتا ہے۔

سعودی شاہی بحریہ اور پاک بحریہ آپس میں گہرے رشتوں میں منسلک ہیں۔ پاک بحریہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ گذشتہ نصف صدی سے سعودی شاہی بحریہ کے افسران و ملاحوں کو تربیت سے ہمکنار کر رہی ہے۔ ضرورت

1: ذریعہ معلومات: (https://en.wikipedia.org/wiki/Republic_of_Yemen_Armed_Forces#Navy) تاریخ مطالعہ: 10-01-2017

پڑنے پر پاک بحریہ کے حاضر سروس و ریٹائرڈ افسران و ملاحوں کو سعودی شاہی بحریہ میں ڈیپوٹیشن پر بھی بھیجا جاتا ہے۔ پاک بحریہ کے افسران اور ملاحوں کی ایک خاطر خواہ تعداد ہر وقت سعودی شاہی بحریہ میں شامل رہتی ہے۔

رائل سعودی نیول فورس نے 19 نومبر 1994 کے معاہدہ کے مطابق 450 بلین روپے میں فرانس سے تین فریگیٹ حاصل کیے۔ یہ جہاز فرانس کے لافایئٹ کلاس کی ترمیم شدہ نقل ہیں۔ ان جہازوں پر وی 26 جدید راڈار (رادار مراقبہ)، ایم ایم-40(MM-40) اینٹی شپ ایکسوسیٹ میزائل، کروٹیل ایئر ڈیفنس (الدفاع الجوی، دفاع حرب الیکترونیہ) اور جدید گنری نظام نصب ہیں۔ علاوہ ازیں 1984- 1985 کے معاہدے کے تحت دو سو بارہ ارب روپے سے حاصل کردہ جہازوں کی تجدید و اصلاح بھی فرانس نے کی۔ خلیج العرب اور جزیرہ نما عرب میں سعودی عرب کا نیول فلیٹ ایک جدید، اعلیٰ اور بہترین بحری بیڑہ ہے۔ جو کہ اپنے ملک کی بحری سرگرمیوں پر نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ دفاع کی بڑی قابلیت رکھتا ہے۔ سعودی عرب کو مسلم دنیا میں حرمین شریفین یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے تقدس کی وجہ سے ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ نیز یہ ملک معدنی تیل کی دولت سے بھی مالا مال ہے۔ اس کی بحریہ عمومی طور پر خلیج العرب اور بحیرہ احمر میں اپنی سمندری حدود کی حفاظت و نگرانی کی ذمہ داری ادا کرتی ہے۔

موجودہ سعودی بحریہ 13500 افسران، ملاح اور میرینز کی عددی قوت، اور 2510 کلو میٹر کی ساحلی پٹی کے ساتھ بحری سرحدوں کے دفاع کے لئے سرگرم عمل ہے۔[1]

خلاصہ کلام

اگر ہم تمام اسلامی ممالک کی بحری افواج اور دیگر ضروریات جو بحریہ کو درکار ہوتی ہیں ان کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کریں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ تمام اسلامی ممالک کی بحریہ میں پاکستان بحریہ، انڈونیشی بحریہ اور ترکی بحریہ جدید ترین بحری طاقتیں ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس میں مزید بہتری لائی جائے اور بین الاقوامی تنظیم برائے بحر پیمائی انٹرنیشنل ہائیڈروگرافک آرگنائزیشن وغیرہ سے بھی اسی سلسلے میں مدد لی جائے کیونکہ یہی وہ تنظیم ہے جو اقوام عالم کے مابین بحر پیمائی، بحری نقشوں کی تیاری، کھلے اور گرم پانیوں میں حفاظتی اقدامات اور دیگر سمندری امور کے بارے میں رابطے کا کام کرتی ہے۔ اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم برائے سمندری امور انٹرنیشنل میری ٹائم آرگنائزیشن، اور اسلامی فوجی اتحاد[2] (Islamic Military Alliance) بھی اس سلسلے میں اپنا کردار ادا کر

1: http://www.snscl.com (Visit ed on 10-1-2017)

2: سعودی عرب کی نگرانی و سرپرستی میں قائم ہونے والے اس فوجی اتحاد کے سربراہ پاکستان کے سابق چیف آف آرمی سٹاف جنرل راحیل شریف ہیں۔ یہ اتحاد 45 مسلم ممالک پر مشتمل ہے۔ جو کہ مسلمان ممالک میں دہشت گردی کے بڑھتے ہوئے خطرات سے نمٹنے، بین الاقوامی سطح پر اسلام دشمن قوتوں کا مل کر مقابلہ کرنے، مسلم ممالک کو باہم متحد رکھنے اور ایک دوسرے کے سیاسی مفادات کے تحفظ کی خاطر وجود میں لایا گیا ہے۔

کے مسلم بحریہ کو چار چاند لگا سکتی ہے۔ اور مسلم ممالک بھی اتحاد کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے اپنی اپنی بحریہ میں بہتری لا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں مختلف سیمینارز اور کانفرنسز کا انعقاد کیا جائے اور لوگوں کو معلومات اور فوائد سے آگاہی دے کر بھی عددی اور بحری قوت میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔

یہ حقیقت بھی واضح ہے کہ ایک بحری قوت ہونے کے اعتبار سے عالم اسلام کے پاس سمندری جغرافیائی سرحدیں، مرچنٹ نیوی، بندر گاہیں، آبی گذر گاہیں، جنگی بحریہ، قومی سوچ کے اعتبار سے تربیت یافتہ عملہ، ترقی و ارتقا کیلئے لگن اور پیش بندی جیسے مقاصد کو مد نظر رکھا جائے تو پاکستان بحریہ بالخصوص اور دیگر اسلامی ممالک کی بحری افواج ایک سمندری طاقت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اسی طرح دوسری مسلم اقوام کو بھی اس کسوٹی پر پرکھا جا سکتا ہے اور آخر میں یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہو گا کہ اگر تمام مسلم ممالک اپنے سیاسی اختلاف پس پشت ڈال کر، دفاعی میدان میں ایک ہو جائیں تو بلاشبہ یہ ایک ناقابل تسخیر عالمی بحری قوت بن سکتی ہیں۔

فصل سوئم:

مسلم بحری قوت اور عصر حاضر کے تقاضے

یہ فصل درج ذیل مباحث پر مبنی ہے:

- مسلم بحریہ کو درپیش چیلنجز اور عصر حاضر کے تقاضے
- سمندری حیات میں ماحولیاتی آلودگی
- قزاقی، دہشت گردی اور سمگلنگ۔ بحری قوت کو بڑے چیلنجز
- یمن سے محصورین کا انخلاء اور پاک بحریہ کا کردار
- معاشی ترقی کے امکانات اور بحری قوت کو درپیش چیلنجز
- جنوب مشرقی ایشیا میں معاشی ترقی کے امکانات اور پاکستان کا کردار

مسلمان اس وقت دنیا کی چار قدیم ترین تہذیبوں، مصری تہذیب، وادی دجلہ و فرات کی تہذیب، وادی سندھ کی تہذیب اور چینی تہذیب میں سے تین کے حامل ہیں۔ ان تہذیبوں کے درمیان زمانہ قدیم سے بحری تجارت کے ثبوت ملتے ہیں۔ اگرچہ اسلام کی ابتدائی صدیوں سے ہی عربوں اور ترکوں نے سمندر اور خشکی کے تجارتی راستوں پر اپنی عملداری قائم رکھی ہے لیکن یورپی اقوام کے دور دریافت اور نشاۃ ثانیہ شروع ہونے کے بعد مسلم بحری قوت مسلسل زوال پذیر رہی جس کی وجہ سے مسلم ممالک بحری قوت کی حیثیت سے غیر متعلق ہوتے چلے گئے اور سترھویں صدی عیسوی سے دنیا کی بحری تاریخ محض مغربی قوتوں کی تاریخ بن کر رہ گئی ہے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد بڑی تعداد میں مسلمان قوموں نے آزادی حاصل کی ہے ان میں سے زیادہ تر اقوام کے پاس اپنے سمندر اور ساحلی علاقے موجود ہیں۔ لیکن ابھی تک یہ قومیں اپنے ساحلی علاقوں اور متعلقہ سمندروں کے بلا شرکت غیرے مالک نہیں بن سکے جب کہ اپنی سیاسی آزادی اور خود مختاری کے تحفظ کے لئے سمندروں کی حکمرانی ضروری ہے۔ 1971ء کی پاک بھارت جنگ میں پاکستان اپنی کمزور بحری قوت کی وجہ سے مشرقی پاکستان سے بحری رابطہ برقرار نہ رکھ سکا۔ جس کی وجہ سے مشرقی پاکستان میں لڑنے والی پاکستانی افواج کو بروقت کمک نہ پہنچائی جا سکی۔ جس کی وجہ سے ہماری محصور اور مرکز سے کٹی ہوئی افواج بہادری سے لڑتے ہوئے دشمن کے نرغے میں آ گئیں۔ اور جب وقت آیا تو ان کا انخلاء بھی ممکن نہ ہو سکا۔

جنگ ہو یا امن ہر دو حالت میں مسلح افواج کا کردار اہم ہی نہیں بلکہ ناگزیر ہوتا ہے وہ افواج خواہ بری ہوں، بحری یا فضائی، ان تمام کو اپنی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خدمات انجام دینا ہوتی ہیں کیونکہ بنی نوع انسان کی حفاظت کے لئے جو وسائل، تربیت اور استطاعت مسلح افواج کے پاس ہوتی ہے وہ ریاست کے کسی اور ادارے کے پاس نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تحفظ کے لئے ریاست کے ہر شہری کی آخری امید ملک کی مسلح افواج ہوتی ہیں اور ہر ریاست بھی اسے اپنا فرض گردانتے ہوئے اپنی مسلح افواج کو ایسی ہنگامی صورت حال سے نمٹنے کے لئے مناسب وسائل اور تربیت مہیا کرتی ہے۔

کسی بھی ریاست یا آزاد ملک جس کی بحری سرحدیں (Litloral State) ہوں، کو بحری تجارت اس کا فروغ اور دفاع، بحری سرحدوں کا دفاع، بندرگاہوں کی تعمیر و ترقی، بحالی اور دفاع، سمندری راستوں کی دریافت، دفاع اور بحالی، بحری بیڑے، بڑے بڑے جہاز، سمندری، معدنی اور جہازرانی کے وسائل سے واقفیت اور ملک و معاشرے کی اقتصادی اور سماجی ترقی میں ان کے کردار کے بارے میں آگاہی بہت ضروری ہے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ دنیا پر اثرانداز ہونے کے لئے سمندری راستوں کو زیر اثر رکھنا ضروری ہے اسی طرح اپنے ملک کے دفاع اور تجارت کی حفاظت کے لئے ایک مؤثر بحری قوت کا وجود لازم ہے۔

بحریہ کا وجود کسی ملک کی حفاظت، سالمیت اور معیشت پر براہ راست اثرانداز ہوتا ہے۔ سمندر میں موجود وسائل سے بھرپور استفادہ کرنے اور اس کی معلومات رکھنے والے بحری علوم کے ماہرین نے اس کرۂ ارض پر ایسے کارہائے نمایاں

انجام دیے ہیں اور کامیابی کے ایسے پرچم گاڑھے ہیں کہ کبھی فراموش نہیں کیے جاسکیں گے۔برطانیہ، فرانس، اسپین اور ان سے پہلے ترکی اور آج کے دور میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ دنیا اس کی گرفت میں ہے جس کی گرفت سمندر پر ہے۔

دفاعی اعتبار سے بھی سمندر بڑی اہمیت کا حامل ہے سمندر عام طور پر ملک کی دفاعی قوت میں اضافے کا سبب بنتا ہے سمندر سے ملحقہ علاقوں کو بحریہ کے تعاون اور مدد سے مضبوط اور ناقابل تسخیر بنایا جاسکتا ہے فوائد اور تجارتی مقاصد کے حصول کے لئے بحر ہند کی اہمیت کو کسی صورت کم نہیں کیا جاسکتا۔بحر ہند دنیا کے پانچ بڑے سمندروں میں سے ایک اہم سمندر ہے جس کی بہت سی خصوصیات ہیں یہ امر روز اول سے اظہر من الشمس ہے کہ تجارت کا دارو مدار سمندری راستوں پر ہے، چنانچہ پوری دنیا میں ایک تہائی تجارت اسی بحر ہند سے ہوتی ہے۔اس حوالے سے ماہنامہ ہلال لکھتا ہے:

> بحر ہند پہلے وقتوں سے اپنی آزاد تجارت اور شفاف عمل داری کی وجہ سے مشہور ہے یہ وہ خطہ ہے جہاں بھارت، مصر، یونان و روم، فارس، بنگال اور چین کی عظیم تہذیبیں ایک دوسرے کے دشمن کے بجائے شریک کے طور پر ملتی ہیں عام تاثر کے برعکس بحیرہ ہند کی تاریخ 1498 عیسوی میں شروع نہیں ہوتی جب پرتگالی مہم جو واسکوڈی گامانے بحری سفر کیا۔یہ سب کچھ ایسے خطے پر غیر انسانی اثرات مرتب کرنے کے لئے کیا گیا جو اپنی گرم جوشی اور کشادہ دلی کے حوالے سے یاد کیا جاتا تھا [1]

یہ حقیقت تو بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ بحری قوت کسی بھی ملک کی معاشی و اقتصادی ترقی کے لئے انتہائی اہم ہے، یہ آمدنی کے ذرائع میں سے ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ہر وہ ملک جس کو قدرت نے سمندر سے نوازا ہو، اس کو اس کی اہمیت سے بخوبی واقف ہونا چاہیے اور اس کو درپیش چیلنجوں اور عصر حاضر کے تقاضوں کو بھی اپنے ذہن میں رکھنا چاہیے تاکہ دشمن کے کسی بھی وار کا مقابلہ آسانی سے کیا جاسکے اور ہر ملک کو بہتر ذرائع بروئے کار لا کر اپنی بحریہ کو مزید تقویت دینے کے لئے اعلیٰ سطحی اقدامات کرنے چاہییں۔اس فصل میں بحریہ کو درپیش چیلنجز اور عصر حاضر کے تقاضوں کا مختصر طور پر ذکر کیا جائے گا تاکہ مسلم بحری قوت خصوصاً پاکستان نیوی کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے اقدامات کیے جاسکیں۔

مسلم بحریہ کو درپیش چیلنجز اور عصر حاضر کے تقاضے

موجودہ سیاسی تناظر میں مسلم دنیا جو دو دھڑوں (Block) میں تقسیم ہو گئی، جس کا پہلا بلاک ایران، عراق، شام، یمن، لبنان اور بحرین کے کچھ علاقوں پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا بلاک سنی ممالک جس میں سعودی عرب، مصر، ترکی، انڈونیشیا، ملائشیا، عرب امارات وغیرہ شامل ہیں۔اگرچہ دونوں دھڑے مسلمان ہیں اور دونوں کے نقصان و منافع بھی ایک ہیں۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہر ملک فطری طور پر اپنے محدود مفادات کا دفاع کرتا نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے وہ باہمی

1: ماہنامہ جریدہ، ہلال، شعبہ تعلقات عامہ، جنرل ہیڈکوارٹرز راولپنڈی

تنازعات اور اندرونی اختلافات کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے اور اغیار اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ وہ ایک پالیسی کے تحت اپنا اسلحہ اور مصنوعات بیچ کر مسلم ممالک کو ہر وقت اپنا محتاج اور دست نگر بنائے رکھتے ہیں۔ اور وقت آنے پر کسی ایک دھڑے سے مل کر دوسرے مسلم دھڑے کو جنگ کی آگ میں دھکیل دیتے ہیں۔ ان حالات میں مسلم بحریہ کو متعدد انواع کے چیلنجز درپیش ہیں ذیل میں ہم ان چیلنجز کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے تدارک کے لئے تجاویز اور عملی اقدامات کیلئے سفارشات پیش کریں گے۔

سمندری حیات میں ماحولیاتی آلودگی

زمین پر ہونے والی تمام سرگرمیاں خواہ قدرتی ہوں یا انسانی، دنیا پر دیر پا اثرات مرتب کرتی ہیں سمندری اور دریائی خطوں کے بدلتے ماحول اور معاشی صحت کا تعلق انفرادی، طبقاتی، حکومتی، علاقائی، قومی اور بین الاقوامی لحاظ سے ہر سطح تک ہوتا ہے۔ ماحول اور معیشت کے تعلق کو ہر سطح پر تسلیم کیا جاتا ہے ساحلی علاقوں کی جانب سے لوگوں کی ہجرت اور شہری آبادی میں خاطر خواہ اضافے کے باعث سمندری پانی کے معیار کو بہتر بنانا اور اسے برقرار رکھنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

ہر ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ زمانہ حال میں اپنے فائدے اور اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کی خاطر محتاط منصوبہ بندی اور مناسب انتظامی اقدامات سے اپنی سمندری حدود کے قدرتی ذخائر کا تحفظ یقینی بنائے اس امر کے دوران ہر ریاست کو یہ چاہیے کہ اس کی حدود میں سمندری ماحول کو پہنچنے والے نقصان سے ہمسایہ ممالک کا آبی ماحول متاثر نہ ہو۔

اگر ہم گزشتہ دہائی پر نظر دوڑائیں تو پتا چلتا ہے کہ جیسے جیسے سمندری آلودگی کے باعث درپیش خطرات (جو کہ ترقی پذیر اور ترقی یافتہ دونوں ممالک کے لئے ایک بڑا چیلنج ہیں) سے متعلق آگہی میں اضافہ ہوا ہے آلودگی پر قابو پانے کے لئے اقدامات اور ماحولیاتی تحفظ کو ساحلی ریاستوں میں خاصی اہمیت دی جارہی ہے۔

موجودہ دور میں عمومی طور پر ماحولیاتی آلودگی کو ایک بڑے چیلنج کے طور پر دیکھا جارہا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ تمام ممالک کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ وہ ایسی اشیاء سے پیدا ہونے والی سمندری آلودگی میں کمی اور اس کی روک تھام کے لئے تمام ممکن اقدامات کریں جو انسانی صحت کے لئے مضر ہیں اور آبی حیات کے لئے نقصان کا باعث ہیں اور جن کے سبب سمندری معدنی ذخائر اور دیگر وسائل کو خطرات لاحق ہیں۔

پاکستان کو اس وقت بہت سے پیچیدہ اور مشکل ماحولیاتی چیلنجز کا سامنا ہے بدقسمتی سے ماحول کی بہتری کے لئے موزوں اقدامات کی کمی کے باعث مختلف قسم کے مسائل پیدا ہو چکے ہیں صنعتی اور دیگر فضلہ جات پاکستان میں آبی آلودگی کی بڑی وجہ ہیں اور پانی کی وجہ سے پیدا ہونے والی مختلف بیماریوں کا باعث بھی ہیں۔

پانی ہماری بقاء کے لئے انتہائی ضروری عنصر ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[1]

ترجمہ: اور ہم نے پانی سے ہر زندہ چیز پیدا کی

درج بالا آیت کے مصداق پانی ہی ہماری زندگی ہے۔ مملکت خداداد پاکستان کے پاس سطح زمین اور زیر زمین پانی کے قدرتی ذخائر موجود ہیں تاہم تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی، شہروں میں بسنے کا بڑھتا ہوا رجحان اور پانی کے بے رحمی سے غیر ضروری استعمال نے آبی ذخائر کے معیار اور مقدار دونوں پر انتہائی منفی اثرات ڈالے ہیں، اور ان میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی ہے، انسانی صحت، زراعت، چراگاہیں، جنگلات، آبی ذخائر اور آبی حیات دراصل پورا ایکو سسٹم ہی پانی کے مسائل سے متاثر ہو رہا ہے پاکستان میں نہ صرف پینے کے پانی کی کمی ہے بلکہ صنعتی فضلے اور غلاظت کی نکاسی نے پانی کے مسئلے کو اور بھی سنگین بنا دیا ہے۔

آبادی میں بے لگام اضافہ بھی سمندری آلودگی کی ایک بڑی وجہ ہے کیونکہ آبادی کی کثرت کا مطلب ہے زیادہ لوگ، زیادہ شہر، مزید فیکٹریاں، اور بڑھتا ہوا صنعتی فضلہ، صنعتی فضلہ ساحلوں پر لنگر انداز جہازوں، بندرگاہوں، بحری ماحولیاتی نظام، ماہی گیروں کی زندگیوں اور سمندر کے قرب و جوار میں موجود آبادی کی صحت پر بری طرح اثر انداز ہو رہا ہے۔ آلودہ پانی کا بڑا منبع چمڑے کی فیکٹریاں، ادویہ ساز فیکٹریاں، ریفائنریاں، کیمیکل، ٹیکسٹائل اور کاغذ کی صنعتیں، انجینئرنگ ورکس اور تھرمل پاور پلانٹ ہیں۔

گھریلو اور صنعتی فضلے کے باعث آلودہ ہونے والا پانی جو آبی آلودگی کا باعث بننے والے اجزاء سے بھرپور ہوتا ہے ساحل پر لنگر انداز جہازوں اور ساحلی تنصیبات پر بری طرح اثر انداز ہوتا ہے ساحلی علاقوں میں موجود بحری جہازوں پر نصب مشینری کے بلا تعطل کام میں بھی ایک بڑی رکاوٹ آلودہ پانی ہی ہے آبی آلودگی کے سبب وہ تمام مشینری اور آلات جو پانی سے براہ راست اتصال رکھتے ہیں زیادہ تیزی سے زنگ آلود ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں نہ صرف چیزوں کی Maintenance کے اخراجات بڑھ جاتے ہیں بلکہ انہیں درست حالت میں رکھنے کے لئے محنت بھی زیادہ کرنی پڑتی ہے۔[2]

تعلیم، شراکت داری، جدید ٹیکنالوجی، تحقیق اور ذاتی ذمہ داری سے سمندری ماحول کے معیار کی بہتری کی کاوشیں جاری رہنی چاہیے۔ تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے وسائل کی فراہمی برقرار رکھی جاسکے۔ اس بات سے قطع نظر کہ آپ دنیا میں کہاں رہتے ہیں، ہر کوئی اپنی بقاء کے لئے پانی پر انحصار کرتا ہے اس کائنات میں پانی کی بڑی مقدار ایسی جگہوں پر

1: سورۃ الانبیاء: 30/21

2: شجاعت حسین، کمانڈر، سمندر اور ماحول، ماہنامہ نیوی نیوز، شمارہ مئی 2011، شعبہ تعلقات عامہ، نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد

موجود ہے جہاں زندگی کے آثار نہیں مگر کہیں بھی زندگی پانی کے بغیر موجود نہیں۔ سمندر نہ صرف زمین کے کیمیائی ربط کی وجہ اور ماحولیاتی اور موسمی تغیرّات کا باعث بنتا ہے بلکہ زمین پر موجود تمام مخلوقات، گہرے سمندر میں پائی جانے والی اسٹار فش(Star fish) سے لے کر صحرا میں پائے جانے والے جھاڑی دار پودے تک کی زندگی کے نظام کی بنیاد بھی بنتا ہے یہی وجہ ہے کہ سمندر کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں، عصر حاضر کے تقاضے اور ہمارا مستقبل اس بات کے متقاضی ہیں کہ سمندری ماحولیاتی نظام کی صحت کو برقرار رکھنے کے لیے اقدامات کئے جائیں۔ اگر سمندری صحت تنزلی کا شکار ہو رہی ہے تو ہم بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں اور اگر سمندر دم توڑ جائیں گے تو ہماری زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔

قزاقی، دہشت گردی اور سمگلنگ --- بحری قوت کو بڑے چیلنجز

بحری قزاقی یا سمندری لوٹ مار ایک ایسا جنگی خطرہ ہے جس کا ارتکاب غیر ریاستی عناصر سمندر میں پانیوں پر ،اور کبھی کبھار ساحل پر بھی کرتے رہتے ہیں۔1982 کے اقوام متحدہ کے کنونشن برائے سمندری قوانین کے مطابق بحری قزاقی کسی بھی قسم کا مجرمانہ اقدام یا لوٹ کھسوٹ پر مبنی اقدام ہے جو کہ ذاتی مقاصد کے لئے کسی بھی غیر سرکاری، بحری یا ہوائی جہاز کا عملہ یا مسافر گہرے سمندروں میں دوسرے بحری یا ہوائی جہازوں کے خلاف کرتا ہے سمندری لوٹ مار، کسی بحری یا ہوائی جہاز، شخصی یا کسی اجتماعی جائیداد کے لئے کسی ایسی جگہ پر بھی کی جا سکتی ہے جہاں پر کسی بھی ریاست کی عملداری نہ ہو۔[1]

بحری قذاقی کی تاریخ

بحری قزاقی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی انسانوں کا سمندروں کو تجارتی راستے کے لئے اختیار کرنا، تیرہویں صدی قبل مسیح میں بحری قزاقی کا تحریری ثبوت سمندر سے وابستہ افراد کے وہ کارنامے ہیں جن سے انہوں نے رومیوں کو خوف زدہ کیے رکھا، جزیرہ نما لیمانوس(Lemanos)کافی عرصہ تک قزاقوں کے لئے محفوظ پناہ گاہ تھی اور اس علاقے پر یونانی عمل داری نہ ہونے کے برابر تھی پہلی صدی قبل مسیح میں اناطولیہ کی ساحلی پٹی پر بحری قزاقوں نے روم کے بادشاہ جولیس سیزر کو اغوا کر لیا اور اس کو تاوان کے لئے یر غمال بنائے رکھا، قید کے دوران جولیس سیزا نے بادشاہوں والا رویہ رکھا اور جب قزاقوں نے رہائی کے لئے بیس ٹیلنٹ سونے کا مطالبہ کیا تو سیزر نے کہا کہ اس کی قیمت کم لگائی گئی ہے کم از کم پچاس ٹیلنٹ سونے کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ قزاقوں نے ایسا ہی کیا اور مطلوبہ تاوان کی ادائیگی کے بعد بادشاہ کو رہا کر دیا۔ رہائی کے بعد سیزر نے اپنے بحری بیڑے سے قزاقوں کا پیچھا کرنے کے بعد انہیں گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔[2]

1: شجاعت حسین، کمانڈر، بحری قذاقی ص:8، بحوالہ نیوی نیوز مئی 2011

2: ایضاً

زمانہ قدیم میں بھی بحری قزاقی، دہشت گردی اور اسمگلنگ عام تھیں اور ایسی غیر مستحکم ریاستیں جن کے پاس ساحل تھے وہاں سمندروں میں بحری قزاق، بحری جہازوں پر اچانک حملہ آور ہوتے اور بے دردی سے محافظوں اور جہاز کے عملے کو قتل کر دیتے، دہشت گردانہ کاروائی کرتے ہوئے مال و اسباب لوٹ کر فرار ہو جاتے اور اسمگلروں کے ہاتھوں مال واسباب اور دیگر ممالک میں پہنچا دیتے تھے بہرحال وقت کے ساتھ ساتھ بحری قزاقی کافی کم ہوتی گئی تھی اور نئی نسل ان الفاظ و اصطلاحات سے ناواقف ہو گئی تھی۔ حیران کن طور پر حال ہی میں بحری قزاقی دوبارہ منظر عام پر آگئی جس نے پوری دنیا کو حیران کر دیا۔ بحری قزاقی اقوام عالم اور جہازران کمپنیوں کے لئے باعث تشویش بنتی جا رہی ہے۔

حالیہ بحری قزاقی کا مرکز غیر مستحکم صومالیہ کا ساحل ہے۔ انٹرنیشنل میری ٹائم بیورو کے مطابق 2010 میں دنیا بھر میں 53 بحری جہاز اغوا ہوئے، ان میں سے 49 صومالیہ کے بحری قزاقوں نے اغواء کیے یہ صومالی بحری قزاق اب پوری دنیا میں مشہور ہو چکے ہیں، ان کے پاس جدید اسلحہ ہے۔ بحری جہازوں کو نقصان پہنچانے والے راکٹ ہیں اور یہ عموماً خلیج، عدن، بحر احمر اور بحر ہند میں ساحل سے پانچ سو کلو میٹر دور تک سمندر میں کاروائی کرتے ہیں جہاز اغوا کرنے کے بعد انہیں جزیروں میں لے جایا جاتا ہے، یہ بحری قزاق جہاز اغوا کرنے کے بعد عملہ کے ارکان کو بھی یرغمال بنا لیتے ہیں بعض اوقات جہاز پر لاکھوں ٹن تیل، کیمیکل اور دیگر قیمتی اشیاء بھی ہوتی ہیں جن کی مالیت لاکھوں کروڑوں ڈالرز میں ہوتی ہے۔ پھر یہ قزاق متعلقہ کمپنی سے رابطہ کرتے ہیں اور تاوان وصول کرنے کے بعد ان جہازوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔[1]

عصر حاضر میں جہازوں کے لئے بحری قزاقی بدستور ایک اہم مسئلہ بنی ہوئی ہے ایک اندازے کے مطابق سالانہ تیرہ سے سولہ بلین امریکی ڈالر اس عفریت کی نذر ہوتے ہیں اس وقت بحیرہ احمر، بحر ہند کا صومالی ساحلی علاقہ اور آبنائے ملاکا جہاں سے ہر سال پچاس ہزار کے قریب تجارتی جہاز گزرتے ہیں جن کو بحری قزاقی کے شدید خطرات لاحق رہتے ہیں خصوصاً صومالی قزاق بین الاقوامی برادری کے لئے خوفناک مسئلہ بنے ہوئے ہیں صومالیہ میں غیر ملکی طاقتوں کی دخل اندازی، حکومتی اداروں کی تباہی، قحط اور غربت و بے روزگاری نے اس خطے میں بحری قزاقی کے اضافے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے موجودہ قزاق تیز رفتار کشتیوں اور بڑے بڑے تجارتی جہازوں پر کم عملے کی موجودگی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے کاروائیاں کرتے ہیں۔[2]

1: https://www.bbc.com/urdu/world/2010/03/100325_pirate_somalia_pvtarmy. Visited on 5-5-2016

2: Ibid

یمن سے محصورین کا انخلاء اور پاک بحریہ کا کردار

قدرتی آفات کے علاوہ بین الاقوامی سمندروں میں دیگر خطرات اور چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بھی پاک بحریہ نے نمایاں کردار ادا کیا ہے اس سلسلے میں بحری قزاقی کے خاتمے اور دہشت گردی کی روک تھام کے لئے پاکستان نیوی نے دیگر ملکوں کی بحری افواج کے ساتھ مل کر کاروائیوں میں حصہ لیا ہے 2011 میں "MV SOWAIZ" بحری جہاز کے عملے کو قزاقوں سے چھڑانے کے لئے پاکستان بحریہ نے ایک کامیاب آپریشن کیا تھا اس طرح بحری راستوں کے ذریعے ممنوعہ اشیاء کی سمگلنگ، دہشت گردوں کی نقل و حرکت کو روکنے اور بحری قزاقی کی بیخ کنی کے لئے بحیرۂ عرب، خلیج فارس، بحیرۂ احمر، خلیج عدن، بحر ہند اور خلیج عمان کے سمندروں میں جو بین الاقوامی ٹاسک فورسز تعینات ہیں پاکستان نہ صرف ان کا حصہ ہے بلکہ متعدد بار ان فورسز کی کمان بھی کر چکا ہے۔

حال ہی میں یمن میں محصور پاکستانیوں اور غیر ملکیوں کی ایک بڑی تعداد کو بحفاظت نکالنے میں پاکستانی بحریہ نے جو کارنامہ سر انجام دیا اسے نہ صرف ایک قومی فریضے کے طور پر بلکہ انسانیت کی خدمت کے لئے ایک ناقابل فراموش کارنامے کے طور پر ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

پاکستان نیوی نے یمن میں جو شاندار کارنامہ سر انجام دیا اس سے اس کی پیشہ ورانہ مہارت اور مستعدی کا کامیاب مظاہرہ ہی نہیں ہوتا بلکہ اس سے پاکستانی خارجہ پالیسی کے وسیع تر مقاصد یعنی بین الاقوامی برادری سے تعاون اور علاقائی امن کے حصول کے لئے پاک نیوی نہ صرف قومی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ہمہ وقت تیار ہے اور اس فریضے کو سر انجام دینے کے لئے پوری طرح مستعد ہے بلکہ قدرتی آفات، جنگ اور تصادم کے خطرات میں گھرے ہوئے انسانوں کو بلا تفریق رنگ و نسل اور مذہب بچانے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔[1]

اس قسم کے امدادی مشن سے جہاں ایک طرف ہماری مسلح افواج کی پیشہ ورانہ استعداد میں اضافہ ہوتا ہے وہاں بین الاقوامی سطح پر قوم کے وقار اور اس کے لئے خیر سگالی کے جذبات میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاک بحریہ ہر قسم کی صورت حال میں کام کرنے اور چیلنج کا سامنا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یمن اور سونامی جیسی صورت حال میں پاک بحریہ نے دیگر ملکوں کے ساتھ مل کر انسانیت کی خدمت کے لئے جو کاروائیاں کی ہیں ان سے پاکستان کے دیگر ملکوں کے ساتھ تعلقات بھی بہتر ہوئے ہیں اور عالمی سطح پر ہمارے وطن عزیز کا ایسا تاثر قائم ہوا ہے جس سے وسیع تر قومی مفادات کو تقویت حاصل ہوئی ہے۔

1: رشید احمد، ڈاکٹر، یمن سے محصورین کا انخلاء اور پاک نیوی کا کردار، ص:13، جریدہ نیوی نیوز، جنوری 2016

معاشی ترقی کے امکانات اور بحری قوت کو درپیش چیلنجز

زمانہ امن اور جنگ میں بحری قوت کسی بھی قوم کا پہیہ رواں دواں رکھنے کے لئے انتہائی اہم ہے عصر حاضر میں کوئی قوم بھی دوسری اقوام سے کٹ کر نہیں رہ سکتی۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں ہے کہ جو اپنی سو فیصد ضروریات زندگی کی اشیاء خود پیدا کر سکتی ہو۔ صنعتی اقوام کو اپنی صنعتوں کے لئے درکار خام مال دور دراز سے منگوانا پڑتا ہے اسی طرح تیار شدہ مصنوعات کی دور دراز منڈیوں تک رسائی کے لئے سمندری راستوں کی حفاظت اور عملداری انتہائی اہم ہے آج بھی دنیا کی غالب بحری قوتیں غیر مسلم اقوام ہیں جس کی وجہ سے وہ جب چاہیں اہم بحری راستوں پر غلبہ کی بنیاد پر کسی بھی مسلم ملک کی مؤثر ناکہ بندی کر سکتی ہیں اس کا عملی مظاہرہ جنگ خلیج کے دوران عراق کی مکمل ناکہ بندی کی صورت میں سامنے آیا۔

ایک طرف تو یہ بات بڑی اطمینان بخش ہے کہ مسلمان ممالک دنیا کے اہم سمندری راستوں اور قدرتی وسائل کے مالک ہیں لیکن دوسری جانب باعث تشویش یہ ہے کہ وہ ان کی حفاظت کے لئے خاطر خواہ بحری قوت کے حامل نہیں جس کی وجہ سے وہ بیرونی دخل اندازی کا آسان شکار بن جاتے ہیں۔ امریکہ اپنی طاقتور بحریہ اور سات بحری بیڑوں کی وجہ سے دنیا کے ہر بحری ملک کا ہمسایہ ثابت ہوتا ہے۔ اور دنیا کے اکثر علاقے من مانی کاروائیوں کے لئے اس کی دسترس میں ہیں جب کہ مسلمان اپنی بحری سرحدوں کے تحفظ کے لئے اغیار کی طرف دیکھنے پر مجبور ہیں۔ اپنی آزادی وخود مختاری کے تحفظ کے لئے مسلمانوں کو اپنی بحری قوت پر بھرپور توجہ دینی ہوگی بحری قوت میں اضافے کے لئے مالی وسائل ہی نہیں بلکہ متعلقہ مہارتوں کی بھی اشد ضرورت ہے۔

کسی ملک کی معیشت کے منفی اور مثبت ہونے کا اندازہ اس ملک کی درآمدات(Import) اور برآمدات (Export) کے تناسب سے بھی لگایا جاسکتا ہے پرانے زمانے سے انسان سمندر میں سفر کر رہا ہے یہ سفر مختلف مقاصد جیسے تجارت، سیر و تفریح، ہجرت اور جہاز رانی وغیرہ پر مشتمل رہے ہیں غرض سمندر سے تجارت کا گہرا تعلق رہا ہے اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتے ہیں:

﴿اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾[1]

ترجمہ: وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مسخر کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اُس میں چلیں اور تم اس کا فضل تلاش کرو اور شکر گزار ہو۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بیان فرمارہا ہے کہ اسی کے حکم سے سمندر میں اپنی مرضی کے مطابق سفر طے کرتے ہوئے بڑی بڑی کشتیاں مال اور سواریوں سے لدی ہوئی ادھر سے ادھر لے جاتے ہو، تجارتیں اور کمائی کرتے ہو۔ یہ اس لیے بھی ہے کہ تم اللہ کا شکر بجالاؤ، نفع حاصل کرکے رب کا احسان مانو۔

1: سورۃ الجاثیۃ 12/45

سمندر کی تہہ کے ذخائر تک رسائی حاصل کرنے کا پرانا اور نیا ذریعہ کشتی اور بحری جہاز رہے ہیں سمندر میں چلنے والی کشتیوں اور بحری جہازوں کو جن بنیادی اُصولوں پر بنایا گیا ہے وہ وہی ہے جو پانی میں رہنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مچھلیوں کو بخشا ہے سمندر اللہ تعالیٰ کی عجائبات قدرت میں سے ہے بحری جہازوں کا سمندر میں چلنا اور انسان کا سمندر کو تسخیر کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا ہی نتیجہ ہے جس کے فوائد میں تجارت، سیر وسیاحت، مشاہدات الٰہی کا مطالعہ، غواصی، ملک کا دفاع اور بحیثیت استطاعت دین الٰہی کی تعلیم و تبلیغ میں اپنا کردار ادا کرنا ہے۔

معاشی ترقی کو درپیش چیلنجز کے حوالے سے جہاز رانی کے کردار کو بیاں کرتے ہوئے علوم بحریات کی ماہر سعدیہ شیر ازی لکھتی ہیں:

> 1947 کے بعد سے اب تک پاکستان کی معیشت میں شپنگ (Shipping) یا جہاز رانی کا کردار بہت اہمیت کا حامل رہا ہے اگر ہم اپنے پڑوسی ممالک اور دنیا کے دوسرے ممالک کی شپنگ انڈسٹری کا پاکستان کی شپنگ انڈسٹری سے موازنہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس انڈسٹری کو مزید فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان ایک ساحلی ملک ہے، ایک ہزار کلو میٹر سے زائد تک پھیلی ہوئی لمبی ساحلی پٹی ہونے کے باوجود آج تک ہم بحری قوم نہیں بن سکے، جس کا ایک سبب بحری علوم سے آگہی کا نہ ہونا، شپنگ کمپنیوں اور بندر گاہوں میں تجربہ کار افراد کی کمی اور تیسرا بڑا اہم سبب سیاسی مداخلت ہے جو روزگار کے مثبت مواقع پیدا کرنے میں منفی کردار ادا کرتی رہی ہے [1]

پاکستان کی شپنگ انڈسٹری کو فروغ دینے کے لئے بحری جہازوں اور کشتیوں کی تعداد کو بڑھانے اور ان پر ہنر مند افراد کو روزگار فراہم کرنے کی ضرورت ہے جہازوں کی تعداد بتدریج کم ہو رہی ہے اس سلسلے میں پورٹ اینڈ شپنگ کے تمام ڈیپارٹمنٹس کو باہمی اشتراک سے ایسا لائحہ عمل تیار کرنے کی ضرورت ہے جس سے بحری ٹیکنالوجی اور بحری علوم (Oceanography) کو فروغ دینے کی منصوبہ بندی کی جاسکے۔

دنیا بھر میں ساحلی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر ماہی گیری ہی ہوتا ہے موجودہ دور میں فش فارمنگ نے خصوصی اہمیت حاصل کر لی ہے فش فارمنگ ایک ایسا منافع بخش کاروبار ہے جس پر کم خرچ کر کے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ فش فارمنگ کا بنیادی مقصد یہ ہوتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مچھلی کم سے کم وقت میں حاصل کی جاسکے یہ مقصد اسی وقت حاصل کیا جاسکتا ہے جب فش فارمز کی مکمل نگہداشت کی جائے جیسا کہ تالاب کی گہرائی، پانی کی صفائی، فش فارمز کو غیر ضروری پودوں اور جانوروں سے محفوظ رکھا جائے اور مچھلی کی صحت اور شرح افزائش کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ پاکستان میں فشنگ کی صنعت کے حوالے سے محترمہ سعدیہ شیر ازی لکھتی ہیں:

1: سعدیہ شیر ازی، معاشی ترقی میں جہاز رانی کا کردار، ص:14 بحوالہ ماہنامہ جریدہ نیوی نیوز اکتوبر 2014

"بلوچستان اور سندھ دنیا کے ایسے دو ساحل ہیں جو آبی حیات کی پیداوار کے اعتبار سے مالا مال ہیں اس میں دنیا کے دیگر ساحلوں اور سمندروں کے مقابلے میں مچھلیوں اور جھینگوں کی پیداوار دس گنا اور بحیرہ ہند کے مقابلے میں چار گنا زیادہ ہے پاکستان کی ساحلی پٹی 1050 کلو میٹر طویل ہے جس میں سے 280 کلو میٹر سندھ میں جبکہ باقی حصہ 770 کلو میٹر بلوچستان میں ہے۔"[1]

ماہی گیری کو اس وقت دنیا میں ایک اہم صنعت کا درجہ حاصل ہے اس وقت ماہی گیری پاکستان کے جی ڈی پی کا ایک فیصد ہے پاکستانی مچھلی اور جھینگے کی بڑی مارکیٹ کینیڈا، امریکہ، جاپان، سری لنکا، سنگاپور، یورپی یونین اور خلیجی ریاستیں ہیں اس وقت پاکستان میں ایک فیصد روزگار ماہی گیری اور افزائش آبی حیات سے منسلک ہے۔

موجودہ دور میں سمندری حدود اور ساحلی پٹی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے پاکستان میں مچھلی کی پیداوار کو متوازن اور پائیدار بنائے اور ترقی دینے کے لئے بہترین منصوبہ بندی کی جاسکتی ہے اور بلوچستان، سندھ اور پنجاب میں فش فارمنگ پر توجہ دے کر غربت اور بے روزگاری میں کمی، ماہی گیروں کے معیار زندگی کو بہتر بنانے اور ان کی صحت اور تعلیم کی سہولتوں میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ہم عالمی معیار کو اپناتے ہوئے مچھلی اور جھینگے کی برآمدات میں کئی گناہ اضافہ کر سکتے ہیں۔

جنوب مشرقی ایشیا میں معاشی ترقی کے امکانات اور پاکستان کا کردار

دنیا کی معاشی ترقی کا محور اب مغرب سے مشرق منتقل ہو رہا ہے۔ مشرقی ایشیائی اقوام جاپان، جنوبی کوریا، تائیوان، سنگاپور اور اب چین بڑی معاشی قوت بن چکے ہیں۔ دنیا کی معاشی سرگرمیوں کا مرکز اب بحر الکاہل بنتا جارہا ہے جس کی ایک طرف مشرقی ایشیائی ممالک چین، جاپان، کوریا، تائیوان، انڈونیشیا، ملائیشیا، سنگاپور اور افریقی ممالک ہیں جبکہ دوسری طرف ریاستہائے امریکہ کا مغربی ساحل اور جنوبی امریکی ممالک شامل ہیں۔ دنیا کی معیشت اور دولت کا کثیر حصہ اب ان ملکوں سے متعلقہ ہے اکیسویں صدی کو بحر الکاہل کی صدی قرار دیا جارہا ہے۔ ان ممالک میں کئی ایک مسلم ممالک شامل ہیں لیکن انڈونیشیا کے سوا ان میں سے کوئی بھی قابل ذکر بحری قوت کا حامل نہیں۔ اس تجارت اور ان مواقع سے اپنا حصہ وصول کرنے کے لئے لازم ہے کہ مسلمان ممالک اپنی اپنی بحری قوت میں اضافہ کریں۔

بحیرہ عرب سے متصل ممالک میں پاکستان بڑی اہمیت کا حامل ہے اور قیام پاکستان کے بعد سے خطے میں قیام امن اور سلامتی کے لئے بڑا کلیدی کردار ادا کرتا رہا ہے۔ چونکہ محل وقوع کے اعتبار سے یہ بڑا ممتاز مقام رکھتا ہے نیز اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک ایٹمی طاقت اور پُر عزم فوجی قوت کا حامل ملک سمجھا جاتا ہے جس کی بدولت مالی مشکلات اور درپیش قضیوں (چیلنجز)

1: سعدیہ شیرازی، فشنگ صنعت، بے انتہا مسائل کا منافع بخش حل، ص:14 بحوالہ ماہنامہ نیوی نیوز جنوری 2015ء

کے باوجود قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منواتا رہا ہے۔ لہٰذا حقائق اس بات پر گواہ ہیں کہ پاکستان آنے والے وقت میں اپنے مرکزی محل وقوع کی وجہ سے دنیا کے کئی ممالک کے درمیان ایک معاشی حب(Economic Hub) کا کردار ادا کرے گا۔

آج کے جدید دور میں بحریہ کی اہمیت میں ماضی کے مقابلے میں کئی گنا اضافہ ہو گیا ہے پاکستان جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے نہایت اہم مقام پر واقع ہے۔ پاکستان بحری لحاظ سے اگر مسلم دنیا میں پہلے نمبر پر نہیں تو چند نمایاں مقام رکھنے والی بحری افواج میں ضرور شمار کیا جاتا ہے۔ جہاں تک جدید اسلحہ، تکنیکی مہارت، بحری مشقوں کا انعقاد، بحری حدود رکھنے والے خصوصی طور پر مسلم ممالک کے ساتھ روابط، باہمی ہم آہنگی اور بحری امور سے آگاہی کا تعلق ہے پاکستان کسی بھی ملک سے پیچھے نہیں۔ پاکستان کے بحری ساحلوں کی لمبائی 1050 کلو میٹر ہے اس کی بندر گاہیں ہمہ وقت اور ہر موسم میں متحرک اور فعال رہتی ہیں، دنیا کے ہر حصے سے اس کے تجارتی روابط ہیں اس کی بحری، بری اور فضائی افواج ہمہ وقت نگرانی کے اعلیٰ معیار کو قائم رکھتے ہوئے مستعد رہتی ہیں۔ ان امور کو مزید مربوط کرنے کے لیے، خواہ زمانہ امن ہو یا جنگی صورتحال، نیول ہیڈ کوارٹرز (NHQ) ہمیشہ اپنے آپ کو پیش کرنے میں سبقت لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

پاکستان کی تین بڑی بندر گاہیں، کراچی، محمد بن قاسم اور گوادر پورے خطے میں ایک نمایاں حیثیت کی حامل ہیں دیگر چھوٹی بندر گاہیں پسنی، جیوانی، اور ماڑہ، گڈانی، کیٹی بندر ماہی گیری کے لئے جدید سہولتوں سے آراستہ ہیں۔ ہر بندر گاہ پر نگرانی کے لئے چوکس دستے اور سریع الحرکت جہاز ہمہ وقت موجود رہتے ہیں۔ مزید برآں اورماڑہ اور پسنی سے بحری ساحلوں کی خصوصی نگرانی کی جاتی ہے۔

پاکستان پورے خطے میں Navarea IX کا کوآرڈینیٹر ہونے کے ناطے کسی بھی بحری ناگہانی صورتحال سے نمٹنے کے لئے اپنے آپ کو ہمیشہ پیش پیش رکھتا ہے سمندری تحقیق کے لئے ایک ادارہ کراچی یونیورسٹی میں قائم کیا گیا ہے ایک دفتر (National Institute OF Oceanography) NIO جو کہ وزارت سائنس و ٹیکنالوجی کے ماتحت سرگرم عمل ہے، اور ہمیشہ تحقیق میں مشغول رہتا ہے اس کے علاوہ ماہی گیری کی صنعت کے لئے کراچی فش ہاربر، بلوچستان کوسٹل اتھارٹی، فشرمین فوکس فورم (Fishermen Folks Forum) میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی، پاکستان بحریہ کا ہائیڈروگرافک ڈیپارٹمنٹ، پاکستان نیشنل شپنگ کارپوریشن، کراچی پورٹ ٹرسٹ، گوادر پورٹ اتھارٹی، پاکستان کوسٹ گارڈز اور پاکستان میری ٹائم اکیڈمی یہ سب ادارے اپنے اپنے دائرہ کار میں مختلف پروگرامز کے ساتھ ساتھ اپنے ہیڈ آفسز یعنی مراکز سے منسلک اور مصروف کار ہیں۔

پاکستان بری اور فضائی راستوں سے چین، وسطی ایشیائی ممالک کے ساتھ وسیع و عریض شاہراہوں کے ساتھ ملا ہوا ہے اور پورے ملک میں ریل کے راستے بھی دستیاب ہیں۔ ملک کی 95 فیصد تجارت کا دارومدار مندرجہ بالا اداروں کے ساتھ منضبط ہے۔ پاکستان بین الاقوامی مارکیٹ تک رسائی کے لئے، کراچی سے مشرق بعید، مشرق وسطی، افریقی ممالک،

یورپی یونین، ایشیائی کوچک، جنوبی و شمالی امریکہ، آسٹریلیا اور دیگر بہت سے ممالک کے ساتھ مختلف راستوں کے ذریعے تجارت سے منسلک ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ مملکت خداداد پاکستان کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کے وسائل اور ذخائر کے وسیع خزانوں سے نوازا ہے۔ یہاں پر ذہین، باصلاحیت اور محنتی افراد کی بھی کوئی کمی نہیں۔ ہمیں اگر جنوب مشرقی ایشیا کی معاشی ترقی میں اپنا کردار باقی رکھنا ہے تو ہمیں فوری اور بروقت فیصلے کرنے ہوں گے تاکہ بین الاقوامی سطح پر ہماری ساکھ بہتر ہونے کے ساتھ ساتھ ملکی وقار اور اس کی نیک نامی کو تقویت ملے۔

نتائج بحث

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جس طرح کسی بھی ملک کے لئے سمندر، دریا اور نہریں اس ملک کی خوشحالی کیلئے اہم کردار ادا کرتی ہیں اسی طرح سمندری حدود رکھنے والے ممالک کیلئے بحریہ (Navy) بڑی اہمیت وافادیت کی حامل ہوتی ہے۔ تاریخ اسلام اور بحری تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اسلامی بحریہ جس کے بانیوں میں حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے نام آتے ہیں، ان کا کردار بڑا تاریخی مقام رکھتا ہے۔

1. مسلم بحری مجاہد کو سمندر میں جن ہولناکیوں اور خطرات سے واسطہ پڑتا ہے اور جب وہ ان سب چیزوں کو صبر سے برداشت کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے اجر وانعام کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ بحری جنگ کے اجر کو خشکی کی جنگ سے دس گنا زیادہ اجر کا مستحق قرار دیا ہے۔

2. مضبوط بحریہ بشمول تجارتی بحریہ کسی ملک کی مضبوطی کی ضامن ہوتی ہے۔ کیونکہ جب مسلمان تاجر بحری جہازوں پر دنیا کے کونے کونے میں اپنا سامان تجارت لے کر پہنچتے ہیں تو نہ صرف ملکی معیشت مستحکم ہوتی ہے بلکہ اس ملک کو عالمی منڈی میں تجارت کے مواقع ملتے ہیں، جس سے ملک اور قوم دونوں ترقی کرتے ہیں۔

3. فاطمیین مصر کا عظیم کارنامہ ان کا مضبوط اور مستحکم بحری بیڑہ تھا، اسلامی بحریہ کا ہر سطح پر ہر لحاظ سے منظم کرنا ان کا عظیم کارنامہ ہے، جو تاریخ میں سنہری حروف سے لکھا گیا ہے۔ ان کے کارہائے نمایاں آج بھی مسلم بحریہ کیلئے قابل فخر و قابل تقلید ہیں۔

4. اسلامی تاریخ کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہے کہ عثمانی ترکوں کا عہد اسلامی بحریہ کے عروج کا دور تھا۔ جس میں سلطان محمد الفاتح نے قسطنطنیہ اور خیر الدین باربروسہ نے سات متحدہ غیر مسلم بحری طاقتوں کو عبرت ناک شکست سے دوچار کیا۔ عثمانیوں کے بحری بیڑے کی دھاک ایسی تھی کہ جس کے تصور سے عیسائی حکمرانوں پر کپکپی طاری ہو جاتی تھی۔

5. اسلامی تاریخ وتعلیمات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ سمندروں پر حکمرانی خشکی پر حکمرانی کو استحکام و دوام بخشنے کا سبب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مضبوط بحریہ کی بدولت امت مسلمہ کی ایک طویل عرصے تک سمندروں پر اجارہ داری قائم رہی، یہاں تک کہ آج کی سپر پاور امریکہ بہادر ہمارے فاقہ مست ترکوں کو رقم ادا کر کے راستہ لیتا تھا۔ امریکی تاریخ میں انگریزی زبان کے علاوہ کیا گیا وہ واحد معاہدہ ہے جو ترکی سے ترکی کی شرائط پر راہداری کے حصول کیلئے کیا گیا تھا۔

6. عہد بنو عباس میں عربوں کا تجارتی ذوق وشوق پہلے سے نمایاں نظر آتا ہے، جس کی وجہ سے بحری تجارتی بیڑہ مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔ جس کے نتیجے میں پوری دنیا کی تجارت عباسیوں کی دسترس میں رہی اور بغداد وبصرہ بحری تجارتی جہازوں کی مصروف ترین بندر گاہیں قرار پائیں۔

7. یورپ کی علمی حالت کا درست ہونا اور جہالت وبربریت سے باہر آنا زیادہ تر اندلسی مسلمانوں کے علوم اور بحری اسفار کا مرہون منت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ متعصب اور جانبدار عیسائی مؤرخین و مصنفین ہمیشہ اس جاندار اور روشن حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم اور ناکام کوشش کرتے رہے ہیں۔ اندلس (اسپین) کی تمام تر ترقی اور اس کو بام عروج تک پہنچانے میں بحری مجاہدین کو نمایاں مقام حاصل تھا کیونکہ وہ بحری جہازوں اور کشتیوں کے ذریعے اندلس پہنچے تھے۔

8. ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے دور دراز کے علاقوں میں کاروائی کے لئے بحری بیڑے کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔ جس کو امیر البحر عروج باربروسہ اور خیر الدین باربروسہ نے بلندیوں تک پہنچایا۔ یہ حقیقت بھی اب عیاں ہو چکی ہے کہ سمندر کی سرحدوں کی حفاظت ہی ترقی اور کامیابی کا بنیادی نقطہ تھا جس کا حیدر علی اور ٹیپو سلطان جیسے مسلم حکمرانوں کو تو ادراک تھا لیکن مغلوں کو نہیں تھا۔

9. بحری قزاقی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے، جتنا کہ سمندر۔ عصر حاضر میں جہازوں کے لئے بحری قزاقی ایک اہم مسئلہ بنی رہی ہے۔ خصوصاً صومالی قزاق بین الاقوامی برادری کے لئے خوفناک شکل اختیار کرتے جارہے ہیں۔ ماحولیاتی آلودگی، دہشت گردی، سمگلنگ، قزاقی ا اور دیگر عوامل بحری قوت کو سبوتاژ کرتے رہے ہیں۔ بحری قزاقی اور دہشت گردی کی روک تھام کے لئے بننے والی کثیر الملکی ٹاسک فورس میں پاک بحریہ کا کردار عالمی سطح پر سراہا جاتا ہے۔

10. اسلامی ممالک کی بحری افواج میں پاکستان بحریہ، انڈونیشین بحریہ اور ترک بحریہ جدید ترین بحری طاقتیں ہیں، جو اغیار کے سمندری تسلط اور دار و مدار کو ختم کرنے کی کوشش میں مصروف ہیں۔

سفارشات وتجاویز

مسلم بحری قوت کی بہتری، ترقی، فعالیت اور افادیت کو بڑھانے کے لئے اس تحقیقی کاوش کے اختتام پر چند ایک سفارشات تجویز کی جاتی ہیں۔

امیدِ واثق ہے کہ دفاع سے متعلقہ ادارے، اسلامی ممالک کی جامعات اور محقّقین ان سفارشات و تجاویز سے استفادہ کرتے ہوئے مستقبل کی حکمتِ عملی مرتّب کریں گے اور بحری دفاع کے وہ گوشے اور پہلو جو ماضی میں بوجوہ نظر انداز ہوئے ان کو مزید بہتر بنانے میں کلیدی کردار ادا کریں گے۔

1. مسلمان خلفاء اور امراء البحر کے کارناموں اور شاندار ماضی کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اُمتِ مسلمہ ان سے خوب واقفیت اور شناسائی حاصل کر سکے۔

2. وہ تمام اسلامی ممالک جو سمندر جیسی نعمت سے بہرہ مند ہیں ان کے باہمی روابط کو مزید مضبوط اور مربوط کیا جانا چاہیے، نیز ان کے تمام تحقیقاتی اداروں کے رابطوں کو بھی بڑھایا جائے۔

3. سمندری حدود اور نظریاتی سرحدوں کے دفاع کے اہم ترین فریضہ کی ادائیگی کے لئے قرآن و سنت کی روشنی میں دفاعی اور عسکری رباط الخیل (بحری جنگی و تجارتی جہازوں) کو ہر وقت تیار و مستعد رکھا جائے۔

4. مسلم بحریہ کو تکنیکی اور اتھارٹی کے اعتبار سے آزاد و خود مختار کیا جائے۔ کسی بھی ملک کی ترقی کے لئے مضبوط مستحکم معیشت ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ مضبوطی اور استحکام یقیناً بحریہ کے ساتھ وابستہ ہے، اس وابستگی کو مزید تقویت دی جائے۔

5. معیشت اور اقتصادی امور کی ترقی اور بہتری کے لئے ایک متحد اور متحرک بحریہ کی اہمیت و افادیت کو نمایاں کیا جائے اور اس کی کامیابی کے لئے مسلم ممالک کے خیر سگالی کے دوروں اور پیشہ ورانہ تربیتی کورسز کا اہتمام کیا جائے۔

6. بحری علوم اور بحریات کے موضوع پر لکھی جانے والی کُتب زیادہ تر عربی اور انگریزی زبان میں ہیں، اُن کا دیگر زبانوں میں ترجمہ کیا جائے۔ چونکہ بحری علوم پر لکھی جانے والی عربی کتب مسلمانوں کا قیمتی ورثہ اور اثاثہ ہیں، اس لئے بحریات سے متعلق افراد کا عربی زبان سے آشنا ہونا وقت کا تقاضہ ہے۔

7. سمندر سے واقفیت اور اس کے وسائل سے استفادہ کرنے کے لئے بحری علوم سے واقفیت انتہائی ضروری ہے۔ بد قسمتی سے اپنے اسلاف کا درخشاں ماضی رکھنے کے باوجود بھی مسلمان اس علم میں بہت پیچھے ہیں اور مغرب کے دست نگر ہیں۔ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے نصاب تعلیم میں بحری علوم وفنون کو بالعموم ہر سطح پر اور جامعات کی سطح پر بالخصوص توجہ کا مرکز بنایا جائے۔

8. جدید مواصلاتی ذرائع کے ذریعے عوام وخواص میں سمندر کے حوالے سے شعور و آگاہی پیدا کی جائے اور ایسے پروگرامز ترتیب دیئے جائیں جو ابتداء ہی سے بچوں کی دلچسپی کو بحری معلومات حاصل کرنے کی طرف راغب کر سکیں۔

9. اسلامی ممالک مشترکہ بحری مشقوں کا انعقاد کر کے اپنے ممکنہ دشمن پر رعب و دبدبہ قائم کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ پاکستان اور سعودی عرب کی مشترکہ مشق "نسیم البحر" عمان کے ساتھ " تمر الطیب" متحدہ عرب امارات کے ساتھ " نضل البحر" اس سمت بہترین کاوش ہے۔

10. مسلم بحری قوت کو مضبوط اور بہتر بنانے میں عالمی سطح پر ایڈوانس ٹیکنالوجی کے حامل ممالک سے رابطہ اور تعاون بڑھا کر ایڈوانس ٹیکنالوجی کے حصول کی ضرورت ہے۔ بحریہ کے افسران اور اسٹاف کی ٹریننگ کا ایک جامع پروگرام ترتیب دینے کی اہمیت سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔ پاکستان اور ترکی اس میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ ان ممالک کے پاس تربیت یافتہ عملہ اور وسائل موجود ہیں جو ہر لحاظ سے قائدانہ کردار ادا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

11. مسلم بحری قوت کو بین الاقوامی تجارت کے فروغ میں اپنا کردار ادا کرنا چاہیے، نیز مسلمان ممالک سمندری حدود کی نگرانی کا مؤثّر انتظام اور تدابیر اختیار کریں۔

12. اسلامی ممالک میں پاکستان، ملائیشیا اور ترکی اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ پاکستان بحریہ، ترک بحریہ کے ساتھ کئی معاہدوں کے ذریعے رابطے میں ہے۔ وسط نومبر 2016 میں صدر رجب طیب اردگان کے سرکاری دورہ اسلام آباد کے دوران دفاعی معاہدوں کی تجدید بھی کی گئی تھی۔ اب یہ وزارت دفاع اور متعلقہ اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ترکی جیسے مخلص دوست کے ساتھ کئے گئے اِن معاہدات کو جتنا جلد ہو سکے پایۂ تکمیل تک پہنچائیں۔

13. زمانہ امن میں تجارتی گزر گاہوں کی سلامتی کو یقینی بنایا جائے، بحری قزاقی کی بیخ کنی، ہتھیاروں اور منشیات کی سمگلنگ کی روک تھام اور انسدادِ دہشتگردی کے لئے مؤثر حکمت عملی تشکیل دی جائے۔

14. سمندری حادثات و آفات اور کئی دیگر چیلنجز اور جنگی حالات میں ملکی دفاع کیساتھ ساتھ تجارتی سامان خصوصاً خام تیل کی ترسیل کو برقرار رکھنے کیلئے باہمی تعاون کو فروغ دیا جائے۔

15. چین پاکستان اقتصادی راہداری (China Pakistan Economic Corridor) سی پیک کی جلد تکمیل اور گوادر پورٹ پر تجارتی سرگرمیوں کو حقیقت میں بدلنے، سمندری شاہراہ ریشم (Sea Silk Route) کیساتھ پاکستان کے وسیع و عریض علاقے پر پھیلے خصوصی استحقاقی معاشی خطے (E E Z) سے اقتصادی و معاشی فوائد کے حصول کی ضمانت ایک مضبوط بحری قوت ہی فراہم کر سکتی ہے۔

16. بحر ہند میں جامع اور سمندری وسعت کے حامل آپریشنز کیلئے بھارت "بلیو واٹر نیوی" کی تشکیل کی جانب تیزی سے گامزن ہے، ایسے میں پاکستان کو جامع تزویراتی (Strategic) پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے کم از کم ملکی سمندری حدود میں پوری طرح متحرک اور طاقتور تزویراتی آپریشنز کیلئے کولیشن میری ٹائم فورس (CMF) کی بنیاد رکھنا اور "جامع قومی منصوبہ برائے بحری تحفظ" تشکیل دینا ہو گا اور ملکی بحریہ (بشمول میری ٹائم سیکیورٹی ایجنسی اور کوسٹ گارڈز) کو مضبوط تر بنا کر دفاع کو مستحکم اور اقتصادی و معاشی فوائد کے حصول کو حقیقت میں بدلنا ہو گا۔

17. نیٹو، امریکہ، سارک اور آسیان کے بلاک کی طرز پر مسلم میری ٹائم بلاک کا قیام ناگزیر ہے کیونکہ یہ بلاک قومی اور بین الاقوامی ضرورتیں پوری کرنے اور علاقائی تنازعات دور کرنے کے میں (جیسا کہ یمن، سعودی عرب اور قطر کے تنازعات) کلیدی کردار ادا کر سکتا ہے۔

18. اسلامی بحریہ کی تنظیم اور استحکام کے لئے تنظیم تعاون اسلامی (OIC) کو فعال بنانے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسے ایک مضبوط اور متحد پلیٹ فارم بنانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ اس مشترکہ پلیٹ فارم کے زیر قیادت ایک مضبوط مسلم بحری قوت تشکیل دی جا سکے جو نہ صرف اسلامی ممالک کے ساحلی علاقوں کی حفاظت کرے بلکہ مظلوم اور بے یار و مددگار مسلمانوں تک رسائی حاصل کر کے ان کے تحفظ کو یقینی بنا سکے۔

19. کچھ اسلامی ممالک کے مابین وزارتی سطح پر مشترکہ اقتصادی کمیشن پہلے سے قائم ہیں اسی طرز پر بحری کمیشن کا قیام بھی عمل میں لایا جا سکتا ہے یہ کمیشن عارضی طور پر اس وقت تک کام کرے جب تک او آئی سی کی طرز کا ادارہ قائم نہیں ہو جاتا۔

20. اسلامی ممالک جہاز سازی اور دیگر تکنیکی امور اور مہارتوں میں غیروں کے دست نگر ہیں یہ غیر ممالک عین اُس وقت امداد اور تعاون سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں جب کوئی مسلم ملک کسی بحران کا شکار ہوتا ہے اور اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے لازم ہے کہ مسلم ممالک اپنے وسائل کو یکجا کر کے تجارتی اور جنگی جہازوں کی تعمیر و ترقی کے منصوبے تشکیل دیں۔ اس سلسلے میں بحری دفاع (حربی اور ضربی ساز و سامان) کی تیاری کے لئے قومی سطح پر مقامی صنعتوں کا قیام اور اس کا فروغ انتہائی ناگزیر ہے۔ تاکہ اس سے مغربی ممالک پر انحصار کم ہو نیز اس کے قیام و فروغ سے روزگار کے مواقع فراہم ہوں اور معیشت کو استحکام حاصل ہو گا۔

فہارس

- فہرست آیات قرآنیہ
- فہرست احادیث مبارکہ
- فہرست اعلام
- فہرست اماکن
- فہرست مصادر و مراجع

فہرست آیات قرآنیہ

نمبر شمار	آیت	نام سورہ	آیت نمبر	صفحہ
1.	﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾	البقرہ	31	171
2.	﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ------------------﴾	البقرہ	164	19
3.	﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾	البقرہ	190	67
4.	﴿وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُم مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ ۚ ------------------﴾	البقرہ	191	67
5.	﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ فَإِنِ انتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾	البقرہ	193	65
6.	﴿فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۚ ----------﴾	البقرہ	249	68
7.	﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾	البقرہ	256	57
8.	﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ -------------﴾	النساء	75	66
9.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾	المائدہ	35	44
10.	﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ﴾	الانعام	59	19
11.	﴿قُلْ مَن يُنَجِّيكُم مِّن ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾	الانعام	63	3
12.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ -------------------﴾	الانفال	16-15	62
13.	﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾	الانفال	39	42
14.	﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾	الانفال	39	65
15.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾	الانفال	45	62
16	﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾	التوبہ	9	42
17	﴿أَلَا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُم -------﴾	التوبہ	13	57

18.	﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ﴾	التوبہ	14	42
19.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللهِ اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ ۚ ----------﴾	التوبہ	38	63
20.	﴿انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ﴾	التوبہ	41	60
21.	﴿إِنَّ اللهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ---------------﴾	التوبہ	111	46
22.	﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۚ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ﴾	الھود	37	25
23.	﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾	الھود	40	28
24.	﴿وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللهِ مَجْرِاهَا وَمُرْسَاهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾	الھود	41	20
25.	﴿وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ﴾	الھود	42	25
26.	﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا ----------﴾	النحل	14	21
27.	وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ	النحل	16	172
28.	﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾	النحل	89	19
29.	﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ ---------﴾	بنی اسرائیل	70	22
30.	﴿وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا﴾	الکھف	79	28
31.	﴿أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي -----------﴾	طہ	39	23
32.	﴿فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ﴾	طہ	78	24
33.	﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾	الانبیاء	30	210
34.	﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ﴾	الانبیاء	81	16
35.	﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ -------------﴾	الحج	39-40	56
36.	﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللهَ سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ وَيُمْسِكُ ------------﴾	الحج	65	22

37.	﴿وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾	الحج	78	45
38.	﴿وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ أَثَاماً﴾	الفرقان	125	40
39.	﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾	الروم	41	5
40.	﴿وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللهِ﴾	لقمان	27	4
41.	﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللهِ لِيُرِيَكُم مِّنْ آيَاتِهِ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾	لقمان	31	23
42.	﴿وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ ۖ وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۖ ----------------﴾	السبا	12	17
43.	﴿وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ۞ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ۞ ------﴾	یٰسین	43-41	14
44.	﴿فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ﴾	ص	36	16
45.	﴿إِن يَشَأْ يُسْكِنِ الرِّيحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَىٰ ظَهْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾	الشوریٰ	33	15
46.	﴿اللهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾	الجاثیہ	12	12
47.	﴿وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾	الجاثیہ	45	12
48.	﴿وَحَمَلْنَاهُ عَلَىٰ ذَاتِ أَلْوَاحٍ وَدُسُرٍ﴾	القمر	13	25
49.	﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾	الرحمن	19	4
50.	﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾	الرحمن	24	14
51.	﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُم بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾	الصف	6	45
52.	﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ-------------﴾	الصف	11-10	42,43
53.	﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا - إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ فَإِنَّهُ يَسْلُكُ-------------﴾	الجن	26-27	32
54.	﴿وَإِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ﴾	التکویر	6	4
55.	﴿وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ﴾	الانفطار	3	4

فہرست احادیث مبارکہ

نمبر شمار	حدیث	صفحہ نمبر
1.	((اِذا اسْتنفَـــــرتُــمْ فَـــانْفـِرُوْا))	63
2.	((اَولُ جيشٍ مِنْ أُمَّتِي يَرْكَبونَ البَحْرَ قَدْ أَوْجبُوا-------))	100
3.	((سَأل رجُل يَا رَسُوْلَ الله ! و مَا الجهاد؟ قَال أن تقَاتل الكفار إذا لَقِيْتَهم))	38
4.	((شَهِيدُ الْبَحْرِ مِثْلُ شَهِيدَيْ الْبَرِّ وَالْمَائِدُ فِي الْبَحْرِ كَالْمُتَشَحِّطِ-------------))	54
5.	((غَزْوَةٌ فِي الْبَحْـــرِ مِثْــلُ -------))	51
6.	((قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ أَقْبَلَ ------))	46
7.	((كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا ذَهَبَ ---------))	51
8.	((الكَبَـائرُ الاشراكُ بالله وقتلُ النَفْسِ وعقوقُ الوالدينِ واليَمِيْنُ الغَمُوسُ))	40
9.	((لَتفْتَحنَّ القُسطنطنيةوَلَنِعْمَ الْجَيْش تلك الجيش ولَنِعْمَ الاميرا مِيْرُها))	100
10.	((لَغُدْوَةٌ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ اَوْ رَوْحَةٌ خَيْرٌ مِنَ الدُّنْيَا وَ مَا فِيْهَا))	46
11.	((مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٌ فِیْ سَبِيْلِ اللهِ فَتَمَسّه النَّارُ))	46
12.	((مَن مَاتَ وَ لَمْ يَغْزُ وَ لَمْ يحدِّث نَفسَهُ بالغَزوِ مِاتَ علَى شُعبةٍ من نفاقٍ))	50
13.	((وَاعْلَمُوْا اَنَّ الْجَنة تَحْتَ ظِلاَلِ السِّيُوْفِ))	50
14.	((وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوَدِدْتُ أَنِّي أَغْزُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ --------))	49
15.	((يُغْفَرُ لِلشَّهِيدِ كُلُّ ذَنْبٍ إِلَّا الدَّيْنَ))	47

فہرستِ اعلام

صفحہ نمبر	اعلام	نمبر شمار
85	ابن بطوطہ	1.
27	ابن جریج	2.
44	ابن عاشور	3.
173	ابن ماجد	4.
54	ابو امامہ الباہلی	5.
101	ابو ایوب انصاری	6.
31	ابو موسیٰ اشعریؓ	7.
173	احمد بن ماجد	8.
3	اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا	9.
52	ام حرام رضی اللہ عنہا	10.
158	بایزید یلدرم	11.
82	بطلیموس	12.
31	تمیم الداری	13.
37	جبران مسعود	14.

15.	جعفر بن ابی طالب	31
16.	جنادہ بن امیہ	105
17.	الجوزی	26
18.	حام، سام، یافث	27
19.	خیر الدین باربروسہ	165
20.	راغب اصفہانی	36
21.	سلیم بن عامر الکلاعی	55
22.	طارق بن زیاد	177
23.	الطبری	30
24.	عبادہ بن صامت	52
25.	عبد الرحمن الثالث	131
26.	عبد اللہ بن قیس حارثی	72
27.	عبد اللہ بن ابی سرح	54
28.	عبد اللہ بن جبیر	29
29.	عبد اللہ بن زبیر	101
30.	عبد اللہ بن عباس	101
31.	عبد اللہ بن عمر بن الخطاب	101

146	عثمان بن ارطغرل	.32
72	عرفجہ	.33
162	عروج باربروسہ	.34
73	عقبہ بن عامر الانصاری	.35
75	علاء الحضرمی	.36
27	قتادہ بن دعامہ السدوسی	.37
27	قتادہ بن دعامہ	.38
4	القزوینی (احمد بن فارس)	.39
39	الکاسانی	.40
54	محمد بن قاسم	.41
31	نجاشی	.42
37	وارث سرہندی	.43

فہرست اماکن

نمبر شمار	اماکن	صفحہ نمبر
.1	ام القوین	201
.2	اندلس	125
.3	آزربائیجان	179
.4	باسفورس	152
.5	بلقان	150
.6	ترکمانستان	181
.7	جبرالٹر	54
.8	خلیج زقاق	175
.9	رأس الخیمہ	201
.10	روڈس(رہوڈس)	104
.11	سارڈینیا	138
.12	سسلی	103
.13	طلیطلہ	126
.14	کرمان	146
.15	گوادر	192

15	ہلال زرخیز	.16
8	وادی شق	.17

مصادر و مراجع

1. قرآن مجید
2. ابن نحاس ، احمد بن ابراہیم بن محمد الدمشقی الدمیاطی، مشارع الاشواق الی مصارع العشاق ، دار البشائر الاسلامیۃ، بیروت لبنان، 2008ء
3. ابن الاثیر، اسد الغابۃ، المیزان ناشران و تاجران کتب، لاہور۔ 2006ء
4. ابن الاثیر، علی بن احمد، الکامل فی التاریخ، دار الفکر بیروت، لبنان، 1990ء
5. ابن الارزق، محمد بن علی بن محمد الأصبحی الأندلسی، أبو عبد اللہ، شمس الدین الغرناطی، بدائع السلک فی طبائع الملک، دار السلام للطباعہ والنشر والتوزیع والترجمہ، قاہرہ، 2008ء
6. ابن الفارس، أحمد بن فارس بن زکریاء القزوینی الرازي، أبو الحسین، مقاییس اللغۃ، دار الفکر بیروت، 1979ء
7. ابن القیم، محمد بن أبي بکر بن أیوب ابن قیم الجوزیۃ ،زاد المعاد فی ھدی خیر العباد، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، 1998ء
8. ابن تغری بردی، النجوم الزاھرۃ فی اخبار ملوك المصر و القاھرۃ، وزارۃ الثقافۃ، مصر، 1963ء
9. ابن جبیر، محمد بن احمد، رحلۃ ابن جبیر، دار بیروت للطباعۃ والنشر، بیروت، 1287ھ
10. ابن جریر، تفسیر طبری، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1994ء
11. ابن حوقل، ابو القاسم، عبد اللہ بن عبد اللہ، المسالک والممالک، مطبع بریل، لیڈن، شمالی ہالینڈ، 1872ء
12. ابن خلدون، علامہ عبد الرحمٰن، تاریخ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی اردو بازار کراچی، 2001ء
13. ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبری، (ترجمہ علامہ عبد اللہ العمادی) دار الاشاعت، کراچی، 2003ء
14. ابن عثیمین ، محمد بن صالح بن محمد العثیمین الشرح الممتع علی زاد المستقنع ، دار ابن الجوزي، 1422ھ
15. ابن عذاری، ابو العباس احمد بن محمد، البیان المغرب، دار الثقافہ، لبنان۔ 1983ء
16. ابنِ قتیبہ، محمد بن عبد اللہ بن مسلم، الامامۃ والسیاسۃ، دار الاضواء للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان 1990ء
17. ابن قدامہ المقدسی، المغنی، مطبوعہ دار الفکر بیروت، 1405ھ
18. ابن ماجہ، سنن، محمد بن یزید، کتاب الجہاد، باب فضائل غزو البحر، دینی کتب خانہ لاہور، 1977ء
19. ابن منکلی، محمد بن محمود ابن منکلی، الادلۃ الرسمیۃ فی التعالی العربیۃ، المجمع العلمی العراقی، 1409ھ

20. ابن ہمام، کمال الدین، محمد بن عبد الواحد، شرح فتح القدیر، مطبع مصطفائی، قاہرہ، مصر 1356ھ

21. ابن یسار، محمد بن اسحاق، ابنِ ہشام و ابو محمد، عبد الملک بن ہشام، السیرۃ النبویۃ (ترجمہ سید یٰسین علی حسنی) ادارہ اسلامیات، کراچی، 1994ء

22. ابو حامد الاندلسی، تحفہ الالباب، مکتبہ الثقافۃ الدینیہ، قاہرہ، مصر، 2003ء

23. ابو نصر، اسماعیل بن حماد جوہری، تاج اللغۃ و الصحاح العربیۃ (الصحاح)، دار العلم للملایین، بیروت، 1982ء

24. ابو نعیم، عبد الحکیم، نشتر جالندھری، قائد اللغات، حامد اینڈ کمپنی لاہور، اشاعت 1969ء

25. ابو الحسن علی ابن سیدہ، المختص فی اللغۃ و الادب، بیروت، دار الفکر، 1398ھ

26. ابو بکر محمد بن ابی سہل، السرخسی، المبسوط، دار المعرفۃ بیروت، 1989ء

27. ابو جعفر، طبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، (ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی) نفیس اکیڈمی، اردو بازار کراچی، 2004ء

28. ابو عبد اللہ محمد بن خلفہ، الوشتانی، الابی، المالکی، اکمال الکمال المعلم (شرح صحیح مسلم) دار الکتب العلمیہ بیروت، 2008ء

29. احمد بن حنبل، مسند، بیت الافکار الدولیۃ، ریاض، 1999ء

30. احمد بن یحیٰ، بلاذری، فتوح البلدان، الموسوعات، مصر، 1319ھ

31. الادریسی، نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق، مکتبۃ الثقافیۃ الدینیۃ، 2002ء

32. اردو انسائیکلوپیڈیا، مطبوعہ فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، لاہور، ص 230، 2005ء

33. اسبابِ عروج و زوالِ امت، مجلہ برہان، اپریل 1942ء

34. اسلامی تہذیب و تمدن مصنفہ عماد الحسن فاروقی، مطبوعہ نگارشات، لاہور، 1996ء

35. اصفہانی، ابو موسیٰ محمد بن ابو بکر، المجموع المغیث فی غریبی القرآن والحدیث، مرکز بحث العلمی والاحیاء التراث الاسلامی، ام القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ، 2005

36. الاصفہانی، راغب، المفردات لالفاظ القرآن، تحقیق صفوان عدنان، مطبوعہ دار العلم دمشق، 2009ء

37. افریقی، ابن منظور، لسان العرب، وزارۃ الشؤن الاسلامیہ والاوقاف والدعوہ والارشاد، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، 1308ھ

38. اکبر شاہ، نجیب آبادی، تاریخ اسلام، مرکز القادسیہ، چوبرجی لاہور۔ 1426ھ

39. اکبر آبادی، سعید احمد، مسلمانوں کا عروج و زوال، المحمود اکیڈمی، لاہور۔ 1988ء

40. الامام، محمد الطاہر، ابن عاشور، تفسیر التحریر و التنویر، دار سحنون للنشر و التوزیع، تونس، 1997ء

41. الامیر شکیب ارسلان، تاریخ غزوات العرب، دار الکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، 1352ھ

42. امیر علی سید، جسٹس، تاریخ اسلام، آئینہ ادب، لاہور، 1970ء

43. انور رفاعی، النظم الاسلامیہ، دار الفکر بیروت، 1981ء

44. اے ڈبلیو سندھی، اسلام کے مشہور سپہ سالار، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، 1956ء

45. بحری قوانین(Convention on the Law of the Sea 1982) (Law of Sea) طباعت UNO

46. بسام العسیلی، خیرالدین بربروس والجہاد فی البحر، دار النفائس، بیروت

47. البغوی، الامام ابو محمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل، دار طیبہ، ریاض، 1989ء

48. پراچہ، نذیر احمد، ڈاکٹر، مسلمان فاتحین، الحمد پبلیکیشنز، لاہور، 2007ء

49. ڈاکٹر عبد السلام الترمانینی، التاریخ الاسلامی بترتیب السنین ، مجلس الوطنی للثقافۃ والفنون والآداب، کویت 1988ء

50. تشکیل انسانیت (The Making of Humanity)، رابرٹ بریفالٹ(ترجمہ عبد المجید سالک) مجلس ترقی ادب کلب روڈ، لاہور۔ 1964ء

51. ثاقب، احسان اللہ، دنیا کے ممالک، ہولیڈے بکس پبلشرز لاہور، 2001ء

52. جبران مسعود، الرائد، دار العلم للملایین بیروت، 1992ء

53. جرجی زیدان، تاریخ التمدن الاسلامی، مؤسسہ انتشارات امیر کبیر، تہران، 1372ھ

54. جرجی زیدان، تاریخ مصر الحدیث، مکتبہ المقتطف، مصر، 1889ء

55. الجزری، ابن الاثیر، علی بن الکریم، الکامل فی التاریخ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1987ء

56. جعفری، رئیس احمد، دولت فاطمیہ، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، 2004ء

57. جعفری، رئیس احمد، سفر نامہ ابن بطوطہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، 1976ء

58. الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح، تاج اللغۃ والصحاح العربیۃ، دار العلم للملایین، بیروت، 1982ء

59. جیراج پوری، محمد اسلم علامہ، تاریخ الامت، دوست ایسوسی ایٹس، لاہور۔ 1993ء

60. حسن بن عبد اللہ عباسی، آثار الاول فی ترتیب الدول، قاہرہ، مطبعۃ البرلاق، 1295ھ

61. الحموی، الرومی، یاقوت بن عبد اللہ، معجم البلدان، دار صادر بیرورت، 1993ء

62. حمید الدین، ڈاکٹر، تاریخ اسلام، فیروز سنز، لاہور، 1987ء

63. الحمیری، ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ، الروضۃ المعطار فی خبر الاقطار، مؤسسۃ ناصر للثقافۃ، بیروت، لبنان، 1955ء

64. حورانی، جورج فضلو، (مترجم یعقوب بکر) العرب والملاحۃ فی المحیط الہندی، مکتبہ الانجلو المصریۃ، القاہرۃ، 1958ء

65. خاور محمود، سید، بحری جہاز کی کہانی، شالیمار پبلی کیشنز، کراچی۔1998ء

66. خطیب، ابو بکر احمد بن علی، البغدادی، تاریخ بغداد، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

67. دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، 2002ء

68 ڈاکٹر فتحی حسن ملکاوی، قضایا الاصلاح فی الفکر الاسلامی المعاصر، المعہد العالمی للفکر الاسلامی، بیروت، 1987ء

69. ڈاکٹر حسین ابرہیم، الفاطمیون فی مصر، المطبعۃ الامیریۃ بالقاہرہ، ص63، 1932ء

70. ڈاکٹر راغب السرجانی، قصۃ الاندلس من الفتح الی السقوط، مؤسسۃ اقرا للنشر والتوزیع، قاہرہ، 2011ء

71. ڈاکٹر محمد منیر احمد سلیچ، وفیات ناموران پاکستان، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2006ء

72. ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، التفسیر المنیر، دار الفکر المعاصر، دمشق، 1418ھ

73. الذہبی، ابو عبید اللہ محمد بن احمد، دول الاسلام، دار صادر، بیروت 1999ء

74. راغب، السرجانی، قصۃ الاندلس من الفتح الی السقوط، مؤسسۃ اقرا للنشر و للتوزیع، قاہرہ، 2011ء

75. ریاست علی ندوی، تاریخ اندلس، مکی دار الکتب، لاہور، 2002ء

76. سر، ڈاکٹر، علامہ محمد اقبال، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1982ء

77. سرجانی، ڈاکٹر، قصۃ الاندلس من الفتح الی السقوط، اقرأ للنشر والتوزیع، قاہرہ، 2011ء

78. سرہنگ، اسماعیل، حقائق الاخبار عن دول البحار، مطبعہ امیریہ، مصر، 1316ھ

79. سعاد ماہر، ڈاکٹر، البحریۃ فی مصر الاسلامیۃ و آثارھا الباقیۃ، دار المعارف، مصر

80. سعید رضا، مسلمان، امیر البحر، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، 1988ء

81. سعیدی، علامہ، غلام رسول، تبیان القرآن، فرید بک سٹال، لاہور، 2009ء

82. السلسلۃ الضعفیہ للالبانی، ترجمہ محمد صادق خلیل، مکتبہ اہلحدیث، امین پور بازار، فیصل آباد۔2012ء

83. سلیمان عالی شان، ہیرالڈ لیم (Heraldleam) ترجمہ ڈاکٹر محمد طاہر جگڑول، حصہ اول، مقبول اکیڈمی، لاہور۔1988ء

84. سید قاسم محمود، شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا، الفیصل، ناشران و تاجران کتب، لاہور۔2002ء

85. السیوطی، جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر، تاریخ الخلفاء، پروگریسو بکس، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔ 2012ء

86. شبلی نعمانی، علامہ، المامون، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، 1972ء

87. صفوت، مصطفیٰ محمد، ڈاکٹر، سلطان محمد فاتح، مکتبہ میری لائبریری، لاہور۔1973ء

88. الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الامم و الملوک، (مشہور بہ تاریخ طبری) (ترجمہ ڈاکٹر محمد صدیق ہاشمی) نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی۔2004ء

89. عبد الصبور طارق، سید، مسلمانوں کے بحری کارنامے، مکتبہ تعمیرات انسانیت، لاہور، 1990ء

90. عبد القوی ضیاء، تاریخ اندلس، ص466-467

91. عبد الجبار الجومرو، ہارون الرشید— حقائق عن عہدہ و خلافتہ، شرکۃ المطبوعات للتوزیع والنشر، (اردو ترجمہ، رئیس جعفری، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1968ء)

92. عبد الصبور طارق، سید، مسلمانوں کے بحری کارنامے، ص37، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، 1990ء

93. عبد الکریم السمک، البحریۃ الاسلامیۃ تاریخ نفاخربہ

94. عبد اللہ حمادی، سیرۃ المجاھد خیر الدین بربروس، دار القصبہ للنشر، 2009ء

95. عبد المنعم ماجد، العصر العباسی الاول، مکتبہ الآنجلو المصریۃ، قاہرہ، 1992ء

96. عبد المنعم ماجد، تاریخ الحضارۃ الاسلامیۃ، مکتبہ الانجلو المصریہ، قاہرہ، 1992ء

97. عبد الوحید، انسائیکلوپیڈیا اقوام عالم، نگارشات، لاہور۔2002ء

98. عربوں کی جہاز رانی، سید سلیمان ندوی، اردو اکیڈمی، سندھ، کراچی، 1981ء

99. عزیز، محمد، ڈاکٹر، دولت عثمانیہ، دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، 2008ء

100. العسقلانی، علی بن احمد بن حجر، فتح الباری شرح الصحیح البخاری، نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، 1401ھ

101. العسکری، سلیمان ابراہیم (کویت یونیورسٹی)، التجارۃ و الملاحۃ فی الخلیج العربی فی العصر العباسی، المجلس الاعلیٰ للثقافۃ، مصر، القاہرۃ، 1972ء

102. العسیلی، بسام، خیر الدین بربروس والجہاد فی البحر، دار النفائس، بیروت، لبنان، 1980ء

103. علاؤالدین، علی متقی، علامہ، (ترجمہ مفتی احسان اللہ شائق) کنزالعمال فی سنن الاقوال والافعال، دار االاشاعت اردو بازار، کراچی۔2009ء

104. عمان بن ثابت، الجندیۃ فی الدولۃ العباسیۃ، مطبعہ اسد، بغداد، 1956ء

105. عمر بن کثیر، اسماعیل، ابو الفداء، تفسیر ابن کثیر، دار طیبہ، 1999ء

106. عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین، مؤسسۃ الرسالۃ، 1993ء

107. عمیر، ابو النصر، الھارون، نگارشات، لاہور۔2005ء

108. عنائت اللہ دہلوی، عبرت نامہ اندلس، (مصنف ڈوزی رائن ہارٹ) مقبول اکیڈمی، لاہور، 1996ء

109. فلپ کے ہٹی، تاریخ عرب، نگارشات، لاہور۔2002

110. فہمی، محمود علی، التنظیم البحری فی شرق المتوسط، دار الوحدۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، 1981ء

111. فیروز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 2005ء

112. القاری، ملا علی، مرقاۃ المفاتیح، دار الفکر، بیروت، لبنان

113. قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی، کراچی، 1995ء

114. قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن، دار الکتب المصریہ، قاہرہ، 1964ء

115. القزوینی، زکریا بن محمد بن محمود القزوینی، آثار البلاد و اخبار العباد، دار صادر، بیروت، 1373ھ

116. القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح المسلم، دار السلام، بیروت، 1999ء

117. الکاسانی، علاء الدین ابو بکر بن مسعود، بدائع الصنائع، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان، 1986ء

118. کحیلہ، ڈاکٹر عبادہ، تاریخ النصاریٰ فی الاندلس، المطبعہ الاسلامیہ الحدیثہ، قاہرہ، 1993ء

119. مبارکپوری، عبد الرحمن، تحفۃ الأحوذی، دار الفکر، بیروت، لبنان

120. مجموعہ فتاوی ابن عثیمین، تخریج الکشاف

121. محمد بن اسماعیل بخاری، الجامع الصحیح، دار السلام، بیروت، 1999ء

122. محمد بن جریر طبری، تاریخ طبری، داراحیاء التراث العربی ودار المعارف، بیروت، 1966ء

123. محمد بن محمود ابن منکلی، الادلۃ الرسمیہ فی التعالی العربیہ، مطبعۃ المجمع العلمی العراقی، 1409ھ

124. محمد جمال الدین سرور، تاریخ الدولۃ الفاطمیۃ، دار الفکر العربی، مصر

125. محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عربوں کی جہاز رانی پر استدراک

126. محمد دراج، ڈاکٹر، مذکرات خیر الدین بربروس، شرکۃ الاصالہ للنشر، بیروت، 2010ء

127. محمد رضا خان، قدیم وجدید تاریخ مسلمانانِ عالم، علمی کتاب خانہ اردو بازار لاہور۔1972ء

128. محمد عزیز، ڈاکٹر، دولتِ عثمانیہ۔ دار المصنفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا، 2008ء

129. محمد عنایت اللہ (بی اے)، اندلس کا تاریخی جغرافیہ، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور۔1987ء

130. محمد مصطفیٰ صفوت، ڈاکٹر، سلطان محمد الفاتح، مکتبہ میری لائبریری لاہور، 1973ء

131. محمد نواز، ڈاکٹر، اسلامی بحریہ، دائرہ معارف البحریہ، کراچی، 2004ء

132. محمد یاسین الحموی، تاریخ اسطول العربی، فؤاد ھاشم الکتبی، دمشق، 1945ء

133. محمد یونس، حافظ، عظمت قرآن کریم، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔1982ء

134. محمود احمد محمد عواد، الجیش والاسطول، کلیۃ الدراسات، اردن، 1992ء

135. مسعودی، ابو الحسن بن علی، مروج الذھب و معادن الجوھر، المکتبۃ العصریہ، بیروت، 2005ء

136. مصطفیٰ السباعی، ڈاکٹر، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، اسلامی پبلشرز، لاہور۔1979ء

137. مقدسی، احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم، مکتبہ مدبولی، قاہرہ، 1991ء

138. المقری، احمد بن محمد المقری، نفخ الطیب، دار صادر، بیروت، 1968ء

139. المقریزی، ابو العباس، احمد بن علی، اتعاظ الحنفاء، اہرام التجاریۃ، مصر، 1996ء

140. المقریزی، احمد بن علی، الخطط و الآثار، مکتبہ المصطفیٰ، مصر، 1916ء

141. مقصود ایاز، سلیمان عالیشان، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1992ء

142. منی خلف بن علوان الکتبی، اسھامات احمد بن ماجد فی علم الجغرافیا الملاحیۃ، زید یونیورسٹی، کویت 1982ء

143. مودودی، ابو الاعلیٰ، الجہاد فی الاسلام، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، 1974ء

144. موسیو سیدیو، تاریخ عرب، (ترجمہ عبد الغفور خان، محمد حلیم انصاری)، نفیس اکیڈمی، کراچی۔1989ء

145. موسیو گستاولی بان، تمدن عرب (ترجمہ سید علی بلگرامی)، مقبول اکیڈمی، لاہور، 1936ء

146. موفق الدین، ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی، المغنی، دار الفکر، بیروت، 1405ھ

147. نجیب آبادی، اکبر شاہ، تاریخ اسلام، نفیس اکیڈمی کراچی، 1987ء

148. ندوی، رشید اختر، مسلمان حکمران، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، 2009ء

149. ندوی، شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔1979ء

150. ندوی، سید ابو الحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، مجلس نشریات اسلام، 1979ء

151. ندوی، سید، سلیمان، عربوں کی جہاز رانی، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، 1981ء

152. ندوی، ریاست علی، تاریخ اندلس، مکی دار الکتب، لاہور۔2002ء

153. نصولی، انیس زکریا، (مترجم عبد الصمد صارم)، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، مکتبہ میری لائبریری لاہور، 1976ء

154. نعمان بن ثابت، الجندیۃ فی الدولۃ العباسیۃ، بغداد، مطبعہ اسد، 1956ء

155. نووی، یحیٰ بن شرف، شرح صحیح مسلم، دار الکتب العلمیہ، بیروت لبنان

156. ہاب الدین نوبری، نہایۃ الارب فی فنون الارب، قاہرہ، دار الکتب المصریہ، 1345ھ

157. ہادیۃ القرۃ غولی، العقیلۃ العربیۃ، دار الفکر، بیروت، 1990ء

158. ہیکل، ڈاکٹر محمد خیر، الجہاد و القتال فی السیاسۃ الشرعیۃ، دار ابن حزم، بیروت، لبنان، 1996ء

159. وارث سرہندی، علمی اردو لغت، علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور، اشاعت، 1972ء

160. وحید الزمان کیرانوی، مولانا، القاموس الجدید، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1990ء

161. یاقوت الحموی، معجم البلدان، دار صادر، بیروت، 1993ء

162. یحیٰ بن شرف نووی شافعی، روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین، مکتب اسلامی بیروت، 1405ھ

163. یعقوبی، احمد بن جعفر، کتاب البلدان

164. یلماز اوز تونا(Yılmaz Öztuna) ،مترجم عدنان محمود سلمان) تاریخ الدولة العثمانیة، مؤسسة فیصل للتمویل،استنبول،ترکی،1988ء

اخبارات ورسائل

1. ٹائمز آف اسلام آباد،اشاعت 7 /جولائی 2018ء

2. ماہنامہ نیوی نیوز، شمارہ جنوری2016ء،شعبہ تعلقات عامہ،نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد

3. روداد پاکستان بحریہ(1972-1947)،شعبہ تاریخ،ایجوکیشن ڈائریکٹوریٹ،نیول ہیڈ کوارٹرز،اسلام آباد۔2017ء

4. روزنامہ پاکستان،اشاعت 6 /جولائی2018ء

5. روزنامہ سماء،اشاعت3 /جنوری 2018ء

6. روزنامہ نوائے وقت،اشاعت 10/فروری2018ء

7. ماہنامہ ہلال،شمارہ اکتوبر2013ءانٹر سروسز پبلک ریلیشنز ڈائریکٹوریٹ،راولپنڈی

8. ماہنامہ نیوی نیوز، شمارہ جنوری2015ء،شعبہ تعلقات عامہ،نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد

9. ماہنامہ نیوی نیوز، شمارہ اکتوبر2014ء،شعبہ تعلقات عامہ،نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد

10. ماہنامہ نیوی نیوز، شمارہ مئی2011ء ، شعبہ تعلقات عامہ،نیول ہیڈ کوارٹرز اسلام آباد

ENGLISH BOOKS & MAGAZINES

1. Ameer Ali Syed, A Short History of the Saracens, New York, USA, 1889
2. Bernard Lewis, The Arabs in History, London, 1950
3. Chambers concise dictionary, G.W Davidson and friends, Cambridge edinburgh New York port chester Melbourne Sydney, 1988.
4. Collins English Dictionary (Thesaurus), Collins (London) 1979.
5. Commodore Muhammad Anwar, Role of Smaller Navies , NES Dte, NHQ Islamabad -1999
6. Edward S Creasy, History of Othoman Turks, New York, USA, 1877
7. Edward Gibbon, Decline and Fall of the Roman Empire, Vol.4, London, 1776
8. Edward Gibbon, Decline and fall of the Roman Empire, 1776, London
9. Edward S Creasy, History of Othoman of Turks
10. Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Empire of Arabs, London, 1963
11. Glubb, Lt. Gen, Sir John, The Great Arab Conquests, London, 1963
12. J B Bury, The History of the Later Roman Empire, London, 1923
13. Lord Eversley, The Turkish Empire, Cambridge University Press, London, 1917
14. M. Abdullah Enan, Decisive Movements in the History of Islam, Lahore, Pakistan. 1940
15. Prof. T.W.Arnold, The Preaching of Islam, London, 1913
16. Stafan Zwieg , The Tide of Fortune
17. Stanely Lane Poole, The Moors in Spain, London
18. Stanley, Lane Poole, Muhammadan Dynesties, London
19. Stefan Zwieg , The Tide of Fortune, Macmilan Educational Ltd.
20. Will Durant, The Story of Civilization, USA, 1935
21. William L.Langer, Encylopedia of World History, London, 1940

ENGLISH DICTIONARIES

1. Chambers concise dictionary, G.W Davidson and friends, Cambridge Edinburgh new York port Chester Melbourne Sydney,1988
2. Collins English Dictionary (Thesaurus)
3. Collins English Dictionary (Thesaurus) compact edition, Harper Collins publishers westerhill Road Glasgow second edition 2006.

WEB PAGES

Sr. #	Address	Subject	Date of visit
1.	https://www.paknavy.gov.pk/	Pak Navy	1-12-2016
2.	https//www.bbc.com/urdu/world/2010/03/100325_pirate_somalia_pvtarmy	Somalia	5-5-2016
3.	https//turkishnavy.net	Turkish Navy	22-5-2016
4.	http//www.usf-iraq.com/	Iraq Navy	7-1-2016
5.	https//www.worldwarships.com/country/albania	Albania Navy	10-12-2016
6.	https//www.navy.mil.bd/index.php	Bangla Navy	12-12-2016
7.	https//en.wikipedia.org/wiki/Royal_Brunei_Navy	Brunei Navy	5-1-2017
8.	http//www.mod.gov.eg/ModWebSite/CONL.aspx	Egyptian Navy	7-1-2017
9.	https//www.government.ae/en/information-and-services/justice-safety-and-the-law/armed-forces	UAE Navy	10-1-2017
10.	http//www.snscl.com	SAUDI Navy	10-1-2017
11.	https//en.wikipedia.org/wiki/Republic_of_Yemen_Armed_Forces#Navy	Yaman Navy	10-1-2017
12.	http//www.navy.mil.my/	Malaysian Navy	10-2-2017